اُجالے اور راتون کی تاریکی مین جو کام بن پڑتا وہ اِنھین دو چیزون مین محدود تھا، جنة المشرق کے

نام سے ایک کتاب لکھی جس مین ہندوستان کا جغرافیہ، ظہور اسلام سے لیکر سنہ ۵ تک کی اِسلامی

تاریخ، مسلمانون کا طریقۂ حکمرانی اور امور نافعہ کا لق ۔ اِمکان تلاش تحقیق سے ذکر کیا ہے، دوسری

کتاب المعارف کے نام سے لکھی، جس مین علوم و فنون کی تاریخ اور ہندوستان مین جس عِلم کی جسی مسلمانون نے

خدمت کی ہے اور جو کتابین اون علوم مین یہان تصنیف ہوئی ہیں اون کی تفصیل دی ہے،

نزہۃ الخواطر آٹھ جلدون مین تصنیف کی جس میں ہندوستان کے علما اور دوسرے

زندگی جنھون نے علم کی خدمتین کی ہین، بڑی کاوشوں اور کاہش

چند کتابین اور بھی لکھین جو فقہ و حدیث

تالیف کین جن کی اِس

صحت نے بیوفائی کی

پھر مرض کا اعاد

خدمت سمجھی جائے،

غرض نقشیست کز ما یاد ماند   کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلی روزے برحمت   کند بر حال این مسکین دعائے

عبدالحیٔ

۶ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ ، لکھنؤ،

مقدمہ

اُردو زبان اور اُردو شاعری کی تاریخ

اِنسان کے دِل مین کسی چیز کے دیکھنے، سننے یا کسی حالت یا واقعہ کے پیش آنے سے ذوق وشوق، عشق ومحبت، حیرت واستعجاب، طیش وغضب، رنج وغم وغیرہ کی جو کیفیتین پیدا ہوتی ہین، اون کو اِس طرح سے موزون کرکے ادا کرنا کہ جو اثر اوس کے دل مین ہو وہی دوسرون پر چھا جائے، اِس کا نام شاعری ہی،

اگر ایک مضمون کو ایک سطر مین لکھو اور نثر مین پڑھو، پھر اوسی مضمون کو فقط لفظون کے ایک خاص پس وپیش کے ساتھ لکھکر دیکھو، تو کچھ اور ہی عالم ہوجائیگا، اول تو وہ موزون ہوجاتا ہی، پھر کلام کا زور بڑھ جاتا ہی، تیسرے سیدھی سادی بات مین ایسا لطف پیدا ہوجاتا ہی کہ سب اوس کو بار بار پڑھتے اور مزے لیتے ہین،

قدرتی شاعر ارادہ کرکے شعر کہنے کو خاص وقت مین بیٹھتا ہی، گر حقیقت میں اوس کا دل اور [illegible] کے خیالات ہر وقت [illegible] کام مین لگے رہتے ہین، قدرت کے کارخانہ مین جو چیز اوس کے حواس مین [illegible] وس ہوتی ہی اور اوس سے جو کچھ اثر اوس کی طبیعت اُٹھاتی ہی، وہ ہر شخص کو نصیب نہین، خواہ لطف [illegible]

گی یا [illegible]

ہے کہ کیسے لفظ ہون اور کس طرح

[illegible] ی ہی، وہی کیفیت سننے والے کے

[illegible]

سینے اُٹھایا ہی اُسی طرح کا لطف اسے بھی حاصل ہو،

جس طرح کوئی زمین اپنی قابلیت کے موافق بے کچھ نہ کچھ روئید گی کے نہین رہ سکتی اسی طرح کوئی زبان اپنے اہلِ زبان کی طبیعت کے موافق نظم سے خالی نہین رہ سکتی، یا جس طرح سے روئید گی کی رنگینی اور شادابی اپنی سرزمین کی خاصیت کو ظاہر کرتی ہی، اِسی طرح سے زبانوں کے سلسلے مین ہر ایک نظم اپنی زبان اور اہلِ زبان کی شایستگی اور تہذیب علمی کے ساتھ لطافت طبع کے درجے دکھاتی ہی،

زبان اُردو کے ظہور پر خیال کرو اور اوس کی تصنیفات پڑھو تو اوس مین نثر سے پہلے نظم آئے گی، جب ملکی زبانوں نے اپنی وسعت اخلاق سے عربی فارسی الفاظ کے مہانوں کو جگہ دی تو طبیعت اِس قدرتی روئید گی نے بھی رنگ دکھایا لیکن وہ صدہا سال تک دوسرون کے رنگ مین ظہور کرتی رہی یعنی فارسی کی بحریں اور فارسی کے خیالات ایک زمانہ تک اوس مین گھسنے نہین پائے،

جہانتک جہان بین کی گئی ہی سب سے پہلے امیر خسرو نے جن کی طبیعت اختراع مین اعلا درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی، ملک سخن مین برج بھاشا کی ترکیب سے انشاپردازی کا ایک طلسم کھولا، مکرنی، انمل، دوسخنی، قسم قسم کی گیتین، اور پہیلیان، خاص اون کے آئینہ کمال کے جوہر ہین خالق باری کو بھی اونھین کی طبعِ رسا کا نتیجہ سمجھو، تو اِس حیثیت سے اوس کو اُردو نظم کا اوّل نمونہ قرار دینا ایک حد تک ٹھیک ہی، مگر اِس کی کیا سند ہی کہ یہ اِنھین کی تصنیف ہی، جو کتب و مکتبون کے ملا ایک دوسرے سے لیتے چلے آئے مین تاریخ کی بنیاد نہیں، حالت دوسری ہی، ان کی بنیاد مضبوط چٹان پر قائم ہی، سر زمانے درنقل اون کو ہم تک پہونچایا ہی، اسی طرح سے ا...

لے آبحیات، ملے آبحیات،

حالات

ین، علاوہ اِس کے

ید بدقسمتی سے یہ سب کتابین عربی مین

بات نہین، یہ سودا ہنوز دماغ مین موجود تھا کہ سال گذشتہ مین

کا سال مرض کے اُٹھاؤ مین گزر گیا، اِس سال کچھ کام کرنے لگا تھا کہ

ن کی عادت پڑی ہوئی کتاب بینی اور تصنیف و تالیف طبیعت ثانیہ بن چکی تھی،

دن کے مطالعہ پر مائل کرنا پڑا جن سے دماغ پر زور نہ پڑے، اونھین کتابون مین

جو کسی زمانہ مین ہر وقت پیش نظر رہتی تھی، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مشہور مشہور

اتنا جمع ہو چکا ہے کہ اگر اوس کو ترتیب دیکر شائع کر دیا جائے تو پڑھنے

تی ی، اسی کے ساتھ خیال ہوا کہ جن کا کلام ہو اون کے مختصر مختصر حالات بھی

م شروع کیا، بات مین بات نکلتی آئی، اور وہ ایک

ن گئے، اور کیا عجب ہی کہ اِس طریقہ سے

مین اوس کی ملکی زبان کی بھی یہ اچھی

فارسی شعرا کے دوش بدوش کبیشرون اور گوئیون نے بھی جگہ پائی، اون کو اگر ملک الشعرا کا خطاب
دیا گیا، تو ان کو کب راج اور کب رائے بنایا گیا، گھوڑون ہاتھیون اور ہتھیارون کے نام ہندی
رکھے گئے،

جو چیزین ہندوستان کی پیداوار تھین اون کے نام قدرتی طور پر ہندی تھے، وہ سب زبانون پر
چڑھ گئے، اور فارسی عبارتون مین بھی ہندی الفاظ بے تکلف استعمال کیے جانے لگے، مثلاً جھروکہ، درشن
پھول کٹارہ، کہپوہ مرصع، جم دھر، کٹار، تلوار، گھوڑا، ہاتھی، پالکی، نالکی، جھالر، کہار، ڈاک چوکی
سرچوکی، دیسمکہ، دیس پانڈیہ، پٹیل، پٹواری، رائے، راؤ، راجہ، مہاراجہ، چودھری، پہر، دوپہر،
گھڑی، گھڑیال، ڈالی، گھاٹ، گھروارہ، بیوپاری، اور اسی طرح کے صدہا الفاظ سلاطین مغلیہ کی شاہی
زبان مین ملے جلے نظر آتے ہین،

اکبر شاہ جہانگیر کو پیار سے شیخو جیو، مراد کو پہاڑی راجہ اور فیضی کو شیخ جیو کہتا تھا، ایک دن فیضی
حسب الحکم حضور مین کچھ لکھ رہا تھا بیربر بات کرنے لگا اکبر شاہ نے آہستہ سے کہا حرف نزنید شیخ جیو
مینویسد" آرام بانو اوس کی چہیتی بیٹی تھی، مرتے وقت جہانگیر سے وصیت کرتا ہے،

"این جواہر خود کہ لاڈلہ مس است بعد از من باید بروے سلوک کنی کہ من ما میکنم"

جہانگیر بادشاہ کی رنگینیِ طبیعت سے تم واقف ہو، اوس نے شراب کا نام رام رنگی رکھا تھا،
شاہجہان بچپن مین باپ کو شاہ بھائی اور دادا کو شاہ بابا کہتا تھا، مراد بخش شاہ شجاع کو بھائی جیو کہتا تھا
ایک خط مین عالمگیر کو لکھتا ہے،

"اگر این طرز پسند خاطر اقدس صاحب و قبلہ بھائی جیو را و ہمدرین باب متفق ساختہ در یک
ساعت و یک وقت از جاہائے خود روانہ مطلب می باید شد"،

عالمگیر نے کلمات طیبات مین کثرت سے ہندی الفاظ استعمال کیے ہین، جستہ جستہ فقرے اوسکے بھی

ملاحظہ ہوں، فرزند عالیجاہ (محمد اعظم) کو لکھتے ہیں،

مزہ کھچڑی بریانی تمام زمستان یاد می آید . . وآلی اسم رسالۂ آں فرزند انگفتہ پیر
خوشگوار آمد برائے نام اشتہ گمنام استدعا نمودہ اند چوں آن فرزند جودت طبع دارند روادار تکلیف
پدر پیر چرا میشوند بہر حال سدہارس ورتنالاس نامیدہ شد . خود بدولت نفس نفیس
چہار گھڑی آخر شب از خوابگاہ بر آمدہ . نماز صبح ادا کردہ بجھروکۂ درشن تشریف می آوردند
و درشنیان را بسعادت دیدار فیض آثار نواختہ بعد بر آمدن چہار گھڑی روز دیوان عام میفرمودند
. . تا قریب دو پہر ایں معاملات در پیش می بود . . . درین ضمن کرسی گھگرؔ نیز بنظر گذشت
. . بر اسپ تیلو و روچوا پچندن کہ تواتر سوار میشوند، ظاہراً از سواری آنہا محظوظ شد
شادیانہ فتح نوازند و حرف ایام طفولیت یاد دارند کہ نانا جی دھون دھوں قلعۂ پرنالہ
باسم نول تارہ موسوم شد . از توپ و رہکلہ و بان و رام جنگی و گھڑنال و شترنال و گجنال
و سواراں با یراق و اسپاں و فیلاں با برگستوانہاے یراق و دیگر لوازمۂ طمطراق آنقدر کہ باید
بلکہ نباید ملاحظہ شد عدد، فوجداری خود حیاں از قطاع الطریق خالی و ارامن پرسارد
کہ مسافرین و مترددین و تاجر و بیوپاری بلا وسواس آمد و رفت کنند،

اس مشت نمونہ از خروارے سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ہندی کے کتنے الفاظ اون کی زبان پر چڑھ گئے تھے
اور پیار و محبت کے موقعوں پر وہ کیسی بے تکلفی سے اون کو کام میں لاتے تھے،

جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں غواصی ایک شاعر تھا، اوس نے مولانا نخشبی کے طوطی نامہ کو بکٹ
کہانی کے طور پر نظم کیا تھا، اس زمانہ کے دستور کے موافق کچھ ہندی کچھ فارسی ملی جلی نظم تھی، میر حسن
شعراے ریختہ کے تذکرے میں غواصی کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے اوس کتاب کو دیکھا تھا، مگر
کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آیا، اوس کے دو چار شعر بھی ملجاتے تو پتہ چل جاتا کہ اوس زمانہ میں بان کی

کیا حالت تھی،

میر حسن نے تذکرہ مین اِسی عہد کے ایک اور شاعر کا ذکر کیا ہی، جس کا تخلص خاکی تھا، وہ کہتے ہین کہ "یہ دلّی مین درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا اِس سے زیادہ اِس کا کچھ حال معلوم نہیں، مگر اوس کا ایک شعر کسی پیر مرد سے سُنا ہوا اب تک یاد ہی،

ٹھانی ہی اپنے من مین اتو ہی سر جن تجھ بیم کی گلی مین خاکی کو خاک ہونا"

اگر درحقیقت یہ اوسی زمانہ کا شاعر تھا اور یہ شعر اُسی کا ہی جس کی شہادت کا تو ڑا ایک مجہول الحال پیر مرد پر ہوتا ہی تو خاکی کو دکن کا باشندہ ماننا پڑے گا جو خاک چھانتا ہوا دلّی پہونچ گیا ہوگا،

جہانگیر ابراہیم عادل شاہ کا ہمعصر ہی، اوس وقت دلّی میں اُردو شاعری کا سُراغ نہیں ملتا، دکن مین اوس کی بنیاد مین قایم ہو رہی تھین، مگر اوس وقت زبان جس عالم طفولیت مین تھی اوس کا نمونہ محمد قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ اور مولانا نصرتی کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہی،

خاکی کا جو شعر میر حسن نے اپنے تذکرہ مین نقل کیا ہی اوس کی زبان شمس ولی اللہ اور اون کے ہمعصر شعرا کی زبان ہی اس وجہ سے میری قطعی رائے یہ ہی کہ میر حسن کو دھوکہ ہوا ہی یا کاتب کا سہو قلم ہی بجائے جہانگیر کے عالمگیر ہونا چاہیئے تھا،

سلہ سید محمد بن جمال الدین قادری ایک بزرگ شمس ولی اللہ کے ہمعصر تھے خاکی تخلص تھا اون کا مکمل دیوان مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے کتبخانہ میں موجود ہی یہ دیوان ردیف وار ہی، علاوہ غزلون کے مثنوی اور مستزاد بھی ہی ایک دو ریختیاں بھی ہیں جو ہندی شاعری کا نمونہ ہین مناجات بھی ہی، نعت بھی، اول سے آخر تک کلام عارفانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہی، مقطعوں میں کثر سے اپنے پیر کا نام لیتے ہیں، زبان وہی ہی جو ولی کے دیگر ہمعصروں کی ہی، اس دیوان کے علاوہ ایک مثنوی اون کی فیض عام جو ۱۱۳۵ھ میں لکھی ہی جس سال ولی نے وہ مجلس لکھی تھی، یہ ساڑھے سولہ جز کی کتاب ہی اور سید عبد الرزاق چیف ٹرانسلیٹر اگیو کے کتبخانہ میں موجود ہی، میرا گمان غالب یہ ہی کہ میر حسن نے خاکی کا جو شعر نقل کیا ہی اور وہ انھیں کا ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تاہم اِس مین کچھ شبہہ نہین کہ اکبر و جہانگیر کے طرز حکومت سے کایستھون کے سوا ہندوستان کی اور قومون کی بھی جھجک بھی جاتی رہی تھی وہ بھی فارسی پڑھنے لگے تھے اور اون کا میل جول مسلمانون سے بہت بڑھ گیا تھا، اسی میل جول کا نتیجہ ہو کہ مخلوط زبان نے ایک قدم اور آگے بڑھایا پھر بھی وہ بازارون اور بے لطف صحبتون یا گیتون تک محدود رہی،

اوس زمانہ مین شاہی زبان فارسی تھی، بادشاہی فرمانوں سے لیکر دفترون کے احکام تک اُسی زبان مین جاری ہوتے تھے، اُسی مین عرائض اور مقدمے کے کل فرائض طے ہوتے تھے، اُسی میں عام طور پر خط و کتابت ہوتی تھی. کیا ہندو کیا مسلمان سب کے دلون پر اوس کا رعب و اقتدار اسقدر چھایا ہوا تھا کہ ملکی زبان کو بے علمی کی علامت جانتے تھے،

اِس وجہ سے اردو زبان کو علمی دربار تک رسائی نہین ہوئی اور مدت دراز تک دار الملک اور اوس کے گرد و پیش کے شہرون اور قصبون مین فارسی کا سکہ روان رہا، لیکن اطرافِ ملک کی یہ حالت نہین تھی وہان کچھ ایسے اسباب پیدا ہوتے گئے کہ مخلوط زبان (اردو) کی جڑ مضبوط ہوتی گئی، دکن مین محمد شاہ تغلق کی بے عنوانیون سے بہمیوں کی جو عظیم الشان سلطنت قایم ہو گئی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) علامۂ شیروانی نے مہربانی کرکے اوں کے دیوان سے کچھ اشعار منتخب کرکے بھیجے ہیں جو ملاحظہ طلب ہیں،

جائز نہیں تھی ہجر کے شب کی تسکا تیس ۔۔۔ مکون خصوص آج تو تقدیر وصال تھا

ایے معشوق سنگ مور ہیا ۔۔۔ ایک دل ایک رنگ ہو رہیا

عشق ہی حال ہو فقیری کا ۔۔۔ نفس و دل بیچ جنگ ہو رہیا

حس علے سے کو پیا کی توش کیے ۔۔۔ اوس کے حق میں ہوا ہے حسرت تلخ

اور علاء الدین حسن [1] گانگو کے نام قرعۂ سلطنت پڑا اوس نے شروع سے برہمنون کو مالی وملکی عہدے دیکر حکومت مین دخیل کرلیا، مال کا دفتر ملکی زبان مین ہونے سے بہت سرعت کے ساتھ ملکی اور فارسی زبانین مخلوط ہوگئین۔

فیروز شاہ کے بیٹوں کے زمانے مین ظفر خان [2] گجرات بھیجے گئے، دلی کی سلطنت اوس وقت مردہ

---

[1] حسن گانگو ایک مفلوک الحال امیرزادہ تھا اپنے خاندان کی تباہی کے بعد ملتان سے دلی آیا، یہاں اوس کا کوئی شناسا نہ تھا، اتفاق سے گنگا کے کنارے گانگو پنڈت جو دربار شاہی کا منجم تھا اس کو مل گیا اور اوس نے حسن کو پریشان اور خستہ پاکر اوس کی سرپرستی کی اور چند روز اپنے گھر میں مہمان رکھکر محمد شاہ تغلق کے دربار میں اوسکو باریاب کردیا، حسن میں وہ تمام صفتیں موجود تھیں جو اقبال مندوں میں ہوا کرتی ہیں، دربار شاہی میں ان عہدوں میں اوسکو جگہ مل گئی، چند روز کے بعد گلبرگہ، رائے باغ یہ مقامات اوس کو جاگیر میں ملے اور دکن کی تعیناتی ہوگئی، محمد شاہ تغلق کی سخت مزاجی سے امرائے شاہی سب پریشان رہتے تھے، ایک بار کسی بات پر ناراض ہوکر دکن کے امرا نے بغاوت کردی، بادشاہ نے بہت کوشش کی مگر وہ بغاوت کا استیصال نہ کرسکا، بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہونچی کہ علاء الدین حسن کو لوگوں نے اپنا بادشاہ بناکر گلبرگہ میں ایک جداگانہ سلطنت قایم کرلی حسن نے گانگو پنڈت کو بلاکر صدر محاسب (اکونٹنٹ جنرل) کا عہدہ دیا اور اس خوبی سے ملک کا انتظام کیا کہ جو حصے اب تک اسلامی اقتدار سے باہر تھے وہ سب اوس کے قلمرو مین داخل ہوگئے، اسی طرح گانگو پنڈت نے زراعت ومحاصل ملک کی افزایش میں پوری مستعدی اور محنت سے خدمتیں انجام دیں جس کی وجہ سے اہل ملک مرفہ الحال اور خزانہ شاہی مالامال ہوگیا، حسن پہلا بادشاہ ہے جس نے برہمنوں کو مالی صیغے دیکر شریک دولت بنایا، جب تک سلطنت بہمنیہ قایم رہی اور اوس کے بعد طوائف الملوکی کے زمانہ میں بھی برہمنوں کے متعلق یہ صیغے ہمیشہ رہتے رہے اسی وجہ سے اوس ملک میں برہمنوں کا رعب واقتدار بہ نسبت دوسرے ملکوں کے زیادہ قایم ہوگیا ہے اور اب بھی صوبہ مدراس میں یہ اثر پایا جاتا ہے

[2] ظفر خان کے باپ کا نام سہارن تھا، ٹانک اوس کی قومیت تھی جسکو کہا جاتا ہے کہ کھتریوں کی ایک شاخ ہے، سہارن فیروز شاہ تغلق کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور اپنی کارگزاری اور خوش قسمتی سے امارت کے درجہ تک پہونچے، وجیہ الملک ان کو خطاب ملا، ان کے بیٹے ظفر خان نے ان سے زیادہ ترقی کی ۷۹۳ھ میں گجرات کی حکومت پر سرافراز ہوئے، دلی کی سلطنت فیروز شاہ کے بیٹوں وپوتوں کی نااہلیت سے روز بروز برباد ہوتی گئی، اور گجرات میں ان کی حسن کارگزاری سے ان کی طاقت بڑھتی گئی، چند روز میں فیروز شاہ کی اولاد برباد ہوگئی اور ظفر خان کی اولاد نے تقریباً سو برس تک نہایت کروفر سے سلطنت کی،

لاتش کی حیثیت رکھتی تھی اونھون نے گجرات کو تسخیر کرکے ایک پائدار حکومت کی بنیاد ڈالی جو تقریباً
دو سو برس تک اون کے خاندان مین رہی، بانی خاندان کی اصل و نسل ہندوستان کی سرزمین سے تھی،
اور ملکی زبان اون کی مادری زبان تھی، مگر شاہی دفتر فارسی زبان مین تھا، اور کاروبار بھی سب فارسی
زبان مین ہوتے تھے،

تاہم ہمیں کچھ شبہہ نہین کہ ملکیون سے، وہ ملکی زبان مین بات چیت کرتے اور بے تکلف صحبتون مین
وہ اُسی کو کام میں لاتے تھے مگر جس زبان میں وہ گفتگو کرتے تھے وہ خالص گجراتی زبان نہ ہوتی تھی،
زیادہ چھان بین کرنے سے مشائخ کے ملفوظات اور بادشاہوں کے سوانح مین جستہ جستہ ایسے فقرے
ملتے ہیں جو کسی کسی موقع پر ادن کی زبان سے نکل گئے ہیں اون کو تبرک سمجھکر یا موقع کی اہمیت کے لحاظ سے
انھین کے الفاظ میں نقل بنقل تاریخ نے ہم تک پہونچایا ہی، اگر ان سب کو تلاش کرکے یکجا کیا جائے
تو زبان کی درجہ بدرجہ تبدیلی کا حال خوب معلوم ہوسکتا ہو مثال کے طور پر چند نمونے مین پیش کرتا ہون
جو اس وقت پیش نظر ہین،

۱۔ سید جلال الدین حسین بخاری (مخدوم جہان جہانیان گشت) کے پوتے بارہ برس کے
سن مین گجرات چلے آئے تھے اور یہین بود و باش اختیار کرلی تھی، نام و لقب اِن کا برہان الدین
عبد اللہ بن محمود تھا، مگر گجرات والے اِن کو قطب عالم کہتے ہین، اون کے بڑے بیٹے کا نام و لقب
سراج الدین محمد بن عبد اللہ تھا، اِن کو شاہ عالم کہتے ہین، یہ دونون باپ بیٹے اپنی خاندانی وجاہت
کے ساتھ بڑے پایہ کے بزرگ بھی تھے، اِسی وجہ سے شاہان گجرات ہمیشہ ان کے سامنے سرِ نیاز خم
رکھتے تھے، جام جالو حاکم سندھ نے اپنی دو لڑکیون مین سے ایک کی نسبت شاہ عالم سے کردی تھی،
اور دوسری کی محمد شاہ بادشاہ گجرات سے۔
جس کی نسبت شاہ عالم سے ہوئی تھی، وہ حُسن و جمال مین اپنی بہن سے اچھی تھی، محمد شاہ کو

اس کی خبر لگی تو اوس پر زور و زر کا دباؤ ڈالکر نسبت بدلوادی، شاہ عالم کو سن کر اس کا ملال ہوا، اونھون نے باپ سے جاکر شکایت کی، اوس وقت قطب عالم ایک حالت مین تھے سن کر اون کی زبان سے بیساختہ یہ فقرہ نکلا جو انھین کے الفاظ مین ہم تک پہونچا ہی،

بیٹے! تُسا نصیب وہون وِٹھّہ

۲- قطب عالم ایک بار تہجد کی نماز کو اوٹھے پیشاب کرنے کے بعد کلوخ لیکر ٹہل رہے تھے کہ رات کے اندھیرے مین کسی لکڑی یا پتھر سے پاؤن ٹکرایا اور چوٹ آگئی، اوس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑا،

لوہے یا لکڑ یا پتھر یا کیا ہے

لوہا لکڑی

سلہ خدا کی قدرت دیکھو محمد شاہ کے مرنے پر اوس کا بڑا بیٹا احمد شاہ تخت نشین ہوا، محمد شاہ کا دوسرا بیٹا سندھ کی مہم سے فتح خان تھا جو آگے چلکر محمود شاہ اول اور محمود شاہ بیگرہ کے نام سے مشہور ہوا ہے، اس کا سن اوس وقت دس برس سے کم تھا، اسکی ماں کو احمد شاہ کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا وہ اس خیال سے فتح خان یا کہو محمود کو بھائی سے گزند نہ پہونچے اوس کو لیکر اپنی بہن کے پاس شاہ عالم کی خانقاہ میں چلی آئی، چند روز کے بعد بہن کا انتقال ہوگیا شاہ عالم نے اوس کو پیغام بھیجا کہ جب تک تمھاری بہن زندہ تھی تم محرم تھیں اور ہمارے گھر میں رہ سکتی تھیں اب کوئی دوسرا انتظام کرو، اوس نے اپنے بھائی سے مشورہ کرنے کے بعد کہلا بھیجا کہ میری نسبت آپ ہی سے ہوئی تھی مگر بادشاہ نے میرے باپ پر دباؤ ڈالکر بدلوادی، اب آپ مجکو اپنی لونڈی بناکر رکھئے، یہ سن کر شاہ عالم نے اوس سے نکاح کر لیا، قطب عالم کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوگئی قطب عالم نے ۸۵۷ھ اور شاہ عالم نے ۸۸۰ھ میں وفات پائی،

سلہ صبح کو دیکھا گیا تو وہ ایک ایسی چیز نکلی جس پر تینوں چیزوں کا شبہہ ہوتا تھا اور تینوں کی خاصیتیں اوس میں پائی جاتی تھیں، اوس کو لوگوں نے عجیب چیز یا قطب کی کرامت سمجھکر مدتوں رکھ چھوڑا اکبر شاہ نے جب گجرات فتح کیا ہے تو وہ بھی اوس کے دیکھنے کو گیا اس قصہ کو نظام الدین ابو الفضل اور فرشتہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں نقل کیا ہے،

۳۔ محمود شاہ اول کا سن دس برس کا تھا اور وہ شاہ عالم کے گھر مین اپنی خالہ کے پاس رہتا تھا اوس کا بھائی احمد شاہ دوم برسر حکومت تھا، وہ چاہتا تھا کہ محمود شاہ کو اپنے قابو مین کر لے مگر شاہ عالم کی وجاہت سے محلسرا مین داخل ہو کر اوس کو نکال نہ سکتا تھا،

ایک دن معلوم ہوا کہ محمود فلان جگہ شاہ عالم کے پاس بیٹھا پڑھ رہا ہے، بادشاہ بنفس نفیس سوار ہو کر اوس جگہ دفعتہً پہونچ گیا، خادمون نے بغیر اجازت اندر داخل ہونے سے روکنا چاہا مگر شاہ عالم نے آواز پہچان کر کہا کہ آنے دو اور محمود کی طرف دیکھکر فرمایا

پڈھ ڈوکرے
پڑھ بڈھے

بادشاہ آکر دیکھتا ہے کہ ایک پیر مرد حضرت کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا ہے، آکر مسند پر بیٹھ گیا اور اثنائے گفتگو مین ادھر اودھر دیکھتا ہی رہا، جب محمود کو نہ پایا تو اٹھ گیا اور جاکر جاسوسون کو سرزنش کی۔

۴۔ محمود شاہ اول[1] کے عہد مین قاضی نجم الدین احمد آباد کے قاضی تھے، ایک دن اثنائے راہ مین کسی

---

[1] محمود شاہ اول گجرات کا سب سے بڑا اور سب سے اچھا بادشاہ گزرا ہے ۸۶۳ھ مین تخت نشین ہوا اور ۹۱۷ھ مین وفات پائی، اور کچھ اوپر چون سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کی، یہ بادشاہ علوم و عدل کی سرپرستی مین اپنا آپ ہی نظیر تھا، [illegible] سے علما، محدثین کثرت سے اس کے زمانے میں آئے اور اس نے ہر ایک کے مرتبہ کے موافق وظائف مقرر کئے، [illegible] علاوہ اس کے [illegible] سے صناع اور مزدور لوگوں کو بلا کر کام پر لگایا اور ان کی حوصلہ افزائی کی، زراعت کو [illegible] گجرات کے سارے جنگل اور بہت سے [illegible] آباد ہو گئیں، باغات بھی کثرت سے لگائے اور رعایا کو انعام [illegible] جس سے [illegible] باغ ہی باغ نظر آنے لگے، احمد آباد، محمود آباد، اور مصطفیٰ آباد کے نام سے کئی شہر آباد کئے، [illegible] ان تمام باتوں سے بالا تر بات یہ ہے جو میرے نزدیک اوسکی زندگی کا قابل فخر کارنامہ ہے کہ اوس نے [illegible] کبھی قوت آزمائی نہیں کی، جو [illegible] حالی اوس کے زمانے میں اور اوسکے لائق جانشین [illegible] کبھی [illegible] والوں کو نصیب نہیں ہوئی،

سنار کے ہاتھ مین ایک نہایت خوبصورت رباب دیکھا جو مرصع بجواہر تھا، پوچھا کس کا ہی، اوسنے کہا بادشاہ کا، یہ سُن کر اوس کے ہاتھ سے لے لیا اور زمین پر پٹک کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، بادشاہ کو خبر ہوئی تو ہنسکر فرمایا

نیچی بیری ہر کوئی جھورسے

مقصد یہ تھا کہ احتساب کا سارا زور ہم پر صرف کیا جاتا ہی، شاہ عالم کے یہان جاکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہین کرتے جو دھڑلے سے سماع سنتے ہین،

۵- بہادر شاہ ایام شاہزادگی مین شیخ جیو کا مرید ہو گیا تھا اور اونھون نے اس کو سلطنت کی بشارت دی تھی، سکندر خان کو جو ولیعہد اور صاحبِ اقتدار تھا یہ سُنکر ملال ہوا اوس وقت بہادر شاہ کی جاگیر مین صرف دو گانوٗن تھے جن سے اوس کا خرچ چلتا تھا، اپنے والد مظفر شاہ حلیم کی خدمت مین کئی بار عرضداشت کی مگر جب اون کو متوجہ نپایا تو بغیر اجازت و اطلاع کے قسمت آزمائی کے لئے نکل کھڑا ہوا، اوس وقت دلی کی سلطنت کا ڈیجڑ ڈھیلا ہو رہا تھا، امرا مین بددلی پھیلی ہوئی تھی، وہ اِس کے خواہشمند تھے کہ مضبوط ہاتھون مین عنانِ سلطنت ہو،

پنجاب کے بعض امرا بابر شاہ مغل سے سازباز کر رہے تھے، جونپور کے لوگون نے بہادر شاہ کو دعوت دی، یہ منچلا تو تھا ہی اسی اُمید پر جونپور کا قصد کر کے روانہ ہو گیا۔

ادہر بہادر شاہ نے وطن چھوڑ کر غربت اختیار کی ادھر اوس کے پیر مرشد شیخ جیو کا انتقال ہو گیا، اون کے انتقال کی خبر سکندر کو پہونچی تو خوش ہو کر طنز کے لہجہ مین کہا

پیر موا مرید جوگی ہوا

---

۵ مطلب یہ ہی کہ اب میدان صاف ہی مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ اوس کے تھوڑے ہی دنون بعد مظفر شاہ حلیم کا انتقال ہو گیا ادھر سکندر شاہ تخت نشین ہوا، اُدھر اُمرائے بہادر شاہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی یہ وہ زمانہ ہے کہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

۶۔ بہادر شاہ کے پاس ایک طوطا تھا جس کی میٹھی میٹھی باتیں بادشاہ کو بہت پسند تھیں اور اوس کو وہ اپنے پاس سے جدا نکرتا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بابر شاہ ہندوستان کی تسخیر کو آچکا تھا اور ابراہیم لودی سے برسرپیکار تھا، بہادر شاہ اس تماشے کو دیکھتا ہوا لوٹ پڑا، ابھی وہ گجرات نہیں پہنچا تھا کہ بعض حکمرانوں نے سکندر شاہ کو صرف دو مہینہ سولہ دن بادشاہی کرنے کے بعد تخت سے کھینچکر تختہ پر لٹا دیا اور ایک کمسن بچہ کو تخت نشین کر دیا، بہادر شاہ کو اس واقعہ کی بھی اثنائے راہ میں اطلاع ہوئی، وہ کوچ در کوچ کرتا ہوا گجرات پہونچا اور ۹۳۲ھ میں عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی اور جس حکمران نے اوس کے بھائی کو قتل کیا تھا اوسکو بری طرح سزا دی،

بہادر شاہ، گجرات کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ حوصلہ مند بادشاہ گذرا ہے شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے اسم بامسمی تھا، مالوہ کا پورا ملک مع اوس کے توابع و ملحقات کے اوس کے عہد دولت میں ممالک محروسہ گجرات میں داخل ہو گیا تھا اور دکن کی چار اسلامی سلطنتوں نے اس کے نام کا خطبہ اپنے اپنے ملکوں میں جاری کر دیا تھا،

چتور اور رنتھور جیسے ملک و رسالے اس نے بڑی آسانی سے فتح کر لیئے تھے، راجپوتانہ میں کوہ آبو تک جو آج کل ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کے رہنے کا مقام ہے اس نے اپنی عملداری کو بڑھا لیا تھا، اور کوشش یہ تھی کہ دلی کی شہنشاہی پر ہاتھ مارے، مگر افسوس ہے کہ رومی خاں نے اس سے دغابازی کی اور سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا،

رومی خاں اصل میں قسطنطنیہ کا باشندہ تھا، سواحل میں میل جول نے اپنی قوت بازو سے بہت سے مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، جب اوس کو محسوس ہوا کہ سلطنت عثمانیہ کی جانب سے اوس کی گیر و دار ہونے والی ہے تو بھاگ کر بہادر شاہ کے دامن میں پناہ لی، بادشاہ کی دستگیری نے بہت مقابلہ کرنا پڑتا تھا اوس نے اس کو کام کا آدمی سمجھکر ڈیوڈھ، تھانہ، ہانسی، راندیر، سورت وغیرہ مقامات جو ساحل پر واقع ہیں اس کی جاگیر میں دیئے، اور اپنے یہاں توپخانہ قایم کرکے اسکو داروغہ مقرر فرمایا، اصلی نام مصطفی بن بہرام تھا، بہادر شاہ نے رومی خاں خطاب دیا تھا،

رومی خاں نمک حرامی میں بغاوت و سرکشی کا مادہ تھا، کسی بات پر ناخوش ہو کر اس نے دغابازی کی ٹھان لی جب مالوہ میں بابر بادشاہ کے جانشین ہمایوں بادشاہ سے مقابلہ ہوا تو اس نے بہادر شاہ کو مشورہ دیا کہ وہ تمام لشکر کو یکجا کرکے توپخانہ کا قلعہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ میں)

جب مالوہ مین رومی خان کی نمکحرامی سے ہمایوں بادشاہ کے مقابلہ مین اوس کو شکست ہوئی اور بہادرشاہ کو بے سروسامانی کے ساتھ گجرات بھاگنا پڑا تو اوس طوطے کا پنجرہ بھی مال غنیمت کے ساتھ ہمایون بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، اوس کی حیرت انگیز باتون کو سُن سُن کر بادشاہ دنگ ہو رہا تھا کہ رومی خان بھی حاضر ہوا، بادشاہ نے فرمایا "بیا ئید رومی خان" اِس کا نام سننا تھا کہ طوطا چیخنے لگا،

پھٹ رومی خان حرامخوار پھٹ رومی خان حرامخوار

قرینہ یہ ہی کہ رومی خان کی نمکحرامی سے بہادرشاہ کو شکست ہوئی ہوگی تو اوس کے لشکر کے بچہ بچہ کی زبان پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گھیر کر محصور ہو جائے، ہمایوں اس ملک میں اجنبی ہی، رسد نہ ملنے سے چند روز میں بھاگ کھڑا ہوگا، امراء دربار نے کوشش کی کہ اِس غلط مشورہ کو نہ مانا جائے، مگر بہادرشاہ کے دل مین اوس نے اتنا اعتبار پیدا کر لیا تھا کہ اور کسی کی اوس کے سامنے کچھ نہ چلتی، اور اوس کے مشورہ پر عمل کیا گیا، اوس نے جب دیکھا کہ یہ محصور ہو گئے تو ہمایوں سے نامہ و پیام شروع کر دیئے، جو رسد بہادرشاہ کے واسطے آتی وہ شمس لوٹ لیتا آخرکار ایک شب اوس نے مورچوں میں آگ دلوا دی ہمایوں کو پہلے سے معلوم تھا وہ اپنا لشکر لیکر ٹوٹ پڑا، یکایک اس واقعہ کے ہو جانے سے بہادرشاہ کا دل چھوٹ گیا اور اوس کو وہاں سے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا، ہمایوں نے رفتہ رفتہ تمام گجرات پر قبضہ کر لیا مگر اوس کا قدم گجرات میں اچھی طور پر جما نہ تھا کہ شیرشاہ ایسے دشمن اور بھائیوں ایسے مار آستین دوستوں کے ڈر سے وہ آگرہ واپس آیا، اور بہادرشاہ نے اُمراء نامی کو گجرات سے نکالکر پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کی، مگر اوس کی تقدیر نے اوس کو چند روز کی مہلت بھی نہ دی، اسی پرتگیزوں سے اوس کو سابقہ پڑا اور یہ رومی خان سے بھی زیادہ دغاباز نکلے،

پرتگیزوں نے دعوت کے بہانہ سے بلاکر اس قصہ کو ۹۴۳ھ میں ہمیشہ کے لیئے تمام کر دیا اور اس طریقہ سے ڈیو ڈمن اور تھانہ وغیرہ ان کے قبضہ میں آگئے جن میں سے ڈیو اور ڈمن اب بھی اونھیں کے قبضہ میں ہیں

رومی خان کا انجام یہ ہوا کہ ہمایوں بادشاہ نے اوس کو چیار گڈھ کے فتح کرنے پر مامور کیا اور فتح ہو جانے پر اوسکو اوسی کی جاگیر میں دیدیا، مگر تھوڑے دن نہیں گذرے تھے کہ زہر ہلاہل سے اوس کا کام تمام کر دیا گیا،

یہ فقرہ چڑھ گیا ہوگا اور اوس طوطے کو بھی سنتے سنتے یاد ہوگیا ہوگا، جس وقت ہمایون کی زبان پر رومی خان کا نام آیا اوس کو سنکر وہ فقرہ یاد آگیا اور اوس کو دہرانے لگا،

مینے یہ چند مثالین صرف ایک کتاب مراۃ سکندری سے لی ہین اگر بزرگان دین کے ملفوظات مین جستجو کی جائے تو اُردو کی درجہ بدرجہ ترقی پر کافی روشنی پڑسکتی ہی،

اب اُردو شاعری کی حقیقت سُنو

زیادہ چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اُردو شاعری کا ظہور دکن سے ہوا ہی، اس کا ایک خاص سبب ہی، جس کو کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی حاجت ہی،

دلی مین قطب الدین ایبک سے لیکر اکبر شاہ تیموری تک جتنے بادشاہ ہوئے ترک ہون یا افغان سید ہون یا مغل اون مین بیشتر ولایت زا ہوئے اور اگر اون کی اولاد بھی بر سر حکومت ہوئی تو وہ بھی آئین و قوانین مین اپنے اسلاف کی پیروی کرتی تھی،

شاہی زبان ہمیشہ فارسی رہی اور اِسی زبان مین شاعرون کو اپنے جوہر قابلیت کے چمکانے کا موقع ملتا رہا، جس طرح سے آج تک انگریزون کو ہندوستانیون سے الگ تھلگ رہنا پسند ہی، یہانتک کہ اپنی چھاؤنیان ہندوستانی آبادی سے دور تر مقامون پر قائم کرتے ہین، اتنا تو وہ اپنی رعایا سے کھنچے کھنچے نہین رہتے تھے، تاہم رعب و داب قایم رکھنے کو زیادہ میل وجول بھی نہین کرتے تھے،

سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے مصالح ملکی کے لحاظ سے قرابت و یگانگت ہندؤن سے پیدا کی اور چاہا کہ جو پردہ بادشاہ اور رعایا مین بیگانگی کا حائل ہے وہ اُٹھ جائے، تاہم شاہی زبان فارسی رہی، اور چنگیزی و تیموری تورہ پر آئین و قوانین سلطنت کی بنیاد باقی رہی، بادشاہ و امرا سب کے سب فارسی بولتے اور ترکی زبان کے سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش

کرتے رہتے تم دیکھتے ہو کہ محمد شاہ رنگیلے جن کی سات پشتون نے ہندوستان کی آب وہوا مین پرورش پائی ہی، اور اون مین سے ایک نے بھی ترکستان کی ہوا نہین کھائی وہ بھی ترکی زبان بولتے اور فارسی کو اپنی مادری زبان سمجھتے تھے اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہی کہ ہندوستان کے نام بر آوردہ شعرا مین امیر خسرو میر حسن، فیضی، غنی، بیدل، غنیمت اور ناصر علی جیسے چند نفوس کے سوا تمام تر وہی اہل سخن ہین جو وقتاً فوقتاً شاہان ہند کی فیاضیون کا شہرہ سُن سُنکر ایران سے ہندوستان آئے اور یہین کے ہو رہے، اور اون کی زبان فارسی، نتائج فکر فارسی اون مین سے بیشتر ساری عمر ہندوستان مین رہکر ملکی زبانون سے نا آشنائے محض رہے، لیکن ہندوستان ہین بہت کم ایسا ہوا ہی کہ دور ترین صوبے شہنشاہی طاقت کے زیر اقتدار ہمیشہ رہے ہون، کشمیر مین ظہور اسلام سے لیکر اکبر شاہ کے زمانے تک ہمیشہ آزاد حکومت بر سر اقتدار رہی، وہان کے بادشاہون نے شاہانِ دہلی کے سامنے کبھی سرنیاز نہین جھکایا، بنگال اور سندھ کبھی آزاد اور کبھی ماتحت ہوتے رہے، دکن مین محمد شاہ تغلق کے ناروا تشدد سے ایسی عظیم الشان سلطنت قایم ہوئی جس کی یادگار عالمگیر مرحوم کے زمانے تک باقی رہی، گجرات مالوہ اور جونپور مین فیروز شاہ کے بعد آزاد سلطنتین قایم ہوئین جو سینکڑون برس تک زندہ رہین،

یہ حکومتین بیرونی حملون سے ہمیشہ بے خوف رہین، ایران و توران سے جو بادل گھر گھر آتے تھے وہ دلی پر گرج برس کر نکل جاتے تھے، یا جو بجلی گرتی تھی وہ دلی پر گرتی تھی، آج غلامون کی سلطنت ہے کل خلجیون کی، پرسون تغلق کی، کبھی سید برسر حکومت ہین، کبھی افغان کبھی مغل جو آیا اوس نے پچھلون کو مار ہٹایا اور خود تاج و سریر کا مالک بن بیٹھا، ایک تیموریون نے تو کئی سو برس حکومت کی باقی سب

لہ محمد شاہ جس روز ون سادات کے پنجہ میں گرفتار تھے اور سادات کی مرضی کے خلاف سانس بھی نہین لے سکتے تھے، اوس زمانے میں اعتماد الدولہ محمد امین خان کو اگر کبھی موقع ملجاتا تو ترکی زبان میں گفتگو کرکے اپنا کام نکال لیتا تھا، دیکھو سیر المتاخرین صفحہ ۴۳۴ مطبوعہ نولکشور پریس،

دو دو تین تین پشتون سے زیادہ نہین چلے،

یہ حالت اون بادشاہون کی نہ تھی جو اطراف ہند مین برسر حکومت تھے، جس خاندان مین سلطنت آئی آخر تک اوسی خاندان مین رہی علاوہ اسکے کچھ خاندان ان مین ایسے تھے جو خالص ہندی النسل تھے، اور نہین بھی تھے تو دو چار پشتون کے بعد ہندی ہو گئے تھے، خصوصًا دکن مین جہان ملکی اور غیر ملکی کے جھگڑون سے صفحات تاریخ بھرے پڑے ہین،

معلوم ہوتا ہو کہ اہل دکن مین عصبیت کا مادہ زیادہ تھا، اون کو غیر ملکیون کی ہر چیز سے نفرت تھی غریب کشی کا تماشا دیکھنا ہو تو تاریخ فرشتہ مین بیجاپور، احمد نگر، اور گلکنڈہ کے حالات پڑھو، اسی کا نتیجہ ہو کہ وہ اپنی مستقل ہستی قایم کرنے کو زبان اور شاعری مین بھی غیر ملکیون سے الگ رہنا چاہتے تھے،

افسوس ہو کہ ہم اس کا ٹھیک زمانہ متعین نہین کر سکتے کہ دکنی زبان فارسی آمیز مین شعر و سخن کا آغاز کس وقت سے ہوا ہو مگر جیسا کہ قاعدہ ہو ہندی دوہرون مین پہلے فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبون کی آمیزش ہوئی ہوگی اور اوس کے بعد فارسی بحرون کو اختیار کیا ہوگا، اور سرکاری تقریبون مین بادشاہون کی تعزیت تہنیت کا کام اس سے لیا گیا ہوگا، پھر رفتہ رفتہ دیگر اصناف سخن اس مین آگئے ہون گے آخر کار رقص و سرود کی محفلون اور عزاداری کی مجلسون کی گرمی ہنگامہ اسی پر موقوف رہگئی ہوگی،

ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کا بادشاہ تھا، اوس کو ہندوستانی موسیقی سے محبت نہین عشق تھا، اور اوس مین ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اوس زمانے کے تمام گویے اوس کو جگت گرو کہتے تھے،

ابراہیم ۹۸۸ھ مین تخت نشین ہوا، نو برس کی عمر تھی دس برس تک دکنی امرا کی نگرانی مین رہا، اور دکنیون کے زور سے غیر ملکی اوس کے گرد و پیش سے خس و خاشاک کی طرح نکال پھینکے گئے، ایرانیون کا زور بہت کچھ گھٹ گیا تا دشاہ خود ہندوستان مین پیدا ہوا، ہندوستان مین پرورش پائی، ہندوستانیون

حکومت کرنے کا موقع ملا اور خدا جانے طبعی مناسبت یا اثر صحبت سے ہندوستان کی موسیقی کا شوق پیدا ہوا

اور ایسا بڑھا کہ اطراف ہندوستان سے بلا کر تین چار ہزار گویئے بیجاپور مین جمع کر لیئے،

۱۰۰۸ھ مین بیجاپور کے قریب نورسپور کے نام سے ایک بڑا شہر آباد کیا جس مین گرو اور چیلون

کے لیئے بڑی بڑی محلسرائین عمدہ عمدہ باغات صاف اور ستھرے بازار تھوڑے دنون مین بنکر تیار ہوگئے،

شاہی محلسرا کا نام نورس محل، شاہی مہر پر نورسی، سکہ پر نورس علم و نشان کے نام نورسی، دھر بدین ایک کتاب

ملکی زبان مین لکھی تھی اوس کا نام نورس نامہ، ظہوری نے اِس کا دیباچہ فارسی مین لکھا جو سہ نثر ظہوری کے

نام سے مشہور ہی، اوس کا نام دیباچہ نورس نامہ قرار پایا،

مثل ہی "الناس علیٰ دین ملوکہم" بعض شاعرون نے اپنا تخلص بدلکر نورسی قرار دیا، ظہوری فارسی نثر و

فارسی زبان کا مشہور شاعر ہی، وہ بھی فارسی مین ہندی الفاظ بے تکلف استعمال کرتا ہی، نمونہ ملاحظہ ہو،

سپہر از سرافرازیش در حساب ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ زچو کھنڈیش سایہ بر آفتاب

ایک جگہ ساقی نامہ مین لکھتا ہی

شود چہرۂ زر دخور سند آل ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ وہندش اگر ناز نینان اگال

ابراہیم کو خود راگ اور راگنیون کو ترکیب دینے اور اپنی زبان مین شعر کہنے کا شوق تھا جو کچھ تصنیف

کرتا گوئیون کو سناتا وہ اُس کو یاد کر کے پھیلاتے تھے، رفتہ رفتہ ملکی زبان مین جو نہ خالص ہندی تھی بلکہ عربی

اور فارسی الفاظ کے امتزاج سے ایک نئی زبان ہوگئی تھی طبع آزمائی کرنے کا شوق عام ہوگیا، اور بڑھتا گیا

یہان تک کہ فارسی بحرون مین کہنے لگے،

گلکنڈہ مین محمد قلی قطب شاہ اِسی ابراہیم کا معاصر، نہایت علم دوست ہنر پرور بادشاہ تھا، علوم

و فنون مین مہارت کلی رکھنے کے ساتھ رنگین مزاج بھی تھا، عنفوان شباب مین بھاگ متی نام ایک عورت پر

ایسا شیفتہ ہوا کہ گلکنڈہ سے چھ میل کے فاصلہ پر اپنی معشوقہ کے نام سے بھاگ نگر ایک شہر آباد کیا اور اوس مین

عمدہ عمدہ محلسرائین اور باغات تیار کیئے، بھاگ متی کے مرنے پر جوش محبت سرد ہوا تو بھاگ نگر کا نام بدلکر حیدر آباد رکھا جو آج دولت آصفیہ کا پایہ تخت ہی،

محمد قلی شاعر بھی تھا فارسی اور اُردو مین شعر کہتا تھا، اِس کا مکمل دیوان نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ اور کتب خانہ آصفیہ مین اوس کا ضخیم کلیات اصناف سخن سے مملو موجود ہی جو قطب شاہی خاندان کا شاہی نسخہ ہے، کلام کا نمونہ اِس لحاظ سے دیکھو کہ اُردو کلام کا سب سے قدیم تر نمونہ جو ہم تک پہونچ سکا ہی وہ یہی ہی اِس سے پہلے کا کوئی شعر کم از کم میری نظر قاصرت بہین گذرا،

پیا بن حضرت کے ہت آب کوثر | توتا ہان اپر مجہ کاس کر بایا

سدا توں مدح نبیؐ و علیؑ کہ کہتا ہے | معانی شعر ترا توں لکھے ہین ست بدست

خورشید کہ اُپر سے ابرو ہلال عید | اوس ابروان کو سجدہ کیا ہو ہلال عید

ہی محمد قطب شہ بارہ اماماں کا غلام | مین سو عاجز داس ہوا یا علیؑ سنج دستگیر
آیت قرآن نازل جیوں ہوا حضرتؐ کے تئین | مرتضیٰؑ مین بس دو جگ مین جیوں محمد مطہر

محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۲۰ھ مین وفات پائی اوس کے بعد اوس کا بھتیجا اور داماد سلطان محمد قطب شاہ تخت و تاج کا مالک ہوا، یہ بھی شاعر تھا، فارسی مین ظل اللہ اور دکنی فارسی آمیز مین قطب شہ تخلص کرتا تھا، اوس کا بھی دیوان مکمل سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہی ۱۰۳۵ھ مین اِس نے وفات پائی، کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو،

پیا سانولا من ہمارا بھولا یا — نزاکت عجب سبز رنگ مین دکھایا

بے دام اوسکا خدمت کرتا ہون اپنے دل سون — دیتے ہین دام اون کو ہور کرتے ہین عنایت
اور

بکرید عید آیا صلوات بر محمدؐ — آنند علم اجایا صلوات بر محمدؐ

انجانے مین جوانی گیا پنڈ نا سنا — قرآں اورحدیث سون ترکیب کر کلام

ساقیا آ شراب ناب کہان — چندر کی پیالی مین آفتاب کہان

سلطان محمد قطب شاہ کے بعد اوس کا بیٹا عبد اللہ قطب شاہ بادشاہ ہوا وہ بھی شاعر تھا سنہ ۱۰۸۳
مین اس نے وفات پائی، یہ بھی صاحب دیوان گزرا ہے

گفتم کہ حال وزلفت کیا ہے سو بول منجکو — گفتا کہ زلف دام ہے ہو خال سو ہے دانا

اے پری پیکر ترا اکھ آفتاب — دیکھتا ہون تو ہے تا منجہ مین تاب
قند اور نبات گلتا ہے اجھون — دے نہ سکے تری مٹھی لب کا جواب

راز کیا تا تان نبی کے صدقے پوچھے گا اگر — شاہ عبد اللہ کو پوچھ آ کر کہے حاضر جواب
کی
آب حیات تھی ہے زیادہ کہ لب ترا — کرتے ہین تجسول خضر علیہ السلام بحث

یہ تینون سرزمین دکن کی سلطنت کے ساتھ ملک سخن کی بھی حکومت رکھتے تھے، بینے اِن تینون کا مندرجۂ بالا کلام آصفی کے تذکرہ سے نقل کیا ہی، اور ظن غالب یہ ہو کہ ان کے زمانے مین بہت سے باکمال شاعر ہوئے ہون گے جو اِسی زبان مین شعر کہتے ہون گے، اِس واسطے کہ بادشاہون کا میلان جس جانب ہوتا ہی اُسی جانب لوگون کے خیالات متوجہ ہوجاتے ہین، اور نہ سہی مراثی یا بادشاہ وقت کی مدح میں قصیدے اِسی زبان مین کہے جاتے ہون گے، مگر افسوس ہو کہ اس کے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہین

البتہ بیجاپور کے شعرا مین سے مولانا نصرتی، ملا ہاشمی اور میرزا ان مرتبہ گو کا ذکر بساطین السلاطین مین زبیری نے کیا ہی اور نصرتی کے کچھ اشعار بھی نقل کیئے ہیں،

نصرتی محمد عادل شاہ کے زمانے کا شاعر ہی جو علی عادل شاہ کے اخیر زمانہ تک زندہ رہا، اِس کی تصنیفات میں گلشن عشق ایک مثنوی ہو اُردو میں منوہر کنور اور مدمالتی کا قصہ اوس مین نظم کیا ہی، دوسری کتاب علی نامہ اُردو مین ہو شاہنامہ فردوسی کا جواب، اِس مین علی عادل شاہ بیجاپوری کے فتوحات بیان کیئے ہین، ایک مجموعۂ قصائد ہی، ایک غزلوں کا دیوان ہی،

ان کتابون کے علاوہ ایک پُرانی بیاض میری نظر سے گزری ہو جس مین نصرتی کا معراج نامہ پورا نقل ہی تاریخ کتابت ۲۲ محرم ۱۱۰۰ھ اوس مین درج ہی، اور اکبرآباد مین لکھا گیا ہی، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نصرتی کا کلام ابھیں کی زندگی مین اتنا مقبول ہوچکا تھا کہ اوس کی نقلیں بیجاپور سے اکبرآباد پہونچ گئین، معراج نامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ محمد عادل شاہ متوفی ۱۰۶۳ھ کے عہد مین لکھا گیا ہے کیونکہ اس کو اسی بادشاہ کے مدحیہ اشعار پر ختم کیا گیا ہی، نمونہ ملاحظہ ہو،

حمد ہو منعم کبیر اغلق پہ اس دور کے | ہی جو سمی رسولؐ خسرو ملک دکن
منبع لطف وعطا حامی دین باوفا | معدنِ جود وسخا ماحی کفر کہن
غازی صفدر کہ دل ہل سون نکلتے ہین | دھاک سون بھاری بھبان تتّ تربین

روورست | ہوئیں حلد حلد

شہ سا کچھن نول کون ہی جگ مین کہو | یاد سے جس رسم کے جاے کدورت مجن
راج سون شہ کے سدا حق تھی عالم پا | جیو سے منگے بہت پیار دو رکے سب مرد و زن
لطف سون برپا الہ شاہ کی شاہی تلک | جگ مین جلک پر اچھین عیش و طرب کے ہر تن
جام سون عشرت کے جم بزم یہ معمور اچھو | چرخ مین ن تین کے کرم مین جیون انجمن
شہ کی ثنا نصرتی نغز و نول یون لکھی | دور کے دفتر او پر اچھے ہر یک بجن

اُسی دور کے دوسرے شاعر ملا ہاشمی تھے جو سید ہاشم حسینی کے مرید اور نظر یافتہ تھے، یہ بھی صاحب دیوان ہیں اور یوسف زلیخا کا مشہور قصہ اُردو کی ایک مثنوی میں انھون نے نظم کیا ہی مگر افسوس ہی کہ اون کے کلام کا نمونہ زبیری نے بساتین السلاطین مین نہین دیا،

آصفی نے محبوب الزمن مین ان کا تذکرہ کیا ہی مگر اون کا نام شاہ ہاشم بیجاپوری بتایا ہی اور سنہ وفات ۱۱۹۰ھ ظاہر کیا ہی یہ دونون باتین میرے نزدیک صحیح نہیں، بیجاپور کی جو تاریخیں پیش نظر ہین اُن میں ان کا نام مذکور نہین، سید ہاشم یا شاہ ہاشم اون کے پیرو مرشد کا نام تھا جو حضرت شاہ صبغۃ اللہ گجراتی مہاجر مدینہ طیبہ کی اولاد میں بہت عالی مرتبہ درویش تھے سنہ وفات کی غلطی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہی کہ یہ نصرتی کے معاصر اور علی عادل شاہ کے زمانہ کے شاعر اور سید ہاشم موصوف الصدر کے مرید ہیں، کیا عجب ہی کہ ۱۰۹۰ھ کی جگہ ۱۱۹۰ھ غلطی سے درج کر دیا گیا ہو،

آصفی نے دو شعر بھی ایک جگہ نقل کیئے ہیں جو ہاشمی ریختہ کے ریختی مین ہیں، ان شعرون کی زبان نصرتی کی زبان سے ٹکر نہین کھاتی اسلئے عجب نہین کہ وہ شعر کسی اور کے ہون،

اوسی زمانہ کا ایک اور شاعر میرزا ں ہی جو صرف مرثیے کہتا تھا، حمد و نعت و منقبت کے سوا کبھی اپنی زبان کو دوسری چیزون سے اوس نے آلودہ نہین کیا، اوس نے علی عادل شاہ کے عہد مین وفات پائی اور افسوس ہی کہ بساتین السلاطین مین زبیری نے اِس کے کلام کا بھی نمونہ نہیں دیا

ان تینون کے سوا بیجاپور مین اور بھی شعرا گزرے ہین مگر افسوس ہو کہ اون کے اتنے حالات بھی نہین ملتے جس سے بیان کا سلسلہ قایم رکھا جائے، بیجاپور کی تباہی سے اِن سب کا نام بھی مٹ گیا اور بچے کھچے حیدرآباد آبسے اور وہین کے ہو گئے،

ابوالحسن تانا شاہ کا زمانہ تھا جو عبداللہ قطب شاہ مذکور کا داماد و جانشین اور شعر و سخن کا شیفتہ تھا اوس نے اِن لوگون کی سرپرستی کی، میرحسن اور مرزا علی لطف نے اپنے اپنے تذکرون مین صرف ایک ہی شعر تاناشاہ کا نقل کیا ہو جو پیش کرتا ہون،

کس در کہون جاؤن کہاں جھولی پہن بکھرا ہی   اِک بات کے ہون گے سبھی یہاں جی ہی مارہ آہد

تاناشاہ[1] کے مصاحبون میں شاہ قلی خان شاہی ایک مرثیہ گو شاعر تھے، میرحسن کہتے ہیں کہ اون کے اشعار دکن سے ہندوستان کو بڑے شوق سے لوگ لایا کرتے تھے، اون کا بھی ایک شعر ملاحظہ ہو،

ملنا تمہین کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے   کس کس کا منہ موندون جن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

ابوالقاسم مرزا ایک شاعر تھے جو تاناشاہ کے مصاحب اور معزز طبقہ کے لوگون مین تھے حیدرآباد کی تباہی کے بعد لباس درویشانہ پہن کر گوشہ گزین ہو گئے تھے، عبداللہ گنج میں رہتے تھے، اور وہین زیر خاک سوتے ہین، اُن کا بھی ایک شعر میرحسن کی زبانی سنیئے،

عارض نہین حیدر کا تری گال سون اچھا   سمجھین ہمیں کلف کو نہ تجھ خال سون اچھا

حیدرآباد کی تباہی کے بعد اورنگ آباد میں اکثر لوگون نے پناہ لی، عالمگیر مرحوم کی عمر کا بیشتر حصہ وہین بسر ہوا ہو اور اِس تقریب سے دلی اور اکبرآباد کے ہر طبقہ کے اُمرا، علما اور مشائخ جن کو شاہی دربار سے کسی قسم کا واسطہ اور تعلق تھا اورنگ آباد آ رہے تھے،

---

[1] تاناشاہ کی ایسی کتابیں لکھی ہوئی تھیں جیسے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کے کتب خانہ میں جلالین کا ایک نسخہ دیکھا ہے جس میں دو ایک مقامون پر تاناشاہ کے حاشیئے چڑھے ہوئے ہیں،

ایک مدت تک اُردو شاعری کا مرکز اورنگ آباد رہا، بہت سے شعرا وہاں جمع ہوگئے، شمس ولی اللہ کے عروج و اقبال کا ستارہ بھی وہیں چمکا، اِن کے سوا اور جو شاعر وہاں ہوئے اون مین سے پچیس تیں شاعرون کا ذکر میر تقی میر نے اپنے تذکرہ مین سید عبدالولی عزلت کی بیاض سے نقل کرکے کیا ہی، اور اس سے کچھ زیادہ میر حسن نے لکھا ہی، مگر افسوس ہی کہ اِن دونون کو اُن شاعرون کے حالات اور اشعار نہیں ملے، صرف ایک ایک دو دو شعر لکھدیئے ہین، میر صاحب کی رائے اِن شعرا کے متعلق اچھی نہیں ہے مگر میلنے تو اسے دکن کے ذکر مین یہ بات ثابت کی ہی کہ میر صاحب کی یہ رائے اون کی ناواقفیت پر مبنی ہی، اوس زمانے میں اُردو شاعری نے اتنا اعتبار پیدا کرلیا تھا کہ جو لوگ ولایت زا ہوتے تھے اور اون کو اُردو زبان مین بولنا بھی نہین آتا تھا وہ بھی اِس مین طبع آزمائی کرنا فخر سمجھتے تھے،

مرزا معز الدین فطرت عالمگیری امرا مین بڑے پایہ کے شاعر تھے، موسوی خاں خطاب تھا اِسی مناسبت سے معزؔ فطرت اور موسوی تین تخلص اختیار کیئے تھے اونھوں نے اُردو مین شوق پورا کیا ہی ملاحظہ ہو،

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہی در خانۂ آئینہ گتا جھوم پڑی ہی

قزلباش خان امید اوسی زمانہ کے بڑے نامور شاعر ہین اور اہل ہند کے ساتھ اون کے جلسون کی گرم جوشیاں مشہور ہین مگر اُردو میں جو اظہار کمال کیا ہی وہ یہ ہے،

بامن کی مستی آج مری آنکھون پڑی غصہ کیا و گالی دیا اور دگر لڑی

لہ اورنگ آباد اور اوس کے نواح کے قصبات کی زبان و شائستگی حیدرآباد و نواح حیدرآباد سے اِس لحاظ سے ممتاز ہی کہ اِس میں دہلویت زیادہ محسوس ہوتی ہی، ۲ہ قزلباش خان امید کا یہ شعر غالباً اُس زمانہ کا ہی جب اون کا قیام اورنگ آباد میں تھا، احمد عمر میں دلی آ بسے تھے وہاں صحبت آرائی کی ہی اوس کا نمونہ آگے چلکر آئے گا،

اُردو شاعری کا مرکز دکن سے دلی کو منتقل ہوتا ہے

عالمگیر مرحوم کے جنت نصیب ہونے کے بعد بیٹوں اور پوتوں مین سلطنت کے حصے بخرے
کرنے مین خون کی ندیان بہنے لگیں اور اس کا سلسلہ بیس پچیس برس تک قایم رہا بلکہ یون کہنا چاہیئے
کہ محمد شاہ کی مدت سلطنت کو چھوڑ کر آخر تک رہا اور اوس نے سلطنت کا کھوج لگا دیا

بہادر شاہ عالمگیر کے بڑے بیٹے نے تقریبا پانچ برس تک اور فرخ سیر بہادر شاہ کے پوتے نے
چھ برس سلطنت کی مگر بہادر شاہ ملایانہ مزاج کے آدمی مذہب کی دھن میں ایسے لگے کہ اون کا سر
پیر اسی سے نہین چھوٹا فرخ سیر بادشاہ گردون کے پنجۂ غضب مین گرفتار تھے، اس عرصہ مین کسی کو چین سے
زندگی بسر کرنے کا موقع نہین ملا محمد شاہ کے زمانہ میں سادات کی قوت ٹوٹ جانے پر کچھ عافیت نصیب
ہوئی، اوس وقت ادھر اودھر سے سمٹ کر دلی مین سب لوگ مجتمع ہوگئے، محمد شاہ کی رنگیلی طبیعت نے
رنگ دکھایا امراے دربار برسوں سے خانہ جنگیاں کرتے کرتے تھک چکے تھے، ہتھیار کھول کر
سب عیش و عشرت میں پڑگئے، شاعری اور بے فکری "مثل مشہور ہے، قزلباش خان امید، سلیمان
قلی خان وداد علی قلی خان ندیم، شیخ سعد اللہ گلشن مرتضی قلی خان فراق میر شمس الدین فقیر، مرزا
عبد القادر بیدل، سراج الدین علیخان آرزو ایسے بڑے بڑے صاحب فضل و کمال دلی مین مجتمع تھے
شمس ولی اللہ دکن سے آگئے واقف رتن آرزو وغیرہ بھی دکن سے آئے گئے واپس گئے دلی کچھ دنون کو
رہ گئے درباروں کا رنگ دلی نے جمایا ہر طرف سے قدردانی کی گئی، معرفت کی محفلون مین قوال
انہیں کی غزلیں گانے لگے۔ دربار شاہی شاطر لوگوں کو سنانے لگے جو شعرا صرف فارسی مین اظہار
کمال کرتے تھے اون کو اردو میں بھی شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ قزلباش خان امید کا ایک شعر
تم اوپر دیکھ چکے ہو دو شعر ان کے اور سنو،

در و دیوار سے اب صحبت ہی — یا رب ان گھر مین عجب صحبت ہی

تیری آنکھون کو دیکھ ڈرتا ہون — الحفیظ الحفیظ کہتا ہون

ایک شعر پہلے پڑھ چکے دو یہ ہین، اِن تینون کو ملا کر دیکھو معلوم ہوتا ہی کہ پہلا شعر کسی اور کا ہی یا پچھلے دو شعر اُمید کے نہین ہین، مگر نہین یہ تینون شعر اونھین کے ہین، پہلا شعر اوس وقت کا ہی جب اون کو نیا نیا شوق پیدا ہوا تھا، اور یہ دکن مین تھے، ہندوستان مین رہتے رہتے اتنی زبان صاف ہو گئی تھی کہ یہ دو شعر نہایت صاف اور سادہ کہہ سکے، میر تقی میر کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ دونون شعر دلی کی کمائی ہین،

مرزا عبد القادر بیدل بھی دور عالمگیری کے شاعر ہین، یہ بھی صرف فارسی مین اظہار کمال کرتے تھے، مگر جب اُردو کی گرم بازاری دیکھی تو اونھون نے اوس مین بھی شوق پورا کیا، اُن کے بھی دو شعر نکات الشعرا سے نقل کرتا ہون،

مت پوچھ دل کی باتین وہ دل کہان ہی ہم مین — اِس تخم بے نشان کا حاصل کہان ہی ہم مین

جب دل کے آستان پر عشق آن کر پکارا — پردے سے یار بولا بیدل کہان ہی ہم مین

مرزا علی قلی خان ندیم بھی فارسی کے مشاق شاعر ہین مگر اُردو مین بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کی ہی ؎

جدائی مین تری ہم کیا کہین کس طرح جلتے ہین — بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہین

بیقرار عشق کو ہی زندگی نقص کمال — مر چکے بیمار تب کہتے ہین یہ اکسیر ہے

مرزا مرتضی قلی فراق بھی فارسی کے کہنہ مشق شاعر ہین، اُردو مین فرماتے ہین اور

خوب فرماتے ہین ؎

تماشا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہے
کہ یان اک لب تبسم غنچہ کو برباد کرتا ہی

اسیرون کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن مین
کوئی اُن ہمنواؤن سے ہمین بھی یاد کرتا ہی

میر شمس الدین فقیر فرماتے ہین ؎

زندگی موج آب ہی گویا
دم کا آنا حباب ہے گویا

خال تیرے بیاض گردن پہ
نقطۂ انتخاب ہے گویا

سراج الدین علی خان آرزو بھی فارسی کے قادر الکلام شاعر ہین میر تقی میر نے انھین کے دامن تربیت مین پرورش پائی ہی، وہ بھی کبھی کبھی اُردو میں طبع آزمائی فرماتے تھے آزاد نے اُن کو دوسرے دور کے اُردو شعرا مین جگہ دی ہی، مگر یہ آزاد کی زبردستی ہی[1]، مجکو آرزو کے

---

[1] آزاد کی زبردستی اسی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ سب سے بڑا ظلم اونھوں نے یہ کیا ہے کہ میر اثر، قائم، یقین، ہدایت، حزین، تابان، بیدار ایسے اُردو کے مشاق شاعرون اور اُستادوں کو تو کہیں جگہ نہین دی باوجودیکہ ایک جگہ قائم کے ذکر مین خود فرماتے ہیں کہ "اون کا دیوان ہرگز میر و مرزا کے دیوان سے پیچھے نہین کہہ سکتے، یہ معلوم نہین کہ اس غریب کو کیوں نظر انداز کیا یہ عذر کہ مقبول عام اور شہرت نیائی عذر بدتر از گناہ ہی،

[illegible] یہ ہے کہ یہ کلام نہیں ضاحک کو میر و مرزا کی صف میں اور میر حسن خلیق کو ذوق و غالب کے دور مین جگہ دی ہی جس کے [illegible] نہیں [illegible] آب حیات میں درج کرنے، آزاد پر موقوف نہیں ضاحک کے ذرہ [illegible] کو بھی [illegible] کرنے میں [illegible] کرنے اولاد کے شرف میں شریک ہیں، بات یہ ہے کہ میر ضاحک کی طبیعت جیسا کہ اون کے تخلص سے ظاہر ہے، ہجو اور ہزل پر [illegible] تھی [illegible] اسی [illegible] ایجاد کی تھی جس کو وہ تضمین [illegible] کے بیٹے بطور معذرت کے فرماتے ہیں کہ "باوجود [illegible] مولوی ساجد [illegible] طالع [illegible] خورشید [illegible] آسا لطف ہزل [illegible] قلم را [illegible] طرح کردہ اند کہ از آدم تا ایندم کسے شگفتہ [illegible] یک لطیفہ [illegible] (باقی صفحہ آیندہ)

فضل وکمال مین کلام نہین، مگر اُردو کے دو چار شعر کہہ لینے یا شعرائے ریختہ کو عروض وقافیہ پڑہا لینے سے اون کو یہ حق نہین پہنچتا کہ اردو شعرا کی صف مین اون کو جگہ دی جائے، اگر ایسا ہوسکتا ہو تو مرزا عبدالقادر بیدل، مرزا معزالدین فطرت، قزلباش خان اُمید، میر شمس الدین فقیر اور علی قلی ندیم نے کیا قصور کیا ہی اونہون نے بھی دو دو چار چار شعر اُردو میں کہے ہین اور اُردو شعرا کے کلام مین اصلاح دی ہی اور اون کو شاعری کے گُر بتائے ہین،

بہرحال سراج الدین علی خان آرزو نے اُردو مین بھی طبع آزمائی فرمائی ہی، جس کا نمونہ یہ ہی،

ہر صبح آ اُڑتا ہے تری برابری کو ۔ کیا دن لگے ہین دیکھو خورشید خاوری کو

رکھے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبون کے ۔ چمن مین آج گویا پھول ہین تیرے شہیدون کے

میخانے آج جا کر شیشے تمام توڑے ۔ زاہد مین آج اپنے دل کے پھپولے پھوڑے

تجھ زلف مین اٹک رہے دل تو کیا کرے ۔ بیکار ہی اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہین ۔ زندگانی کا کیا بھروسا ہے

جن حضرات کا ذکر مینے اِس جگہ کیا ہی اُن کے سوا اور بھی چند لوگ ہین جو باوجود فارسی مین کہنہ مشق ہونے کے اردو مین بھی کبھی کبھی شوق پورا کرتے تھے مگر سب کا ذکر طوالت سے خالی نہین،

مقصد اِس تحریر کا یہ ہی کہ اُردو شاعری کا آغاز بیجاپور یا حیدرآباد سے ہوا اگر بیجاپور کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یا ایہا الساقی کہ گردیماں بہالے لکہ ۔ ۔ ۔ کل تو بچی یر اسہ ورد نگاسرہ

راس نہین آئی، سر منڈاتے اولے پڑ گئے، حیدرآباد نے کچھ دنون اس کی پرورش کی آخرکار
اوس کو بھی وہی روز بد دیکھنا پڑا جو بیجاپور دیکھ چکا تھا،

حیدرآباد کی تباہی کے بعد ریختہ نے اورنگ آباد مین انھین مغلوں کے دامن مین پناہ
لی جنھون نے بیجاپور اور حیدرآباد سے اوس کو نکالا تھا،

عالمگیر مرحوم کے بعد چند دنون اورنگ آباد [illegible] دلی مین ریختہ سے اردوے
معلّیٰ کا خطاب پاکر ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین پھیل گئی [illegible] پرورش پاکر
دن دونی رات چوگنی ترقی کی، دوسری چیز جو میرے مذکورۂ بالا بیانات سے ظاہر ہوئی ہوگی وہ یہ ہے
کہ شمس ولی اللہ کے ظہور سے پہلے اردو مین قصیدہ خوانی اور غزل سرائی شروع ہو چکی تھی اور مثنویان
لکھی جا چکی تھین اس لیے اس بات کا افسوس کرنا پڑتا ہے کہ بعض تذکرہ نویسون نے ولی کو اولیت کا
تاج پہنایا ہے اور آزاد نے آبحیات مین زبانی حکایتوں اور کتابی روایتون کی خاک چھان کر
جو بات نکالی ہے کہ شمس ولی اللہ

نظم اردو کی نسل کا آدم جب ملک عدم سے چلا تو اس کے سر [illegible] اولیت کا تاج رکھا گیا ہے
ہندوستان کی نظم مین وہی [illegible]
عربی مین بیٹھا ہے"

معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نے اردو نظم کی تدریجی ترقی پر دھیان نہین فرمایا اور جن شاعرون نے ولی سے
پہلے اردو زبان کو ترقی دینے مین جانفشانیاں کی ہین اون کے کارناموں اور کاوشوں پر خاک ڈال دی ہے،

اردو نثر کی تاریخ

زیادہ چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] کے نام سے ایک
کتاب [illegible] اردو مین لکھی تھی اور اوس کا بیان ہے کہ [illegible]

سنہ ۱۱۴۱ھ مین شمس ولی اللہ نے ایک مثنوی شہداے کربلا کے حالات مین لکھی تھی جیسا کہ وہ خود کہتے ہین ؎

ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال — تھا گیارہ سو پہ اکتالیسوان سال
کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول — ولی کا ہی سخن حق پاس مقبول

فضلی نے جب وہ مجلس لکھی ہی اوس وقت ولی زندہ تھے لوگون نے سمجھا کہ فضلی نے ولی کی مثنوی کو نثر کا جامہ پہنا دیا ہی مگر دہ مجلس کے دیباچہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ اوس نے کسی فارسی کتاب کا ترجمہ کیا ہی یہ بھی اوس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس سے پہلے کسی نے نثر مین کوئی کتاب نہین لکھی، یا لکھی ہو فضلی کی نظر سے نہین گزری، نمونہ اوس کی عبارت کا ملاحظہ ہو،

پھر دل مین گزرا کہ ایسے کام کو عقل چاہیئے کامل اور مدد کسو طرف کی ہووے شامل کیونکہ بے تائید صمدی اور بے مدد جناب احدی یہ مشکل صورت پذیر ہووے اور گوہر مراد رشتۂ امید مین نہ آوے لہذا کوئی اس صنعت کا نہین ہوا مخترع اور اب تک ترجمہ فارسی بعبارت ہندی نہین ہوا مستمع پس اس اندیشۂ عمیق مین غوطہ کھایا اور بیابان تامل و تدبر مین سرگشتہ ہوا لیکن راہ مقصود کی پائی ناگاہ نسیم عنایت الٰہی دل افگار پر ابترار پر آئی یہ بات آئینہ خاطر مین منہ دکھائی'

اِس تصنیف کے چند دنون بعد میر محمد حسین دہلوی کلیم تخلص نے احمد شاہ بادشاہِ دلی کے زمانے مین فصوص الحکم کا اُردو مین ترجمہ کیا اور ایک کتاب اردو نثر مین لکھی جس کی نسبت میر حسن تذکرہ شعرا مین فرماتے ہین کہ "در ہندی نثر کتابے ایجاد کردہ" معلوم ہوتا ہی کہ اُردو مین نثر نویسی کا اوس وقت تک رواج نہین ہوا تھا، اِسی وجہ سے میر حسن اس کو ایجاد سے تعبیر کرتے ہین، ایک فقرہ بطور نمونہ کے میر حسن نے پیش کیا ہی، احمد شاہ کو مکحول کرنے کے ذکر مین کلیم نے لکھا ہی،

کل کے دن تھے بادشاہ او وزیر آج کے دن اندھے ہو بیٹھے بصیر

ایسی دولت سے زینہار زینہار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تھوڑے دنون بعد میر عطا حسین تحسین باشندہ اٹاوہ نے چار درویش کا قصہ امیر خسرو کی کتاب سے اُردو مین ترجمہ کرکے نوطرز مرصع نام رکھا ۱۲۱۳ھ مین تصنیف و ترجمہ سے فراغت پائی، اِس کتاب کے نام سے بھی اِس بات کا پہلو نکلتا ہو کہ اوس زمانہ مین بھی یہ نیا طرز سمجھا جاتا تھا،

۱۲۱۵ھ مین مرزا علی لطف نے گلزار ابراہیم مصنفہ مرزا علی ابراہیم خان بہاری کا ترجمہ اُردو مسٹر گلکرسٹ کی فرمایش سے کیا اور گلشنِ ہند نام رکھا، اِس تذکرہ کو مولوی عبداللہ خان نے چھپوا کر حیدرآباد سے شائع کر دیا ہے۔

یہ وہ زمانہ ہو کہ کلکتہ مین حکام کو اپنے مصالح ملکی کے لحاظ سے اِس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جو انگریز ولایت سے تازہ وارد ہوتے ہین اون کو اُردو زبان سکھائی جائے، اردو مین اوس وقت تک ایسی کتابین موجود نہ تھین اسلیئے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے زیر اہتمام اِس کام کو شروع کیا گیا،

دلی اور لکھنؤ سے زبان دان مجتمع کیئے گیے، اور اُردو زبان کو وسعت اور ترقی دینے کے لئے تصوف اور کہانیون کی کتابین اردو مین لکھوائی گئین

سید حیدر بخش نے طوطا کہانی لکھی جس مین بن نشاطی کی طوطی نامہ کو اپنے زمانہ کے اردو زبان کا جامہ پہنایا ہو اور اصل مین اوس کا ماخذ سنسکرت کی ایک کتاب ہو، ایک کتاب گل مغفرت یادہ مجلس اولیا اللہ کے حالات مین لکھی، بہار دانش کا ترجمہ کرکے گلزار دانش نام رکھا، ایک اور کتاب تاریخ نادری لکھی جو کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہو، آرایشِ محفل کے نام سے ایک کتاب لکھی جس مین حاتم طائی کا قصہ بیان کیا ہو،

میر بہادر علی حسینی نے میر حسن کی مثنوی سحر البیان کو نثر مین لکھا اور اوس کا نام

نثر بے نظیر رکھا، اور ایک کتاب اخلاق ہندی کے نام سے لکھی جو فارسی کی مفرح القلوب کا ترجمہ ہی اور اوس کا ماخذ سنسکرت کی کوئی کتاب ہی،

میر امن دہلوی نے باغ و بہار آراستہ کیا اوس کا ماخذ امیر خسرو کی چہار درویش نہین بلکہ نوطرز مرصع ہی، یہ کتاب اوس زبان کا اعلیٰ نمونہ ہی جو انیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین دلی مین بولی جاتی تھی، ایک دوسری کتاب گنج خوبی کے نام سے لکھی جس کو اخلاق محسنی کا ترجمہ کہو یا اوسی طرز کی ایک کتاب سمجھو،

مولوی حفیظ الدین پروفیسر فورٹ ولیم کالج نے ابوالفضل کی عیار دانش کا ترجمہ کیا اور خرد افروز اوس کا نام رکھا اِس کتاب کا بھی اصل ماخذ سنسکرت ہی جو عربی مین کلیلہ دمنہ کے نام سے مشہور ہی،

میر شیر علی افسوس نے شیخ سعدیؒ کی گلستان کا ترجمہ کرکے باغ اُردو نام رکھا اور ایک کتاب آرایشِ محفل لکھی جس مین ہندوستان کے مختلف حالات درج ہین اور لالہ سجان رائے کی خلاصۃ التواریخ سے ماخوذ ہین،

کاظم علی جوان نے سکنتلا کا قصہ لکھا جو برج بھاشا کی کسی کتاب سے ماخوذ ہی، اور دستور ہند کے نام سے بارہ ماسہ تصنیف کیا جس مین ہندو مسلمانون کے تیوہارون کا ذکر ہی،

اکرام علی نے رسائلِ اخوان الصفا مین سے ایک رسالہ کا ترجمہ اخوان الصفا کے نام سے کیا ہی، اوس مین اِنسان وحیوان کا جھگڑا بیان کیا ہی جو شاہ جنّہ کے سامنے پیش ہوا ہی، اصل کتاب عربی زبان مین ہی،

سری لالو گجراتی نے پریم ساگر راج نیتی اور لطائف ہندی ترجمہ یا تالیف کین اور کاظم علی جوان کی مدد سے سنگھاسن بتیسی لکھی جو آدھی ہندی اور آدھی اُردو ہی،

مظہر علی ولا نے بیتال پچیسی لکھی جو مضمون اور زبان کے لحاظ سے سنگھاسن بتیسی کے مانند ہی اور خود ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اُردو زبان کے قواعد قلمبند کیے اور اُردو زبان کی لغت لکھی،

معلوم ہوتا ہی کہ اوس زمانہ مین اُردو زبان کی ہر دلعزیزی اتنی بڑھ گئی تھی کہ علما کو اسی زبان مین مذہبی کتابون کے لکھنے کا خیال پیدا ہو گیا اور حضرت شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ نے ۱۲۲۲ سنہ ھ مین قرآن شریف کا اُردو مین بامحاورہ ترجمہ کیا اور اون کے بھائی شاہ رفیع الدینؒ نے تحت اللفظ ترجمہ لکھا اور اون کے بھتیجے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب رد الاشراک کے باب اول کا ترجمہ اُردو مین تقویۃ الایمان کے نام سے کیا اور انصاف یہ ہی کہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کا موضح القرآن اور مولانا محمد اسمٰعیلؒ کی تقویۃ الایمان زبان کی صفائی اور سادگی مین اب تک بے نظیر ہین، ان بزرگون کے بابرکت ہاتھون کے لگ جانے سے اردو زبان کا سکہ ہندوستان مین اِس سرے سے اوس سرے تک رائج ہو گیا،

——— + ———

اُردو شاعری پر تبصرہ

مینے امتیاز کے لیئے اس کتاب کے تین حصے کر دیئے ہین، پہلا حصہ طبقہ متقدمین کے لیئے مخصوص ہی اور اوس مین تین دور ہین، دور اول کے شعرا مین سے صرف ایک شاعر کا مین ذکر کر سکا ہون، دوسرے دور مین شعرائے دکن اور تیسرے مین شعرائے دہلی کا بیان ہی،

دوسرا حصہ متوسطین سے مخصوص ہی، اس مین بھی تین دور ہین پہلا دور میر و مرزا کا دوسرا مصحفی اور میر حسن کا تیسرا ذوق و غالب کا،

تیسرا حصہ متاخرین کے ساتھ مخصوص ہی، اور اوس مین بھی تین دور ہین، پہلا دور ناسخ و آتش کا دوسرا امیر و داغ کا تیسرا حالی و اکبر کا جنھون نے جدید شاعری کی بنیاد ڈالی ہے،

طبقہ متقدمین

اس طبقہ مین پہلا دور [illegible] شاہون کا ہی جس کی نشو و نما حیدرآباد اور بیجاپور مین ہوئی ہے

اس دور مین جو شعرا صاحب دیوان ہوئے ہین اون مین سے محمد قلی قطب شاہ، سلطان محمد قطب شاہ، عبد اللہ قطب شاہ، ملا نصرتی اور مولانا ہاشمی کے نام اب تک معلوم ہو سکے ہین،

ان لوگون مین سے اول الذکر تین نام خاندان قطب شاہیہ کے تین بادشاہون کے ہین، جن کے دیوان حیدرآباد [illegible] اور اون کے کلام کا بیشتر حصہ آصفی ملکاپوری نے تذکرہ شعرائے دکن مین نقل کیا ہی، اس زمانے مین اردو زبان عالم طفولیت مین تھی، دکنی الفاظ کثرت سے [illegible] اور میرا خیال ہی کہ شمالی ہندوستان کے رہنے والے [illegible] ملتا

طریقہ بیان مین بھی کوئی ندرت نہین ہی، سیدھے سادے انداز سے پیش پا افتادہ مضامین کو نظم کر دیا ہی، تاہم اگر کوشش کرکے اون کا صاف اور سادہ کلام ایک جا کر دیا جائے تو اُردو زبان کی تاریخ کا سلسلہ مکمل ہو جائے گا۔

دوسرے دور کے شعرا کا نشو نما اورنگ آباد مین ہوا ہی، اونکی زبان منجتے منجتے بہت صاف ہو گئی ہی، تاہم دکن کا لب و لہجہ اور کہین کہین الفاظ و روابط جو اہل دکن کے ساتھ مخصوص ہین، ان لوگون کے کلام مین پائے جاتے ہیں، مثلاً انکو بجائے نہیں کے ہٹیں بجائے ڈالیں، ہٹ دیئے بجائے ملا دیئے، بیگی بجائے جلدی، دستا دیکھتا کے معنون مین، آپس اپنے کی جگہ سنگات ہمراہ، بانچہ دہن، باتان باتین، ان کے سوا اور الفاظ و روابط ہیں جو اس دور کے ساتھ مخصوص نہین، شعرائے دلی کے کلام مین بھی پائے جاتے ہین، مثلاً سون تیں ستی بجائے سے کون واو معروف کے ساتھ بجائے کو، ہمن کو بجائے ہم کو، نمن بجائے طرح، منو ہن مرہن - پی پیم بجائے معشوق، جگ مٹے دنیا مین برمنے ... یعنی کو دین، مجہ دل میرا دل، تجہ لب تیرا لب جگ دبا چکی کلام ... ہمیشہ کھ ... تیر اندر ... ان بھویں پلکان پلکین تو یہ، یگانہ بیگانہ، دوانہ دیوانہ مرض سکون رے کے ساتھ بجائے مرض کے جس کی رے کو فتح ہی، تسبی تسبیح، سہی صحیح مین کہا ہیے کہا ان کے سوا اور بھی الفاظ ہیں جو طبقہ متوسطین کے شعرا بھی کلام میں ... ان کا ذکر وہان آئے گا۔

ان دونوں دور کے شاعرون کا انداز بیان بہت صاف و سادہ ہی، جو کچھ آنکھون سے سامنے دیکھتے ہیں اور اوس سے دل میں خیالات گذرتے ہیں وہی زبان سے کہدیتے ہیں، ایچ پیچ کے خیال و دور کی تشبیہیں نازک استعارے نہیں بولتے اسی واسطے اشعار صاف و بے تکلف ہیں۔

مگر چونکہ اُردو شاعری کی ابتدا فارسی کی انتہا سے جا ملی ہی لہذا بہت سے خیالات جو خاص ملک فارس سے علاقہ رکھتے ہین اس مین خود بخود آگئے، مثلاً بجائے عورتون کے لڑکون کا عشق، اون کے خط کی تعریف شمشاد نرگس سنبل سوسن بنفشہ وغیرہ کی تشبیہین۔ لیلی، شیرین شمع۔ گل سرو وغیرہ کا حسن، مجنون فرہاد بلبل قمری پروانہ کا عشق، مانی و بہزاد کی مصوری، رستم و اسفندیار کی بہادری، زحل کی نحوست سہیل یمن کی رنگ افشانی، نوروز کا جشن، جام جم خم افلاطون، راہ ہفتخوان، کوہ الوند، کوہ بے ستون، جوئے شیر، قصر شیرین، جیحون سیحون اور خدا جانے کیا کیا الفاظ ترکیبین اور خیالات فارسی سے اُردو مین آگئے،

ان خیالون اور اشارون نے اُردو شاعری کو سنگلاخ بنا دیا ہر، کی مان بہاشا سی شیرین زبان تھی جو ہم کو وہ چیزین بتاتی ہی جن کی کیفیت اون کے دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے یا چھونے سے حاصل ہوتی ہی، مثال کے طور پر خیال کرو، برسات کا موسم ہندوستان مین بہار کا موسم ہی، بادلون کا گھر گھر آنا، سرد ہواؤن کا چلنا، سرسبز اور شاداب درختون کا جھومنا، ہلکی ہلکی پھوہارون کا پڑنا، کوئل کا کوکنا، پپیہون کا پی کہان پی کہان کی صدا لگانا یہ اور اسی قسم کی بہت سی دلکش باتین ہین کہ جن کو دیکھکر دل کو سرور اور آنکھون کو نور حاصل ہوتا ہی، اور انھیں باتون کو اگر شعر کے قالب مین ایک خاص انداز سے ڈھالا جائے تو اوس کو سن کر دلون مین جوش اور طبیعتون مین اتنی اُمنگ پیدا ہو سکتی ہی جو بہار فارس کو خواب مین نصیب نہین،

مگر بدقسمتی سے اُردو شاعری مین گل و بلبل کا دخل ہوا جو متقدمین کے ہان کم کم متوسطین کے ہان کچھ زیادہ پایا جاتا ہی، اور متاخرین کی شاعری کا مدار اسی پر ٹھہر گیا تحسین و آفرین کی ہوس مین کسی صفت و صفت کی استعارہ در استعارہ سے اوسے اتنا تنگ و تاریک کر دیا کہ شاعری گورکھ دھندا بنکر رہ گئی،

بہرحال متقدمین کے خیالات مین ندرت نہین ہی تو ہو مگر اون کا انداز بیان بہت بے تکلف اور سیدھا سادہ ہی، اس مین شعراے دکن و دلی مین باہم امتیاز نہین البتہ یہ حیرت کی بات ہی کہ شمس الدین ولی نے اپنے کلام مین ایہام اور ذومعنیین سے اتنا کام نہین لیا جتنا شاہ مبارک آبرو اور اون کے معاصرین کام لیتے ہیں، خدا جانے ان بزرگون کو اس کا شوق کیونکر پیدا ہوا، میرے خیال مین آزاد کی یہ راے صحیح ہی کہ دوہرون کے انداز نے جو ہندوستان کا سبزہ خودرو تھا اردو کو بھی اپنے رنگ مین رنگ دیا،

طبقۂ متوسطین

مینے اس حصہ کو تین دور پر تقسیم کیا ہی، دور اول مین مرزا مظہر، مرزا رفیع، میر تقی میر خواجہ میر درد، میر سوز، قائم، یقین، بیان، حزین، ہدایت، قدرت، بیدار، ضیا، جو اس دور کے اون ممتاز شاعرون مین ہین جنھون نے زبان کی صحت و صفائی اور طرز بیان کی خوبی اور پاکیزگی مین نمایان حصہ لیا ہی،

دوسرے دور مین میر اثر، بقا، حسرت، راسخ، میر حسن، جرأت، انشا، مصحفی، رنگین اور فراق کا ذکر ہی جنھون نے زبان کو پہلے سے زیادہ صاف کیا ہی، اور طرز بیان مین بھی کسی کسی نے نیا انداز پیدا کر دیا ہی،

تیسرے دور مین نصیر، ممنون، ذوق، ظفر، مومن، غالب، تسکین اور شیفتہ کا ذکر ہے، جنھون نے زبان کو بہت زیادہ صاف و ستھرا کر کے کلام کو گلہاے رنگا رنگ سے آراستہ کر دیا ہی، اور لطف یہ ہی کہ صفائی اور سادگی کو بھی ایک حد تک قائم رکھا ہی،

دور اول کا سب سے پہلا کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہی کہ زبان کی صفائی [illegible] پیدا کی کوشش کی [illegible] سے الفاظ [illegible]

نکال ڈالے تاہم کچھ الفاظ ایسے رہ گئے جو اون کے زمانے میں فصیح سمجھے جاتے ہون مگر آج ہم کو اجنبی اور نامانوس معلوم ہوتے ہین، مثلاً کیا کیا بجائے کس کس، اون نے جن نے بجائے اوس نے جس نے، پھر نظر بجائے نظر بھر کے دل اپنے کے بجائے اپنے دل کے مجھ آنسو بجائے میرے آنسو کے جن تس نے بجائے سن کسی نے، اودھر اودھر بجائے ادھر ادھر، کہنے لاگا بجائے کہنے لگا، دوانہ بگانہ بجائے دیوانہ و بیگانہ، رقیبان بجائے رقیبون کے، انکھڑیان، آنکھوں کی جگہ، سجن معشوق کے معنون مین، پیچ ادھر کے معنون مین، ہم کھار ہو سانس نلو یعنے چپکے رہو، کنے پاس، آپ ہین ماہین نہ آپ ہین نہ مین، ہن کہا مینے کہا، اسی طرح کے اور چند الفاظ ہین جو زیادہ تتبع کرنے سے مل سکتے ہین،

تاہم زبان کے صاف وستھرا کرنے مین اس دور کے شعرا نے جو کوششین کی ہین وہ نہایت قابل قدر ہین،

(۴) دلپذیر اور دلکش اور پسندیدہ محاورات جو فارسی مین دیکھے اونھین کہین ترجمہ کر کے اور کہین بجنسہ لے لیا ہے، مثلاً تر دامن، پنبہ دہن، آتش زیر پا، کمر کوہ، دامن کوہ، گردن مینا دست سبو، سرو آزاد، سوسن دہ زبان، نرگس شہلا، داغ جنون، طفل اشک، یاد ایام بر آمدن در آمدن، بسر آمدن، گوش کردن، بو کردن چراغ کشتن، دل دادن، دل از دست رفتن، از جان گذشتن، از سر چیزی گذشتن، غرق عرق شدن، پیمانہ پر شدن، از جامہ بیرون شدن، دامن افشاندہ برخاستن، دستا بحال کسانیکہ بعد آن یا عیف کسانیکہ اور اسی طرح سینکڑون الفاظ اور محاورے ہین جنھین اردو مین ایسی بے تکلفی سے کھپایا ہے کہ کہین سے جوڑ نہین کھلتا،

آزاد نے آبحیات مین اس بحث کو بہت پھیلا کر بیان کیا ہے اور ہر ایک کی مثالین شعرا کے کلام سے نکال کر پیش کی ہین جو دیکھنے کے قابل ہین،

(۳) انھون نے یہ بھی بڑا کام ہو کہ جو عاشقانہ مضامین غزلون مین بہت پہلے سے بندھتے چلے آتے ہین اون کو بہ تبدیل الفاظ اور تغیر اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ مین اِس خوبصورتی سے ادا کیا ہو کہ بار بار پڑھیئے اور مزے لیجیئے، ان کی بندشین اگلی بندشون سے زیادہ چست اور لطیف اور ان کے محاورے اگلے محاورون سے زیادہ دلآویز و دلکش ہین. علاوہ اِس کے قدیم جذبات و خیالات مین اپنے مبلغ فکر کے موافق جو نزاکتین اور لطافتین اونھون نے پیدا کی ہین وہ باوجود پرانے روزمرہ اور محاورون کے بدلجانے کے اب تک ایسی ہین کہ لوگ اون کو پڑھتے اور سر دھنتے ہین، مینے اِس کتاب مین ہر ایک کے اشعار اسی قسم کے انتخاب کیئے ہیں جو اپنے اپنے موقع اور محل پر آئین گے. تاہم جی نہین مانتا یہان بھی چند اشعار مثال کے طور پر نقل کرتا ہون،

مرزا مظہر علیہ الرحمہ

ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہو گلشن سے لیک ۔۔۔ جی نکل جاتا ہو جب سنتے ہین آئی ہو بہار

مرا جی جلتا ہو اوس بلبل بیکس کی غربت پر ۔۔۔ کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیان اپنا

کیا جوان مارا گیا خوبان کے ہاتھ ۔۔۔ لاکھ حسرت کھیت آئین جس کے ساتھ

مرزا رفیع رح

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجکو چار داغ ۔۔۔ چھاتی مرے سراہ کہ اک دل ہزار داغ

تو نے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین ۔۔۔ یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہین

کیفیت چشم اوس کی مجھے یاد ہو سودا ۔۔۔ ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا مین

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر ۔۔۔ اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے مین

اِس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمین ۔۔۔ اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

سوداتری فریاد سے آنکھوں مین کٹی رات   آئی ہو سحر ہونے کو ظالم کہین مر بھی

میر تقی میرؔ

ہم خستہ دل ہین تجھ سے بھی نازک مزاج تر   تیوری چڑھائی تونے کہ یان دم نکل گیا

با ہم سلوک تھا تو اُٹھاتے تھے نرم گرم   کاہے کو میرؔ کوئی دبے جب بگڑ گئی

کعبہ مین جان بلب تھے ہم دورئیِ بتان سے   آئے ہین ابکی یار و پھر کر خدا کے ہان سے

واعظِ ناکس کی باتون پر کوئی جاتا ہو میرؔ   آؤ میخانے چلو تم کس کی باتون پر گئے

آشیانے مین رات بلبل کے   آتشِ گل سے رات پھول پڑا

خواجہ میر دردؔ

اِس طرح سے یک لخت جو آنسو نہین تھمتے   معلوم ہوا درد کہین آنکھ لڑی ہے

تیری گلی مین مین نچلون اور صبا چلے   یون ہی خدا جو چاہے تو بندہ کی کیا چلے

نزع مین تو ہون و لے تیرا گلہ کرتا نہین   دل مین ہے وہ بھی وفا پر جی وفا کرتا نہین

قائمؔ

قائمؔ ضرور کیا ہو اب دس جنگجو سے صلح   مدت ہوئے کہ جان سے مین ہاتھ دھو چکا

طوفان گریہ کی ہو مرے حد عمر نوح   دریا نہین کہ آج چڑھا کل اُتر گیا

یقین

شب ہجران کی وحشت کو تو اے ہمدرد کیا جانے   جو دن پڑتے ہین راتون کو مجھے تیری بلا جانے

گریبان چاک کرنے سے کسی کے کیا تجھے ناصح   ہمارے ہاتھ جانین اور ہمارا پیرہن جانے

(۴) ان بزرگوں نے تشبیہ و استعارہ سے بھی کام لیا ہو مگر اعتدال کے ساتھ متاخرین کی طرح صفت در صفت اور استعارہ در استعارہ کر کے کلام مین پیچیدگی نہین پیدا کی،

تشبیہ و استعارہ کو محاورون کی رنگینی سے اس طرح کھپایا ہی کہ شعر سن کر اوس کی گرمی اور جوش و خروش مین انسان ایسا محو ہو جاتا ہی کہ تشبیہ و استعارہ کی طرف فوراً ذہن منتقل نہین ہوتا اور یہی بات اون کی شاعری کی جان ہی،

تشبیہ و استعارہ ایک فطری چیز ہی، ایک عامی ہی جوش و خروش مین غیظ و غضب کی حالت ہو یا رنج و غم کی جب کوئی بات کہتا ہی تو بے ساختہ اوس کے منھ سے تشبیہ و استعارہ کے قالب مین ڈھلکر بات نکلتی ہی اور وہ سننے والے کے دل پر وہی اثر پیدا کرتی ہی جو کہنے والے کے دل پر اوس وقت طاری ہی،

اگر شاعر اسی نکتہ کو پیش نظر رکھے گا تو اس سے سلیقہ مندی ظاہر ہوگی اور اگر وہ بے اعتدالی سے کام لے گا تو اوس شعر کو سن کر بجائے اِس کے کہ اوس کے جوش و خروش کا دل پر اثر ہو تشبیہ و استعارہ کی پیچیدگی اپنی طرف متوجہ کرلے گی اور اس طرح سے اوس کا مقصود فوت ہوجائے گا،

اگر تم یہ کہنا چاہو کہ فلان شخص بہادر ہی اور اسی لفظ سے اوس کو ادا کرو تو ادائے مطلب کا یہ ایک معمولی طریقہ ہوگا، اور اگر اسی بات کو یون کہو کہ وہ شیر کے مانند ہی تو یہ تشبیہ ہوگی اور اس مین زور پیدا ہوجائیگا، اور یون کہو کہ وہ شیر ہی تو زور اور بھی بڑھ جائیگا، اور اگر اوس شخص کا نام نہ لو اور یون کہو کہ مین نے ایک شیر دیکھا اور اوس سے مراد اُسی شخص کو لو تو یہ استعارہ ہوگا اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہی کہ شیر کا نام ہی نہ لیا جائے بلکہ اوس کے جو مخصوص اوصاف ہین اوس شخص کی نسبت استعمال کئے جائین، مثلاً یون کہا جائے کہ وہ جب میدان جنگ مین ڈکارتا ہوا نکلا تو ہل چل پڑ گئی، تو یہ بھی استعارہ اور پہلے کی نسبت زیادہ لطیف ہی

تشبیہ مین مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان اور استعارہ مین مستعار لہ اور مستعار منہ مین

کسی قسم کی مناسبت کا ہونا ضروری ہی خواہ ایک صفت مین ہو یا چند اوصاف مین جو اس ظاہری سے محسوس ہوتی ہو یا عقل سے اوس کا ادراک ہوتا ہو، یہی ایک چیز ہی جس مین سلیقہ سے کام لینے کی حاجت ہی اور اوس مین کچھ شبہہ نہین کہ طبقہ متوسطین کے شعرا نے عموماً اور اس کے دور اول نے خصوصاً بہت سلیقہ سے کام لیا ہی امین چند اشعار پیش کرتا ہون، کچھ ضرور نہین کہ اپنی طرف سے حواشی چڑھاؤن، تم اپنے مذاق سلیم کی مدد سے ان پر غور کرو اور یہ دیکھو کہ جو کچھ مینے کہا ہی وہ اون مین ہی یا نہیں،

میرزا مظہرؒ

یہ بلبلوں کا صبا مشہدِ مقدس ہی — قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہین

آتش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو — مت اِس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

مرزا رفیعؒ

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ مین جون نکہتِ گل — پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤن گا

ساقی ہی یک تبسم گل فرصت بہار — ظالم بھرے ہی جام تو جلدی سے بھر کہین

میر تقی میر

صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشک باغ — تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

فلک کو منھ نہین اِس فتنے کے اُٹھانے کا — ستم شریک ترا نازہے زمانے کا

خواجہ میر دردؒ

مثل نگین جو ہم سے ہوا کام رہگیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا

دل بھی اے درد قطرۂ خون تھا — آنسوؤن مین کہین گرا ہوگا

قائم

مجھ سا جہان مین کوئی آشفتہ سر نہین — ہے یون تو زلف یار مگر اسقدر نہین

دل ڈھونڈھتا سینہ مین مرے بو العجبی ہے — اک ڈھیر ہے یان راکھ کا اور آگ لگی ہے

یقین

نظر آتا نہین ثابت گریبان ایک غنچے کا — چمن مین یہ ستم کرتا ہے لے باد صبا کوئی

یقین ہوا ہے مجھے قطرۂ اشک کے معلوم — نہ اٹھ سکے جو کوئی آنکھ سے گرا ہووے

بیان

ہم سرگذشت کیا کہین اپنی کہ مثل خار — پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

زاہدون کی عبادت کا مصلی ہے مرا دامن — اگر آلودگی دنیا کی اس کو پاک ہونے دے

(۵) اس دور سے پہلے شعراے ریختہ غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ وغیرہ سب کچھ کہتے آئے ہین، اور قصیدے بھی برائے نام لکھے ہین، مگر حقیقت یہ ہے کہ اون کو قصیدہ نہین کہہ سکتے دو چار شعرین کسی کی مدح کر دینے یا تشبیب گریز مدح اور دعا جو قصیدہ کے لوازم قرار پاگئے ہین اون سے تعرض نکرنے سے کوئی کلام قصیدہ نہین بن سکتا،

سب سے پہلے اسی دور کے شعراء نے قصائد دھوم دھام سے لکھے اور اون کو اعلیٰ درجہ فصاحت و بلاغت پر پہنچایا خصوصاً مرزا رفیع سودا اس میدان مین فارسی شعراء سے بھی بعض باتون مین آگے بڑھ گئے ہین، اون کے کلام کا زور شور انوری کے کلام سے نہین دبتا اور نزاکت مضمون مین عرفی کو کہی شرماتا ہے۔

مثنویان ولی اور اون کے تبعین نے بھی لکھی ہین، مگر عاشقانہ مثنویان جس شان کی میر تقی میر نے لکھی ہین اون کی نظیر اس دور سے پہلے نہین ملتی،

مرثیہ کے متعلق میرا یہ خیال ہی اور صحیح خیال ہی کہ اردو شاعری کی ابتدا اسی سے ہوئی ہی حیدر آباد اور بیجاپور کے شعرا اکثر مرثیہ گو تھے اور ان میں سے بعض ایسے خوش فکر تھے جن کے مرثیے آگرہ اور دلی تک قدردانوں کے ہاتھ پہونچتے تھے مگر اوس زمانے میں جو مصرعے کہنے کا رواج تھا، سب سے پہلے اسی دور کے ملک الشعرا مرزا رفیع سودا نے مسدس لیا، جب سے اس میں وسعت پیدا ہو گئی،

واسوخت قدما کے ہان دیکھنے مین نہین آیا، سب سے پہلے اسی دور کے شاعر بے نظیر میر محمد تقی میر نے اس مین طبع آزمائی کی اور اس کوچہ مین جو کمال دکھایا اوس کا طرہ افتخار ہمیشہ انھین کے سر رہے گا،

ہجو گوئی شاعری کے گلشن کا ایک خاردار پھل ہی، مگر جس طرح کہ گل کے ساتھ کانٹون کا ہونا ضروری ہی اسی طرح شاعرانہ جوش وخروش کی تکمیل مین اس کو بہت کچھ دخل ہی، اسی وجہ سے عربی اور فارسی کی شاعری بھی اس سے نہیں بچ سکی، مگر ریختہ گو شعرا کے اول طبقہ مین اس کا سراغ نہین ملتا، اگر کہیں ایک دو شعر ہون تو وہ شاعرانہ نوک جھونک سے زیادہ نہیں، اس دور کے شعرا مین مرزا رفیع اس کے بھی مرد میدان ہین گرمی کلام کے ساتھ جو شوخی اور ظرافت ان کے حصہ مین آئی ہی اوس کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی،

اون کے ہمعصرون مین سے میر تقی میر، میر ضاحک، فدوی، ندرت اور بقا نے بھی اس کوچہ کی خاک اڑائی ہی، ع

مگر وہ بات کہان مولوی مدن کی سی

علاوہ ان چیزون کے مخمس، مثلث، اور مستزاد غرض کہ جتنے اصناف سخن ہیں سب مین ان لوگون نے طبع آزمائی کی ہی اور اردو شاعری کو ہر طرح سے مکمل کر دیا ہی،

(۶) ایک بڑا کارنامہ اِس دور کے شعرا کا یہ ہی کہ تناسب لفظی اور صنائع و بدائع کی دوسری قسمین خصوصاً ایہام اور ذومعنیین جو قدما کی شاعری کا مایۂ ناز ہی اون کے دور کرنے مین اونھون نے بڑی کوشش کی خصوصاً مرزا جانجانان مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس خارزار کو ایسا چھانٹا کہ شاعری ساحری بن گئی، پھر اپنے زورِ طبع اور خداداد قابلیت سے اچھوتے مضمونوں اور فارسی ترکیبون اور اُردو کے دلکش محاورون کو اِس طرح پر ترتیب دیا اور وہ خوبی پیدا کی کہ ایہام اور تجنیس وغیرہ صنائع لفظی جو ہندی دوہرون کی بنیاد تھے اُسے سب بھول گئے، یقین حزین، بیان، حسرت اور فقیہ دردمندنے اون کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے اور میر و مرزا وغیرہ نے اون کا تتبع کرکے اردو شاعری کو معراج کمال پر پہونچا دیا یہ اُردو شاعری کے مورخ کی سخت بے انصافی ہی کہ اوس نے مرزا صاحب کے اِس احسان کا اعتراف نہیں کیا بلکہ اون کے کمال شاعری کو دبانے کی ہر جگہ بے سود کوشش کی ہی۔

مولوی قدرۃ اللہ شوق طبقات الشعرا مین لکھتے ہین،

اول کسے کہ طرز ایہام گوئی را ترک نمودہ ریختہ در زبان اُردوے معلی شاہجہان آباد گفتہ

ال السید حاتم عوام و خواص گردیدہ مرزا جان جانان متخلص بمظہر مردے است فرشتہ صفت الخ

تیج علام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرہ مین فرماتے ہین،

از ابتداے تلاش تا حال سودا و میر و مرزا کسے در عرصۂ وجود نیامدہ بود و در دورِ ایہام

گویان بود اول کسے کہ شعر ریختہ تتبع فارسی گفتہ است،

کچھ اور آگے چلکر کہتے ہین،

فی الحقیقۃ نقاش اول زبان ریختہ باعتقاد فقیر مرزا است بعد تتبع مرزا ایان رسیدہ

بہرحال ایہام گوئی کو ترک کر کے شعر کو بلند مضامین اور لطیف خیالات کے قابل بنانا اس دور کے شعرا متاخرین کا کارنامہ ہے

(۷) سلسلۂ بیان میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اصناف سخن میں ہر چیز کو حسب سلیقہ جو
اس دور کے بزرگوں نے بیان کیا ہے وہ انھیں کا حصہ تھا، قصیدوں میں پرشوکت الفاظ و
مضامین اور چست ترکیبیں استعمال کیں غزلوں میں بے تکلف زبان میں نرم نرم باتیں عشق و
معشوق کے خیالات وصل کا ارمان فراق کی المناک کیفیت اور جذبات انسانی کی صحیح ترجمانی
جیسی اِنھوں نے کی اوس کی نظیر قدما کے کلام میں نہیں مل سکتی، میر تقی، میر درد، یقین، بیان
حزین، ہدایت اور بیدار کی غزلیں پڑھو اور اپنے دل پہ ہاتھ دھر کر دیکھو،
یا جوش و خروش کلام کی گرمی اور دلآویزی دلچسپ اور دلپسند بحروں میں جن میں
اب تک بہت سی اُردو میں نہیں آئی تھیں پھر سنگلاخ زمینوں اور مشکل ردیفوں اور قافیوں
میں شعر کی آب و تاب دیکھنا چاہو تو مرزا رفیع سودا اور قائم کا کلام دیکھو اور انصاف کرو اِس کا
دھندلا سا عکس بھی قدما کے کلام میں ملتا ہے؟ اگر روزمرہ اور محاورے میں زبان کی بے تکلفی اور
سادگی دیکھنا ہو تو میر تقی میر درد اور میر سوز کی غزلیں پڑھو جس پر ہزاروں طرح کی باتیں قربان ہوتی نظر آئیں گی،
تصوف کا رنگ جو شعر کی جان ہے اور جس کے بغیر کلام روکھا پھیکا نظر آتا ہے اوس کو
خواجہ میر درد سے پہلے سراج کے سوا کسی نے چھوا بھی نہیں اِس کی آمیزش سے جو تڑپ اون کے
کلام میں پیدا ہو گئی ہے اور جو اس کا اثر ہوا وہ کبھی اُن کے پیشروؤں میں نظر نہیں آتا،

بسا ہے کون ترے دل میں گلبدن اے درد — کہ بو گلاب کی آتی ترے پسینے سے
اوس کے خیال زلف نے سب سے چھڑا دیا — گرچہ بہشت میں آرام میں ان کو فراغ ہے
گزرا ہے صبا کون قبا آج ادھر سے — گلشن میں ترے پھولوں کی بو باس نہیں ہے
قاصد ترا یہ کام نہیں اپنی راہ لے — اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

ایک ہی بحث میں ہی منزلِ مقصود نے — رہرو وادیٔ شک کی جای سفر پروانہ

لے دے یہاں کسو سے نہ دل کو لگائیو — لگ چلیو سب سے یوں تو پہ جی مت پھنسائیو

دوسرا سب سے نمایاں کارنامہ اس دور کے شعرا کا یہ ہے کہ انھوں نے زبان کی صحت اور صفائی میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور بہت سے ناگوار الفاظ و روابط جن کو دور اول کے شعرا نے قدما سے ترکہ میں پایا تھا انھوں نے نکال ڈالے اور وہ ایک حد تک صاف شستہ ہو گئی تاہم انکھڑیاں، جھگڑا، پھرا، اک، مت، روورے، آتیاں جاتیاں، بات بات سیتی، جوں، اپنے سے کہتا تھا، ایدھر ادھر، تیرے کنے اور اسی قسم کے اور الفاظ باقی رہ گئے، سید انشا کے کلام میں کچھ ناگوار الفاظ اپنے ہمعصروں سے زیادہ ملتے ہیں مثلاً [illegible] چھوڑے [illegible] مگر اون کی سند نہیں، وہ ہر جگہ [illegible] کا [illegible] کرتے ہیں کہیں آزادوں کے لہجہ میں بولنے لگتے ہیں، کہیں رنڈیوں کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں، کبھی پورب میں ہیں، کبھی پچھاں میں اور کسی جگہ اون کا فرق زندگی یعنی [illegible] سے جدا نہیں ہوتا،

[illegible] طرز بیان میں کوئی حسن و خوبی اس دور کے شعرا نے نہیں پیدا کی، انھیں لوگوں [illegible] سے تیار کیے جو ان کے پیشرو خرچ کر چکے تھے، صرف اتنا کیا کہ [illegible] اور ظرافت کے ساتھ عاشقانہ شاعری میں حقیقت کے منہ سے نقاب کو ہٹا کر مجاز کو زیادہ نمایاں کر دیا،

اس کی حقیقت یہ ہے کہ عاشقانہ شاعری کی دو قسمیں ہیں، اول وہ جس میں عاشقانہ جذبات کی [illegible] حق شناس آنکھوں [illegible] جمال انسانی کا جلوہ نظر آتا ہے اس کی حد ایک طرف تصوف یا معرفت یا عشق حقیقی سے ملتی ہے، دوسری طرف پاک [illegible] عشق مجازی [illegible]

پہلی صنف میں خواجہ میر درد اور دوسری میں میر تقی میر نے نمایاں حصہ لیا، اور [illegible] دور کے شعرا میں سے سودا، قایم، ہدایت، مصحفی، اور بیان وغیرہ زیادہ [illegible] کچھ

اسی راستہ پر چلے ہین،

اِس دور کے شعرا مین سے میر اثر اور راسخ خواجہ میر درد کا تتبع کرتے ہین، میر حسن

میر اور فصیح وغیرہ کے راستہ پر چلتے ہیں اور مصحفی کا انداز کہین کہین پر میر سے ملتا ہے،

دوسری قسم وہ ہے جس مین پاک اور بے لوث عشق کی جگہ پر ہوس پرستی کے جذبات

کی تصویر کھینچی گئی ہے، اِس کو افسوس ہے کہ اس دور مین جرأت انشا اور رنگین نے ترقی دیکر

اوس ناپاک طریقہ کی بنیاد ڈالی جس پر متاخرین نے بلند عمارتین کھڑی کردین اور

اور یہ رنگ اتنا مقبول ہوا کہ سنجیدہ اور پاکیزہ خیال دم بخود ہوکر رہ گئے، تھوڑی دیر سنجیدگی

کو بالاے طاق رکھکر ان کا بھی انداز دیکھ لو،

پہلے جرأت کی دلیری دیکھو،

در تک ب چھوڑ دیا گھر سے نکل کر آنا	یا وہ راتون کو سدا بھیس بدلکر آنا
کیا کیا وہ حفا مجھ سے ہوا گھر سے نکل	جب بیٹھ پکارا اُسے آواز بدل کے
چھینٹے غیرون سے جو کل آپ لڑے پانی کے	پڑ گئے سینکڑون بس ہم پہ گھڑے پانی کے
کل واقف راز اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات	جرأت کے یہان رات جو مہمان گئے ہم
کیا جانئے کمبخت نے کیا ہم پہ کیا سحر	جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

سید صاحب کی گل افشانی کچھ ان سے بھی بڑھکر ہے،

ابتو اگلی سی طرح کا نہین گھرا پردا	رہ گیا آپ مین اور ہم مین اکہرا پردا
کچھ اشارا جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت	ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی رات کے وقت
نہ لگی مجکو جب اوس شوخ طرحدار کی گیند	اوس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند
جاڑے مین کیا مزا ہو وہ سمٹ رہے ہون	اور کہو لگا کر رضائی ہم بھی لپیٹ بیٹھے ہون

مطلع ہو صاف ستھرا بادل بھی پھٹ رہے ہون | جی چاہتا ہے اے دل اک رات ایسی آوے
شبنم کا وہ ڈوپٹہ بیٹھے اُلٹ رہے ہون | سوتے ہون چاندنی مین وہ منہ لپیٹے اور ہم

(۴) اون لوگون کی طبیعت کی رنگینی نے اسی پر قناعت نہین کی ملکہ ریختہ سے ریختی کے تماشے کھڑے کر دیئے، آزاد کا یہ کہنا صحیح نہین ہو کہ رنگین اور انشا اس کے موجد ہین کیونکہ قدما کے ہان بھی اس کا سراغ ملتا ہی، مولانا ہاشمی بیجاپوری طبقہ متقدمین کے دور اول کے مشہور شاعر ہین جنھون نے یوسف زلیخا ریختہ مین لکھی ہی اون کے یہ دو شعر آصفی ملکاپوری نے اپنے تذکرہ مین لکھے ہین،

اگر مجھ ہووے گی فرصت صبح پھر آؤنگی چھوڑ دو | رضا گر مجکو دیتی ہو کرون گی گھر مین جا دارو
مجھے بدنام کیا کرتے کہین میں جاؤنگی چھوڑ دو | اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل مین کیا کہے گا

مولانا ہاشمی کے بعد سید محمد قادری ایک باکمال شاعر گذرے ہین جو عالمگیر ولی کے ہمعصر تھے اس کا تخلص خاکی تھا اور اس کا مکمل دیوان ۱۱۸۲ھ کا لکھا ہوا مولینا حبیب الرحمن خاں شروانی کے کتب خانہ میں موجود ہے اس میں ایک دو ریختیاں بھی ہین جو ہندی شاعری کا نمونہ ہین، مگر اس مین شک نہیں کہ ان کے سوا اور کسی کا کلام اس طرح کا نظر سے نہین گزرا اس کے زندہ کرنے اور رواج دینے کا طرۂ افتخار مرزا سعادت یار خان رنگین اور اون کے دوست سید انشاء اللہ خاں کے حصہ کا تھا جو اونھین حاصل ہوا، انشاء اللہ خان ارشاد فرماتے ہین،

بندی رکھیگی ترے بدلے ہزاری روزہ | مین ترے صدقے نہ رکھ اے مری پیاری روزہ
لاوے دہی ددا مجھے ململ کی اوڑھنی | چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی

رنگین

باجی مجھے منگا دے جھلا جھل کی اوڑھنی | مین وہ تو اوڑھنے کی نہین گل کی اوڑھنی

آئی لچک کمر مین مری لوگو دوڑیو گھٹنے تلک تو سرسے مرے ڈھلکی اوڑھنی

گرمی کے مارے ناک مین آئی ہی میری جان تہ کرکے رکھ پٹاری مین آنچل کی اوڑھنی

ذرا گھر کو رنگین کے تحقیق کر لو یہان سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

(۴) اِس عہد کا بہترین کارنامہ میر اثر کی ثنوی خواب وخیال اور میر حسن کی ثنوی گلزار ارم اور اوس سے بھی بہتر اون کی دوسری ثنوی سحر البیان ہی جس نے اتنی قبولیت حاصل کرلی تھی کہ آجتک کسی ثنوی کو نصیب نہین ہوئی،

اِس ثنوی مین روزمرہ اور محاورہ کی صفائی قافیون کی نشست ترکیبون کی چستی اور مصرعون کی برجستگی کے علاوہ ربط کلام کی خوبی اور ہر بیت کو دوسری بیت سے ایسا گہرا تعلق ہی جیسا زنجیر کی ہر کڑی کو دوسری کڑی سے ہوتا ہی اور مطالب ایسی صفائی سے ادا کیے ہین کہ اگر انھین کو نثر کردیا جائے تو نثر کا بیان نظم سے کچھ زیادہ صاف اور مربوط نہوگا،

سب سے بڑی بات یہ ہی کہ جو حالت کسی شخص یا کسی چیز یا مکان کی بیان کی ہی وہ لفظ و معنیٰ اسقدر عادت کے موافق ہی جیسی فی الواقع ہوا کرتی ہی،

جس وقت عاشق و معشوق اتفاقاً ایک دوسرے سے روشناس ہوتے ہین پھر جب اون مین جدائی ہوجاتی ہی، پھر جب وہ ملتے ہین غرض کہ جس جس واقعہ کی تصویر کھینچی ہی وہ صفائی اور سادگی کے ساتھ اِسقدر موثر و دلگداز ہی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہی،

مینے اِس ثنوی کی دو ایک داستان میر حسن کے ذکر مین انتخاب کی ہین اسلیے یہان اون کا دُہرانا ضرور نہین، انتخاب کے وقت مینے بہت کوشش کی کہ ہر داستان مین سے بہت بہت سے اشعار نکال کر اوس کو مختصر کرون مگر ربط کلام کی خوبی نے مجکو کامیاب نہین ہونے دیا،

دور سوم، اِس دور مین نصیر، ممنون، ذوق، ظفر، مومن، غالب، تسکین اور شیفتہ کا ذکر کیا گیا ہی

اب لوگوں کا سب سے بڑا کارنامہ زبان کی اصلاح اور درستی ہے جو نامانوس الفاظ دور دوم تک باقی رہ گئے تھے اون کو اونھوں نے دور کرکے روزمرہ اور محاوروں کے ساتھ فارسی ترکیبوں کی نہایت لطیف اور خوشنما ترکیبوں سے اُردو میں تیری اور گھلاوٹ پیدا کردی جو دیکھنے کے قابل ہے،

نصیر کی شاعری کی ابتدا دور دوم کی شاعری کی انتہا سے حاصل ہے اس واسطے ان کے کلام میں آتیاں جاتیاں ٹک نت اور بعض جگہ اوسی طرح کی اُکھڑی اُکھڑی بندشیں ہیں جو مصحفی اور انشا کے کلام میں پائی جاتی ہیں مگر اخیر اخیر میں ان کا کلام بھی صاف ہو گیا ہے،

اس گروہ میں ذوق اور ظفر روزمرہ اور محاورہ بندی میں سب سے فائق ہیں، مومن اور غالب کے ہاں خیال آفرینی کے ساتھ فارسی ترکیبیں زیادہ داخل ہو گئی ہیں، اور بول چال کا لطف ذوق و ظفر کی نسبت ان کے ہاں کم ہے تاہم اور اس لوگوں کے کلام میں کسو کبھو تئیں، آن کے ہمیت مت آئے ہو جائے ہے، دیکھیو کبھیو کبھیو دیے پرے بٹھانا شمانات امعنی تیہت نے معنی عجیب یا نہایت بہت بے تکلفی سے کلام میں لائے گئے ہیں،

(۲) ولی سے لیکر مصحفی تک عموماً ادا بیان میں صفائی نہ تھی۔ روزمرہ کی پابندی بیان میں گھلاوٹ اور زبان میں لچک پائی جاتی تھی اسی دور میں نصیر نے مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی اور بعید الفہم استعاروں سے کام لے کر اور مشکل اصطلاح زمینوں میں شعر کہکر اوس کو تنگ و تاریک کر دیا ہے، اگرچہ اون کے ہاں بھی محاورہ جہاں آجاتا ہے شعر میں تڑپ پیدا کر دیتا ہے، مگر بیشتر حصہ اون کے کلام کا بے لطف و بے رنگ ہے،

ذوق کے کلام میں عموماً زبان کا چٹخارہ اپنے معاصرین سے زیادہ ہے، مگر وہ بھی جہاں مضمون آفرینی کرتے ہیں صفائی سے دور جا پڑتے ہیں ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی میں یکساں ہے، لیکن اوس میں تازگی خیالات بہت کم پائی جاتی ہے،

ممنون مومن غالب اور اون کے متبعین تسکین و شیفتہ کے ہان تازگی خیالات کے ساتھ فارسی ترکیبون کا اثر غالب ہی خصوصاً مومن اور غالب نے جہان بے اعتدالی سے کام لیا وہان اونکا کلام رتبہ سے بہت گر گیا ہی، نمونہ کے طور پر چند اشعار اس دور کے شعرا کے مین پیش کرتا ہون جس مین روزمرہ اور محاورہ بہت خوبصورتی سے کام مین لایا گیا ہی،

ذوق

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یون گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پیے لہو میرا

سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہین
ہنسنے دو چارہ گرد ہنستے ہی کر ہستے ہین

عبث تم اپنا اُرکا دٹ سے منہ بناتے ہو
وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

تو جان ہی ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہین گے ایمان ہے تو سب کچھ

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

ظفر

سر تلک دستِ ستم جو ن ہی ترا قاتل بڑھا
خون جسمِ ناتوان تِل تِل گھٹا تِل تِل بڑھا

برسون گزرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد
اب تو اوس کوچے مین اے بادِ سحر خاک نہین

ہمارے ہی آگے ہی ذکر اگلے دوستدارونکا
پُرانے مردون کی وہ ہڈیان اُکھاڑتے ہین

جنون مین کیا مرے پیوند پیرہن کو لگے
کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن کو لگے

نعل تشکل مہِ نو جب ترے توسن کو لگے
چار چاند اور فلک پر مہِ روشن کو لگے

ممنون

رات تھوڑی حسرتین دل مین بہت
صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی

بس حنا زور آزمائی ہو چکی
دلبرون سے ہاتھا پائی ہو چکی

اوس مرگ پہ سو جان مری صدقے کہ دمِ نزع — گھبرا کے کہے تو کہ بس اب دیکھئے کیا ہو

نصیر

نصیر اوس کج ادا کی کج ادائی کوئی جاتی ہے — مثل مشہور ہے رسی جلی لیکن نہ بل نکلا

خیال زلف بتان مین نصیر پیٹا کر — گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

سر مژگان سے وقت نالہ آنسو کو ترستے ہین — یہ سچ ہے جو گرجتے ہین وہ بادل کم برستے ہین

مومن

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا — تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتین ہزار ہین

تسلی دم وداع بھی نہیں ہو چکی — ہمین ہو چکے جب نہیں ہو چکی

کل تم جو بزم غیر مین آنکھین چرا گئے — کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

غالب

رونے سے اور عشق مین بیباک ہو گئے — دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق — پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہین کہ وہ پا جائے ہے

لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا — لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

شیفتہ

تھا مدعا اسی کا نام محبت ہے شیفتہ — اک آگ سی جو سینہ کے اندر لگی ہوئی

یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے — کبھی گویا کسی مین تھی ہی نہین

(۳) بعض مضامین ایسے بدیہی و بلکل ہوتے ہین کہ اونکو صاف صفائی اور سادگی سے بیان کرنا کافی ہوتا ہے مگر بعض خیالات ایسے ہوتے ہین کہ معمولی زبان اون کو نہین ادا کر سکتی اور معمولی اسلوب اون مین اثر پیدا کرنے سے قاصر ہوتے ہین

یسے موقعون پر تشبیہ اور استعارون یا کنایہ اور تمثیل سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے
اگر ایسا نہ کیا جائے تو شعر شعر نہین رہتا معمولی بات چیت ہوجاتی ہی،

اِس مین شاعر کی سلیقہ مندی کی سخت ضرورت ہو کہ وہ اِس کو صفت در صفت یا استعارہ در استعارہ کرکے بعید الفہم نکردے، دوسرے یہ کہ جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیجائے یا استعارہ کیا جائے وہ اِس خاص صفت مین جس مین تشبیہ یا استعارہ مقصود ہو کمال رکھتا ہو تاکہ اوس کے ذکر کرتے ہی سننے والے کی طبیعت مین جوش اور اثر پیدا ہو تیسرے یہ کہ اِن دونون مین مناسبت پوری پوری پائی جائے،

نصیر دہلوی کا شعر ہی جو اس دور کے اُستاد الاساتذہ ہین،

چرائی چادرِ مہتاب سب میکش نے جیحون پر   کٹورہ صبح دوڑانے لگا خورشید گردون پر

اِس مین چاندنی کے لطف اُٹھانے کو چادر مہتاب کے چرانے سے استعارہ کیا ہی مگر یہ بعید الفہم ہونے کی وجہ سے شعر مین کوئی لطف نہین نہ اس کے پڑھنے یا سننے سے دل مین کوئی اثر پیدا ہوتا ہے

نصیر مرحوم کے کلام مین اِس طرح کی بہت سی مثالین مِل سکتی ہین بلکہ بعض مقامون پر اون کے استعارہ یا تمثیل پر پھبتی کا دھوکہ ہوتا ہی، البتہ ذوق نے خیال آفرینی کے ساتھ اچھی اچھی تشبیہین اور استعارے پیدا کیئے ہین اور اون سے بہت زیادہ حکیم مومن خان اور مرزا غالب نے اِس مین کاوش کی ہی اور بعض مقامون پر جدت سے بھی کام لیا ہی،

مین اِس دور کے شعرا کے دو دو چار چار شعر نقل کرتا ہون جس سے ناظرین کتاب خود اِس کا اندازہ کرسکین گے کہ اس خاص انداز مین ان لوگون نے کیا کیا کام کیئے ہین اور باوجود اِسکے شعر کی لطافت کو ہاتھ سے نجانے دیا ہین

مرزا غالب

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دستِ قضا نے   خورشید ہنوز اوس کے برابر نہوا تھا

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج — شمع ہر رنگ مین جلتی ہے سحر ہونے تک

دام ہر موج مین ہے حلقۂ صد کام نہنگ — دیکھین کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام — مہر گردون ہے چراغ اِک رہگذار باد مین

یہان تھا دام سخت قریب آشیان کے — اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

درماندگی مین غالب کچھ بن پڑے تو جانون — جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

تھی وطن مین شان کیا غالب کہ ہو غربت مین قدر — بے تکلف ہون وہ مشتِ خس کہ گلخن مین نہین

مومن خان

جون شاخِ گل اے جوشِ جنون زار ہون یعنی — جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گئے ہاتھ

میرا تعلق بھی قبلہ ما سے نہین ہے کم — باور نہین تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

چھٹ کر کہان اسیرِ محبت کی زندگی — ناصح یہ بند غم نہین قیدِ حیات ہے

تاب نظارہ نہین آئینہ کیا دیکھنے دون — اور بنجائین گے تصویر جو حیران ہون گے

کیون ہے رنگِ زرد پہ گلگونہ اشکِ سرخ کا — کِس لئے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

اون کو گمان ہے گلہ چین زلف کا — خوشبو وہان زخم جو مشکِ ختن سے ہے

شب ہجر مین کیا ہجوم بلا ہے — زبان تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

ذوق

[illegible] مین ربط ہے گویا رگ بوئے گل — وہ رہا آغوش مین لیکن گریزان ہی رہا

[illegible] دیکھا اوس نے اور اوس کو دیکھا جون نگاہ — وہ رہا آنکھون مین اور آنکھون سے پنہان ہی رہا

ریش سفید شیخ مین ہے ظلمتِ فریب — اِس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمان صبح

فلک کیا فتنہ سازی مین ہے ہمسر چشم فتان سے — گرا تھا یہ بھی اشک سرمہ آلود اوسکی مژگان سے

نگہ کیا اور یہ مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے　　اسے تیر قضا اوس کو پر تیر قضا سمجھے

ہر اک گردش مین سو انداز نا رفتہ زرا سمجھے　　فلک کو ہم کسی کافر کی چشم سرمہ سا سمجھے

دانہ خرمن ہے ہمین قطرہ ہے دریا ہم کو　　آئے ہی جز مین نظر کل کا تماشا ہم کو

(۴۴) میر و مرزا سے لیکر مصحفی تک جتنے شعرا گزرے ہین اون کا ایک محدود دائرہ ہی جس سے وہ بہت کم نکلتے ہین، اون کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہی کہ جو مضمون پہلے کسی طور پر بندھ چکا ہی اُسے ایسے بلیغ اسلوب سے ادا کیا جائے کہ اگلی بندشون سے بڑھ جائے، برخلاف اس کے اِس دور کے شعرا مین سے مومن و غالب اور اون کے متبعین نے معمولی معمولی مضمون کو اِس طریقہ سے ادا کیا ہی جو سب سے نرالا ہی،

— علاوہ اِس کے اون کے طرز ادا مین ایک خاص چیز ہی جو اورون کے ہان کم دیکھی جاتی ہی، اون کا کلام ایسا پہلو دار ہوتا ہی کہ بادی النظر مین اوس سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہین مگر غور کرنے کے بعد ایک دوسرے ہی نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہین جسکی وجہ سے اون کا شعر ہمیشہ ایک نیا لطف دیتا ہی اور اوس کے بار بار پڑھنے سے طبیعت نہین اُکتاتی،

اِن دونون کے طرز ادا مین ایک خاص بات اور بھی ہی کہ اکثر موقعون پر مضمون کے بعض اجزا کو چھوڑ جاتے ہین جس سے ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہی، یہ وہ موقعے ہوتے ہین جہان سننے والون کا ذہن خود بخود اوس جزو کی طرف منتقل ہو سکتا ہی یہ شاعری کا ایک نازک پہلو ہی جس مین کبھی بے اعتدالی بھی ہو جاتی ہی جس کی وجہ سے شعر سخت پیچیدہ ہو جاتا ہی مومن خان کے بعض اشعار کی پیچیدگی اکثر اسی پر مبنی ہوتی ہی، مثلاً

ڈرتا ہون آسمان سے بجلی نہ گر پڑے　　صیاد کی نگاہ سوئے آشیان نہین

کہنا یہ ہو کہ اہلِ دنیا کا ایک نہ ایک بلا مین مبتلا رہنا ضرور ہی، اسلیئے جب کبھی مین ایک بلا سے محفوظ ہوتا ہون تو دوسری بلا کا منتظر رہتا ہون، مگر جب تک یہ جملہ کہ اہلِ دنیا کا ایک نہ ایک بلا مین مبتلا رہنا ضرور ہی، بڑھایا نہ جائے عام ذہن معنی مقصود کی طرف منتقل نہین ہوتا مگر شاعر نے اِس کے ذکر کرنے مین لطافت رکھی ہو کہ اوس نے گویا اس کا قصداً ذکر نہین کیا اس لیئے کہ یہ بات ایسی بدیہی ہو کہ اِس کے جتانے کی کچھ ضرورت نہیں،

اب مین اون لوگون کے چند اشعار ایسے نقل کرتا ہون جن سے معلوم ہو سکے گا کہ اونھون نے طرزِ ادا مین کیسے کیسے اسلوب پیدا کیئے ہین اور اون مین کیا کیا جدتین کی ہین،

مرزا غالب

توفیق باندازہ ہمت ہو ازل سے
آنکھون مین وہ قطرہ ہو کہ گوہر نہوا تھا

گرنی تھی ہمپہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہین بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

مجکو دیارِ غیر مین مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہونے سے
بھرے ہین جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہو

ضد کی ہو اور بات مگر خو بری نہین
بھولے سے اوس نے سینکڑون وعدے وفا کیئے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا اُمیدی اوس کی دیکھا چاہیئے

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہو گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

حکیم مومن خان

درد ہی جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری
چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

نو فلک ہین کیا کرے یہ نالۂ آتش فشان
ایک دشمن سر سے کسو یا دوسرا پیدا ہوا

اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجران سے کم نہین
ہر نام ہو جہان مین تیری بلا عبث

ناصح کہان تلک تری باتین اُٹھا سکون سچ ہی کہ مجھ مین طاقتِ جور و ستم نہین

چھٹ کر کہان اسیرِ محبت کی زندگی ناصح یہ بندِ غم نہین قیدِ حیات ہی

ذوق

ہان تا اِلِ دمِ ناوک فگنی خوب نہین ابھی چھاتی مری تیرون سے چھنی خوب نہین

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہی کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخیِ دوران سے

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سُن سُن اپنے کر کے مین ضبط ہنسی دیکھون ہون ناخن اپنے

طبقہ متاخرین

اِس طبقہ کو مینے تین دور پر تقسیم کیا ہی، دور اول ناسخ و آتش اور اون کے متبعین کا دوسرا دور امیر و داغ اور اون کے معاصرین کا تیسرا دور حالی اور اکبر کا جنھون نے جدید شاعری کی بنیاد ڈالی ہی،

دور اول، | دور اول کے شعرا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہی کہ انھون نے زبان مین تراش خراش کر کے بدمزہ اور ناگوار الفاظ کو نکال دیا جو اون کے مذاق سلیم مین گران اور ثقیل معلوم ہوتے تھے، مثلاً آئے ہی، جائے ہی، کہے ہی، کہوے ہی، دوون ہون، توون ہون، ٹک، تت، کبھو کسو، تئین، آن کے، سمیت مت، زور بمعنی بہت یا عجیب یا جمع مونث کے معنون کو الف نون کے ساتھ آتیان جائیان اسی طرح موصوف جمع ہو اور صفت لفظ ہندی تو موصوف کی مناسبت سے صفت کو جمع بولنا جیسے ہمارےیان،

مگر ناسخ کے کلام مین کہین کہین زور کا لفظ بمعنی بہت یا عجیب پایا جاتا ہی، اور آتش کے ہان بعض موقعون پر رقیبان، خوبان، اکھڑیان، زور، ل بے، بن بجائے بغیر، میرے تا اِل بجائے میرے ساتھ، پسارے بجائے پھیلائے، شراکت بجائے شرکت، فی الواقعی بجائے

فی الواقع، ایک آدھ جگہ موصوف کی مناسبت سے صفت کو جمع بھی کردیا ہی، مثلاً ع

بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو بنے بھاریاں

اسی قسم کے اور بھی الفاظ پائے جاتے ہین جس مین سے بعضے پرانے روزمرہ کے جرم مین نکالے جا چکے ہین اور بعضے غلط ہین کچھ عجب نہین کہ یہ اون کا ابتدائی کلام ہو،

(۲) افسوس ہی کہ ان لوگون نے زبان کو صاف کرنے پر بھی غزل مین سادگی کا خیال نہین رکھا اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہی کہ اوس زمانے مین دولت وثروت کے ساتھ علوم قدیمہ نے بھی ایک حد تک ترقی کی تھی، منطق، حکمۃ، طب اور علم کلام کی گرم بازاری مین عربی الفاظ زبانون پر کثرت سے چڑھ گئے تھے،

ادھر اس بات کا حوصلہ تھا کہ قدما سے بڑھکر کام کیا جائے تاکہ اپنا انداز اون سے نرالا ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ غزل ایسی صنف لطیف مین عربی الفاظ رفتہ رفتہ کثرت سے داخل ہوگئے، اور بجائے اس کے کہ پہلے سے زیادہ زبان مین شیرینی اور گھلاوٹ پیدا ہوتی زیادہ ثقیل ہوگئی اور سیدھی سادی زبان بازاریون کی زبان قرار پاگئی، ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہی کہ ان لوگون نے اصناف سخن مین سے صرف غزل کو پسند کیا، اگر یہ لوگ قصیدے بھی لکھتے ہوتے تو ان کا حوصلہ بہت کچھ اوس مین نکل جاتا اور وہ ایسے ثقیل الفاظ کے متحمل نہ ہو جاتے، اگر تم جرأت اور ناسخ کے دیوان ملاکر دیکھو تو اس کا کافی ثبوت ملے گا کہ ان دونون کی زبانون مین کتنا فرق ہی، چونکہ شیخ امام بخش ناسخ اس دور کے بہترین شاعرون مین شمار کیے جاتے ہیں اسلئے مین اونھین کے کلام کو مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتا ہون،

تن پہ درون کی تیغ زبان سے نہ تھی پناہ　　　گو درعہ تھا دراعہ نقوش حصیر کا

کیونکر اے ناسخ ہوا زحل دشمن خونخوار | کیسے موسیٰ کا علیؓ شیر خدا مار و ن ہوا
زیست بھر سوجھا نہ مجکو چارۂ سودائے عشق | بار ے کافور حنوط اب داغ کو مرہم ہوا
بے خطر یون ہاتھ دوڑا تا ہون زلف یار پر | دوڑتا تھا جس طرح ثعبان موسیٰ مار پر
دیکھو ناسخ سر شیخ معمم کی طرف | کیا کلس مسواک کا ہی گنبد دستار پر
قمر ہی کیا ترے آگے محاق مین آیا | کہ آفتاب بھی تو احتراق مین آیا
مل گیا ہے عشق کا آزار قسمت سے مجھے | ہون جو عیسیٰ بھی ارادہ ہو نہ استعلاج کا
سوئے کعبہ تیرے عاشق سجدہ کرتے ہین کوئی | تیری ابرو کی طرف قبلہ تحوّل ہو گیا
بڑا اکّال ہے ناسخ غم عالم فراہم کر | ارادہ ہو اگر اے چرخ اوسکی میہمانی کا
غیر کو تر کسی دریا مین سبّاح نہین | بیشۂ شیر خدا مین کہین سیاح نہین
ظلم طول شب فرقت کے تطاول نے کیا | دادرس کوئی بجز فالق الاصباح نہین
سگّان خرابات ہین مطلق متواضع | ثابت مژۂ نرگس میگون کے ہی خم سے

(۳) بدنصیبی سے اوس زمانے مین قابلیت کا معیار صنائع وبدائع اور اوس مین مخصوص صنعت "مراعات النظیر" پہ آکر ٹھہر گیا تھا، اور بعضون نے اِس رعایت لفظی کا پردہ اتنا باریک کردیا تھا کہ وہ ہوا کے جھونکے ضلع جگت کی حدین پہونچ گئے، اور شاعری اچھا خاصا سوانگ بن گئی،

اِس مین ایک بڑی خرابی یہ بھی ہی کہ اگر نازک خیالی کی بنیاد کسی لفظی تناسب پر ہو گی اور اوسی لفظ کے تمام اوصاف ولوازم پر عمارت کھڑی کی جائے گی وہ عمارت یقیناً ناپائدار ہو گی اور اگر اوس شعر کا ترجمہ کسی دوسری زبان مین کردیا جائے تو ساری نکتہ آفرینیان بیکار ہو جائین گی،

عید بھی وصل سے گئی خالی   کچھ گلے لگنے کا لگاؤ نہین

ع   بیریون مین بھی مرا نازک بدن تلتا نہین

ع   بھیڑیے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پہ

(۴) تشبیہ یا استعارہ بجاے خود نہایت عمدہ چیز ہی، جس وقت گفتگو کا معمولی انداز جوش پیدا کرنے سے قاصر رہتا ہی تو اسی کے ذریعہ سے کلام مین زور اور قوت پیدا کرنی پڑتی ہی، علاوہ اِس کے یہ چیزین کلام کو خوبصورت بھی کر دیتی ہین جیسا کہ زیور سے حسینون کے جمال مین آب و تاب پیدا ہو جاتی ہی، مگر بقول آزاد یہ رنگ اگر اس حد تک رہے جیسا کہ چہرہ پر غازہ یا آنکھون مین سرمہ تو خوشنمائی اور بینائی دونون کو مفید ہی، اور اگر حد اعتدال سے گزر جائے تو اوس کی شدت سے زبان خیالی باتون سے فقط توہمات کا سوانگ بن جاتی ہی،

ایک بات اور بھی ہی کہ تشبیہین اور استعارے قریب المأخذ ہون یعنے پاس پاس کے ہون اور آنکھون کے سامنے ہون تو کلام مین لطافت و نزاکت پیدا ہو جائے گی، اور اگر دور جا پڑین اور بہت باریک پڑ جائین تو دقت پیدا ہو جائے گی، اسی طرح اگر اوس خاص صفت یا اون مخصوص اوصاف مین جن مین کسی چیز کو کسی سے تشبیہ دی گئی ہے یا استعارہ کیا گیا ہی پوری پوری مناسبت نہوگی تو کلام بدرنگ اور بے مزہ ہو جائے گا،

افسوس ہی کہ متاخرین نے استعارون اور تشبیہون سے کلام مین زور پیدا کرنے کی کوشش کی، مگر اس مین وہ حد اعتدال سے گزر گئے ہین اور ان باتون کا لحاظ بہت کم رکھا ہی، صفت در صفت اور استعارہ در استعارہ کرکے کلام کو اتنے اینچ پیچ مین ڈالدیا ہی کہ اس گورکھ دھندے کو کھولتے کھولتے مطلب غائب ہو جاتا ہی، اور اکثر کوہ کندن و

کاہ بر آورزون کی مثل اُسی پر ٹھیک اُترتی ہی،

مین پہلے صاف تشبیہون اور استعارون کے نمونے پیش کرتا ہون اوس کے بعد اون کی پیچیدہ تشبیہون اور استعارون کی گرہین کھولنے کی کوشش کرونگا،

خواجہ حیدر علی آتش

صبحِ بہار ہے مجھے ساقی پلا شراب — سب جانتے ہین عید کا روزہ حرام ہی

نیلوفر آنکھ ہی مرے دریاے حُسن کی — شبرنگ مردمک نہین بھونرا کنول مین ہی

غنچے شگفتہ ہوتے ہین آئی ہی فصل گل — کپڑون کے پھاڑنے کی بہار آجکل مین ہی

زیرِ زمین سے آتا ہے جو گل سو زربکف — قارون نے راستہ مین لٹایا خزانہ کیا

ترچھی نگہ سے طائرِ دل ہو چکا شکار — جب تیر کج پڑے گا اوڑے گا نشانہ کیا

مے گلرنگ سے جھلکی جو سرخی پان کی اُسمین — گلوے یار پر عالم پر ہوا شیشہ کی گردن کا

صیاد حسن کھیلتا ہے جب شکار عشق — بلبل کو پھانستا ہی رگ گل کے دام سے

اے مرغ دل ہی فاصلہ اوس زلف و خال مین — دانہ ترے نصیب کا باہر ہے دام سے

فصلِ بہار آئی مبارک ہو اے جنون — خار اور آبلہ سے ملاقات راہ کی

سفر ہی شرط مسافر نواز بہتیرے — ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ مین ہی

خواجہ آتش کے دیوان مین اِس طرح کی صاف تشبیہین استعارے اور حسن تعلیل کی مثالین کثرت سے مِل سکتی ہین، مگر اون کے حریف شیخ امام بخش ناسخ جو اپنی دقّت پسندی کی وجہ سے بال کی کھال نکالنے کے عادی ہین، سیدھی بات بہت کم کہتے ہین، کہتے بھی ہین تو بے مزہ بات کہتے ہین مثلاً

ابھی ہر چند وہ بت نوجوان ہی — سفید اوس کا مگر موئے میان ہے

حسب معمول کمر کو بال سے تشبیہ دی پھر بال کے اوصاف اوس کے لیئے ثابت کر کے بدن کے لحاظ سے کمر کو سفید قرار دیا پھر کمر کا بال سے استعارہ کر کے اوس کی سفیدی پر اظہار تعجب کر دیا، ان نکتہ آفرینیون کے بعد مطلب یہ نکلا کہ بال بڑھاپے مین سفید ہوا کرتے ہین مگر تعجب ہو کہ معشوق کا بال جوانی مین سفید ہو گیا ہی،

اس بد مزہ مضمون کو دیوان مین کئی جگہ متعدد طریقے سے ادا کیا ہے، مثلاً ایک جگہ یون فرماتے ہین،

آرایش جمال خدا داد عیب ہی موئے کمر کو ذوق نہین ہو خضاب کا

ایک جگہ چاند کو کہ سات سیارون مین سے ایک وہ بھی ہی، خانہ نشین بنا کر اوس کو ثابت فرض کیا پھر گھر سے نکال کر اوس کے سیارہ ہونے پر اظہار تعجب کرتے ہین، —

وہ مہ خانہ نشین گلیون مین آوارہ ہوا اے منجم دیکھنا ثابت بھی سیارہ ہوا

معشوق کی آنکھ کو بلحاظ وحشت چشم غزال سے تشبیہ دی جاتی ہی، اونھون نے ستم ظریفی یہ کی کہ پہلے تو آنکھ کا استعارہ غزال چشم سے کیا چونکہ وہ جانور ہی اسلئے اوس کے واسطے چارے کی بھی فکر کرنی پڑی ہی،

چشم بد دور آج آتے ہین نظر کیا گال صاف سبزۂ خط کیا غزال چشم کا چارہ ہوا

اسی مضمون کو خواجہ آتش نے بھی باندھا ہی مگر طرز ادا نے اون کے شعر کو کسی قدر مزیدار کر دیا،

خط پر جو آئینہ مین پڑے ہے نگاہ یار آہوئے چشم مست ہین سبزہ چرے ہوئے

رنگ اوڑنے کو طیر اور رنگ حنا کو طائر سے تشبیہ دینا ایک معمولی بات ہی، شیخ صاحب نے اس سے یہ بات نکالی ہو کہ طائر بھی تو جانور ہی ذبح ہوتے وقت تڑپنا لوٹنا اوس کا خاص وصف ہی

یہ وسعت اوتھوں نے طائرِ رنگ کے لئے بھی ثابت کر چھوڑا،

اِس ادا سے باڑھ دیکھی آپنے تلوار کی — طائرِ رنگِ حنا بھی طائرِ بسمل ہوا

اِس قسم کی نکتہ آفرینیون سے اون کا دیوان بھرا پڑا ہی تاہم ع

انصاف شیوہ ایست کہ بالائے طاعت ست

جہاں کہین دقت آفرینی سے کام نہین لیتے تشبیہ و تمثیل مین اچھے اچھے شعر بھی نکالتے ہین مثلاً

آزاد ہین قیود سے اُفتادگان خاک — اُڑتا پھرا شجر سے جو برگِ خزان گرا

خاکسارون سے ملا کرتے ہین جھک کر سر بلند — آسمان پیشِ زمین بھر تواضع خم ہوا

طرفہ گل اس باغ مین ہین اور شبنم ہی عجب — ہنس کے بیٹھا جو تری محفل مین وہ رو کر اُٹھا

کیا روز بد مین ساتھ رہے کوئی ہمنشین — پتے بھی بھاگتے ہین خزان مین شجر سے دور

مشک مین خوشبو ہی پیچ و تاب مثلِ مو نہین — پیچ ہین سنبل مین مثلِ مو مگر خوشبو نہین

عشق مین بدمست ہون مین پر کوئی واقف نہین — نشہ ہی جام مے الفت مین لیکن بو نہین

مسی آلودہ لب پر رنگ پان ہے — تماشا ہے تہ آتش دھوان ہے

(۵) سب سے بدنصیبی کی بات یہ ہی کہ شاعری کے اوس فطرتی جذبہ کو جس کا تہذیب و تمدن سے اِس قدر مضبوط تعلق ہی کہ جس قوم مین کوئی روشن خیال اور باریک بین شاعر نہو تو وہ متمدن نہین کہی جا سکتی اوس کو ضلع جگت کے ساتھ فحش اور گندے مضامین سے اِس دور کے شعرا پاک نہین رکھ سکے، عشق کو فسق اور آوارگی کا مرادف بنا دیا گویا ہماری اخلاقی حالت پستی کی انتہائی حد تک پہونچ گئی، نیکی اور بدی مین تمیز کرنے کی قوت باقی نہ رہی، ملک و قوم کا مذاق سرے سے بگڑ گیا اور قبول عام حاصل کرنے کو جامہ عریانی اختیار کر کے بے پردہ مضامین سوقیانہ محاورے اور مبتذل الفاظ سے

حسب معمول کمر کو بال سے تشبیہ دی پھر بال کے اوصاف اوس کے لیئے ثابت کر کے بدن کے لحاظ سے کمر کو سفید قرار دیا پھر کمر کا بال سے استعارہ کر کے اوس کی سفیدی پر اظہار تعجب کر دیا، ان نکتہ آفرینیون کے بعد مطلب یہ نکلا کہ بال بڑھاپے مین سفید ہوا کرتے ہین مگر تعجب ہو کہ معشوق کا بال جوانی مین سفید ہو گیا ہو،

اِس بدمزہ مضمون کو دیوان مین بیسیون جگہ متعدد طریقے سے ادا کیا ہے، مثلاً ایک جگہ یون فرماتے ہین،

آرایش جمال خداداد عیب ہو — موئے کمر کو ذوق نہین ہو خضاب کا

ایک جگہ چاند کو کہ سات سیارون مین سے ایک وہ بھی ہو، خانہ نشین بنا کر اوس کو ثابت فرض کیا پھر گھر سے نکال کر اوس کے سیارہ ہونے پر اظہار تعجب کرتے ہین،

وہ مہ خانہ نشین گلیون مین آوارہ ہوا — اے منجم دیکھنا ثابت بھی سیارہ ہوا

معشوق کی آنکھ کو بلحاظ وحشت چشم غزال سے تشبیہ دی جاتی ہو، اونھون نے ستم ظریفی یہ کی کہ پہلے تو آنکھ کا استعارہ غزال چشم سے کیا چونکہ وہ جانور ہو اسلئے اوس کے واسطے چارے کی بھی فکر کرنی پڑی،

چشم بد دور آج آتے ہین نظر کیا گال صاف — سبزۂ خط کیا غزال چشم کا چارہ ہوا

اِسی مضمون کو خواجہ آتش نے بھی باندھا ہو مگر طرز ادا نے اون کے شعر کو کسی قدر مزیدار کر دیا،

خط پر جو آئینہ مین پڑے ہے نگاہ یار — آہوے چشم مست ہین سبزہ چرے ہوئے

رنگ اوڑنے کو طیر اور رنگ حنا کو طائر سے تشبیہ دینا ایک معمولی بات ہو، شیخ صاحب نے اس سے یہ بات نکالی ہو کہ طائر بھی تو جانور ہو ذبح ہوتے وقت تڑپنا لوٹنا اوس کا خاص وصف ہو

یہ وصف اونھوں نے طائر رنگ کے لئے بھی ثابت کر چھوڑا،

اِس ادا سے باڑھ دیکھی آپنے تلوار کی — طائرِ رنگِ حنا بھی طائرِ بسمل ہوا

اِس قسم کی نکتہ آفرینیون سے اون کا دیوان بھرا پڑا ہی تاہم ع

انصاف شیوہ ایست کہ بالائے طاعت ست

جہاں کہین دقت آفرینی سے کام نہین لیتے تشبیہ و تمثیل مین اچھے اچھے شعر بھی نکالتے ہین مثلاً

آزاد ہین قیود سے اُفتادگان خاک — اُڑتا پھرا شجر سے جو برگِ خزان گرا

خاکسارون سے ملا کرتے ہین جھک کر سربلند — آسمان پیشِ زمین بہرِ تواضع خم ہوا

طرفہ گل اس باغ مین ہین اور شبنم ہی عجب — ہنس کے بیٹھا جو تری محفل مین وہ رو کر اُٹھا

کیا روز بد مین ساتھ رہے کوئی ہمنشین — پتے بھی بھاگتے ہین خزان مین شجر سے دور

مشک مین خوشبو ہی پیچ و تاب مثلِ مو نہین — پیچ ہین سنبل مین مثلِ مو مگر خوشبو نہین

عشق مین بدمست ہون مین پر کوئی واقف نہین — نشہ ہی جام مئے اُلفت مین لیکن بو نہین

مسی آلودہ لب پر رنگ پان ہے — تماشا ہے کہ آتش دھوان ہے

(۵) سب سے بدنصیبی کی بات یہ ہی کہ شاعری کے اوس فطرتی جذبہ کو جس کا تہذیب و تمدن سے اِس قدر مضبوط تعلق ہی کہ جس قوم مین کوئی روشن خیال اور باریک بین شاعر نہو تو وہ متمدن نہین کہی جا سکتی اوس کو ضلع جگت کے ساتھ فحش اور گندے مضامین سے اِس دور کے شعرا پاک نہین رکھ سکے عشق کو فسق اور آوارگی کا مرادف بنا دیا گویا ہماری اخلاقی حالت پستی کی انتہائی حد تک پہونچ گئی نیکی اور بدی مین تمیز کرنے کی قوت باقی نہ رہی، ملک و قوم کا مذاق سرے سے بگڑ گیا اور قبول عام حاصل کرنے کو جامہ عریانی اختیار کرکے بے پردہ مضامین سوقیانہ محاورے اور مبتذل الفاظ سے

کلام کو ناپاک کر دیا اور انگیا چوٹی مین پھنس گئی،

متوسطین مین جرأت انشا اور رنگین نے جس کام کی ابتدا کی تھی اور

کھُل کر نہ کر سکے تھے اوس کو طبقہ متاخرین کے شعرا نے پورا کر دکھایا، زمانہ بھی اِن کو

بد قسمتی سے ناہموار ملا، غازی الدین حیدر نواب وزیر سے بادشاہون کو باپ کی جمع

کی ہوئی دولت ملی اوس سے جن مشاغل کی بنیاد ڈالی اوس پر نصیر الدین حیدر اور

واجد علی شاہ کے شاندار عمارتین کھڑی کر دین اور ایسا رنگ اُچھلا کہ ہولی کا سوانگ

اور گنوارون کی کبیرات ہو گئی،

شیخ امام بخش ناسخ کی گل افشانی ملاحظہ ہو،

وانے ہین انگیا کی چڑیا کو بت کی غنچیان | پلتی ہین بالے کی مچھلی موتیون کی آب مین
دِکھتا ہی جو کُندن کا سا بدن ہر ایک حلقے سے | تری جالی کی کرتی مین ہی عالم کا مدانی کا
اے پری تونے جو پہنی ہی سنہری انگیا | آج آئی ہی نظر سونے کی چڑیا مجکو
اُڑ نہین سکتی تری انگیا کی چڑیا اے پری | جالی کی کرتی کا اوس پر لے پر یہ جال ہی
تصور مین ہے ایک انگیا کی چڑیا | یہ دل کنجشک کا اب آشیان ہی
رات کو چوری چھپے پہونچا جو مین | غل مچایا اوس نے دوڑ و چور ہے
یہ التجا ہے پیر مغان کی جناب مین | رکھون مین ساق ساقی گلفام دوش پر

نواب سید محمد خان رند

یون تو جایا کیئے ہر سال مہینون لیکن | اب کی نوچندی مین اک چاند سا مکھڑا دیکھا
کھولئے شوق سے بند انگیا کے | لپٹ کر ساتھ نہ شرمایئے آپ
کیونکر نبھے گی ہم سے ملاقات آپ کی | واللہ کیا ذلیل ہی اوقات آپ کی

یان ہم ہین اور داغِ غم وحسرتِ وصال کٹتی ہی عیش باغ مین اوقات آپ کی
کیا آسمان پہاڑ کے تکلی لگائے گی صاحب اُبھر چلی ہی بہت کات آپ کی

مرزا محمد رضا برق

اُودی کرتی لال چلپن اوس پہ سنہری گوٹ لگی ابر سے نکلا چاند کا ٹکڑا برق کے دلکو چوٹ لگی
خیر گزری کہ چلے آنے کہا مان لیا ورنہ تم دیکھتے اسوقت کہ پھر کیا ہوتا
عشق اگر منظور ہی اوس سیم تن سے آپ کو پہلے رکھ لیجئے منگا کر برق تو ٹے زر کے پاس

حکیم مسیحا

ہاتھ مین انگیا کی چڑیا آگئی آج ہم عنقا کو لائے دام مین
تیرے پستان پر نظر آتا ہی عالم نور کا لے پری روشن ہے گویا قمقمہ بلور کا

امداد علی بحر

دوپٹے کو آگے سے دُہرا نہ اوڑھو نمودار چیزین چھپانے سے حاصل

(٦) اِس دور کی نسبت جو کچھ اب تک کہا گیا ہی اوس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہین کہ اس دور کے شعرا نے اُردو کی کسی حیثیت سے بھی کوئی مفید خدمت نہین کی، مینے خود نمبر ا مین اصلاح زبان کے متعلق اون کی مساعی جمیلہ کا جو ذکر کیا ہی وہ اون کے افتخار کے لیئے کچھ کم نہین ہی،

علاوہ اِس کے اِس دور مین کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہین جنھون نے ایک دوسرے میدان مین طبع آزمائی کرکے زبان مین زیادہ گھلاوٹ اور لوچ اور وسعت وصفائی پیدا کردی ہے،

مرزا دبیر اور میر انیس کا ذکر مینے ضمیمہ نمبر ا مین کیا ہی اسلیئے کہ اون کی شاعری کی جولانگاہ ایک دوسرا میدان ہی، مگر حقیقت مین وہ اِسی دور کے شاعر ہین،

اِن دونون نے مرثیہ گوئی کی صنف مین ایسی ترقی کی ہو کہ جس کے آگے قدم بڑہانا نظر بحالات موجودہ دشوار معلوم ہوتا ہی، اِن لوگون نے بھی تشبیہون اور استعارون سے کام لیا ہی اور مبالغہ کی تو حد کر دی ہی، مگر باوجود اس کے زبان مین وہ لوچ اور وسعت پیدا کی ہی جو انھین کا حصہ ہی، ایک ایک مضمون کو سینکڑون نہین ہزارون رنگ سے ادا کیا ہی، اور ہر قسم کے خیال کا ایسا طلسم باندھا ہی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی، صبح کا عالم دیکھو، رات کی رخصت، سیاہی کا پھٹنا، نور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغ زار کی بہار، شام ہی تو شام غریبان، رات کا سناٹا، کبھی تارون کی چھاؤن، کبھی اندھیری راتون کی ظلمت، دن کو کڑاکے کی دھوپ، لوؤن کی لپیٹ، آفتاب کی آتش فشانی غرض کہ قوت تخئیل سے ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہی، اور حقیقت یہ ہی کہ اپنی شاعری سے اُردو زبان کو گلہائے رنگا رنگ سے مالا مال کر دیا ہی جس کی وجہ سے اُردو زبان ہمیشہ اون کی منت پذیر رہیگی،

نواب مرزا شوق خواجہ آتش کے شاگرد اور اوسی دور کے شاعر ہین اونھون نے زہر عشق، بہار عشق وغیرہ چند مثنویان اس صفائی اور سادگی سے لکھی ہین جو اخلاقی حیثیت سے کتنی ہی کم رتبہ ہون مگر زبان اور بیان کے لحاظ سے اُردو کی بہترین مثنویون مین شمار ہونے کے قابل ہین،

مرزا نسیم دہلوی کو بھی مینے اسی دور کے شعرا مین شمار کیا ہی اس واسطے کہ جو زبان اس دور کے شعرا کی ہی وہی اون کی بھی ہی، انھون نے اپنے اُستاد حکیم مومن خان کی دقت پسندی کو دور کر کے اون کی نادر ترکیبون کی میناکاری کو اس قدر صاف اور روشن کر دیا ہی جو قابل تحسین ہی،

دورِ دوم، اس دور مین جن شعرا کا ذکر کیا گیا ہی اون مین سے بشیتر شعرائے دورِ اول کے منت پذیر ہین، زبان اور بیان دونون چیزون کو انھین سے سیکھا ہی، اور انھین کے کلام کا تتبع کیا ہے، اس وجہ سے اِن کا انداز وہی ہی جو ان کے بزرگون کا تھا،

تاہم انھون نے اپنے اساتذہ کی زبان مین زیادہ صفائی اور سادگی پیدا کر دی ہی اور جو قوانین اون لوگون نے وضع کیئے تھے اون پر عملدر آمد پوری طور پر اون کے زمانے مین نہین ہوا تھا، اون کو اونھون نے اچھی طرح سے نباہا، جس کثرت سے ثقیل لفظون اور فارسی ترکیبون پر اون لوگون نے شاعری کی بنیاد رکھ دی تھی یا تشبیہون اور استعارون مین جو پیچیدگیان ڈالدی تھین اون سے بہت کچھ اونھون نے اپنا دامن بچایا ہے،

اس دور مین بھی خصوصیت کے ساتھ نواب مرزا خان داغ کو اول درجہ پر رکھنا چاہیئے جنھون نے غزل کی زبان مین نہایت وسعت اور صفائی اور بانکپن پیدا کر دیا ہی ان کے ہمعصرون مین کوئی بھی زبان کی صفائی روزمرہ کی خوبی اور محاورون کی فراوانی مین اون کا مثل نہین،

دوسرے درجہ پر حکیم ضامن علی جلال کا مرتبہ ہی، جن کی زبان اور طرزِ ادا لکھنؤ کی روزمرہ اور طریقۂ بیان کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہی،

(۲) جیسا کہ ہر زمانہ مین ہوا کرتا ہی اِس دور کے شعرا مین بھی ہر ایک کا رنگ اور انداز علٰحدہ ہی، شکوہ الفاظ، مضمون آفرینی اور ہر رنگ کے شعر کہنے مین منشی امیر احمد امیر کو خاص قسم کی قدرت حاصل ہی روزمرہ کی صفائی اور سادگی کے ساتھ طرزِ ادا کی شوخی اور بانکپن داغ کا حصہ ہی، طرزِ ادا مین ایک قسم کا لوچ جو اہلِ زبان کے ساتھ مخصوص ہوا کرتا ہے

جلال کے ہان زیادہ پایا جاتا ہی، الفاظ کی رنگینی اور مضمون کی دلآویزی مین تسلیم سب سے بڑھے ہوئے ہین، اور تشبیہون اور استعاروں کی برجستگی مین محسن کا کوئی ہم پلہ نہین، اصناف سخن کے لحاظ سے مثنوی کے سوا ہر صنف مین آمیر کو قدرت کامل ہی، مثنوی مین نسیم کو جو مرتبہ حاصل ہی اوس مین اون کے ہمعصرون مین سے کوئی بھی اُن کا شریک و سہیم نہین، قصیدے مین یہ دونون بھی کچھ کم نہین مگر محسن نے جس زور شور کے قصیدے لکھے ہین وہ اِنھین کا حصہ ہی، غزل مین داغ کو اور اون کے بعد جلال کو اِن سب پر فوقیت ہے،

بات یہ ہی کہ اصل وضع کے لحاظ سے غزل کا موضوع عشق و محبت کے سوا کوئی اور چیز نہین ہی، مگر شروع ہی سے شعرا نے اِس کو جذبات اِنسانی کے ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا ہی، خواہ اون کا منشا خوشی ہو یا غم یا حسرت یا ندامت یا دنیا کی بے ثباتی یا موت کا خیال یا اور کسی قسم کا جذبہ یہان تک کہ اخلاق و مواعظ کو بھی اِس مین داخل کر دیا ہی، اِسی لحاظ سے جبتک غزل کو جذبات اِنسانی کے ظاہر کرنے کا آلہ بنائے رکھوگے، غزل غزل رہے گی ورنہ نری لفاظی ہوگی،

(۳) خیالات کے اعتبار سے اِس دور کے شعرا کا کلام پڑھو تو اون مین کسی طرح کی تازگی نہ پاؤگے وہی گل و بلبل کی داستان شمع و پروانہ کا قصہ لیلی مجنون کی کہانی جفائے ناز، رشک اغیار، شوق وصل، رنج فراق، زلف پریشان، چشم فتان، نرگس بیمار سیب زنخدان، رندی و بادہ خواری اور زاہدون پر طعن و تعریض کے مضامین کو الفاظ کی اُلٹ پھیر اور ردیف و قافیہ کے ادل بدل سے باندھ کر مختلف شکلین پیدا کرلی ہین

چاہو تو اِسی کو اون کی شاعری کا کمال سمجھ لو کہ اون کے اساتذہ نے جن مضمونون کو اپنے خاص خاص انداز سے باندھا ہی، انھون نے اوس مین فی الجملہ صفائی اور سادگی پیدا کرکے

شکل بدل دی ہی یا یون سمجھو کہ سانچہ بدل دیا ہی پہلے جو چیز ایک شکل پر ڈھلی تھی وہ اب دوسری شکل پر ڈھل گئی ہی، جس مین بہ نسبت شعراے دور اول کے کلام کے کسی قدر صفائی اور سادگی پائی جاتی ہی،

یہی وجہ ہی کہ متاخرین کے کلام مین کسی قسم کا ولولہ اور جوش بہت کم پایا جاتا ہی، اگر یہ لوگ اپنے کلام کو خود اپنے خیالات اور جذبات کا آرگن بناتے تو اِس کا بہت عمدہ اثر پڑتا اور ان کو اپنے اساتذہ کی پیروی کرنے پر قناعت نہ کرنی پڑتی اور اسیر کا یہ شعر ان کے حسب حال نہوتا،

شاعرانِ حال کیا مضمون نو پائین اسیر ڈھونڈھتے ہین پر تخلص بھی نیا ملتا نہین

حصۂ اوّل

طبقۂ متقدمین

اِس طبقہ کے شعرا کو تین دور پر تقسیم کرنا چاہیئے، پہلا دور قطب شاہ اور مولانا نصرتی وغیرہ کا جن کا نشو ونما حیدر آباد اور بیجا پور مین ہوا ہی، ان کی زبان عالم طفولیت مین ہی، دکنی زبان کے الفاظ و روابط کثرت کے ساتھ ان کے اشعار مین پائے جاتے ہین،

یہ دور ابوالحسن تاناشاہ اور اوس کے معاصرین پر ختم ہو جاتا ہی، اِس دور کے جن شاعرون کا حال مجھے معلوم ہوا ہی اون کا ذکر مقدمہ مین کر چکا ہون،

دوسرا دور اون شعرا کا ہی جن کا نشو ونما اورنگ آباد کی آب و ہوا مین ہوا ہے، جو عالمگیر مرحوم کے پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے اہلِ فضل و کمال کا مرکز ہو رہا تھا اور ہندوستان و ایران کے نامی گرامی خاندانون کے لوگ وہان مجتمع تھے اِسی وجہ سے اون کی زبان اور اون کے محاورے دور اول کے شعرا کی زبان اور محاورون سے زیادہ صاف ہین،

تیسرا دور شعرائے دہلی کا ہی جو فرخ سیر کے عہد سے شروع ہو کر احمد شاہ کے زمانے پر ختم ہو جاتا ہی، اِس چالیس پچاس برس مین ریختہ نے کافی طور پر ہر دلعزیزی پیدا کر لی تھی، خصوصًا محمد شاہ کے عہد دولت مین جو لوگ فارسی مین بجا طور پر شعر کہتے تھے وہ بھی تفنن کے خیال سے ریختہ مین طبع آزمائی کرنے لگے تھے،

دور اوّل

دور اول کے شعرا کا ذکر مقدمہ مین کافی طور پر ہو چکا ہی، مگر قصداً اون کے وہی اشعار نقل کیئے ہین جو زیادہ صاف ہین، زیادہ حصہ اِس دور کے کلام کا ایسا ہی جس مین دکنی زبان شریک غالب ہی،

یہان پر صرف مولانا نصرتی کا ذکر کرنا مین مناسب سمجھتا ہون جو اپنے زمانے کے ملک الشعرا تھے اگر مولانا ہاشمی یا ابو الحسن تانا شاہ کے زمانے کے لوگون کے حالات ملتے تو وہ بھی اِس دور مین نمایان جگہ لیتے، مگر افسوس ہی کہ تاریخ اور تذکرون سے اون کے حالات کا کافی مواد بہم نہین پہنچا، اِس وجہ سے مجبوراً اون کو نظر انداز کرتا ہون،

مولانا نصرتی

محمدؐ عادل شاہ اور اوس کے بیٹے علی عادل شاہ کے زمانے کے شاعر ہین جو اپنے وقت کے ملک الشعرا تھے افسوس ہی کہ اون کے حالات گمنامی کے پردہ مین چھپے ہوئے ہین نام و نسب تک کا ہم کو علم نہین،

زبیری نے بساتین السلاطین (تاریخ بیجاپور) مین ان کا ذکر کیا ہی، وہ کہتا ہی کہ اِن کی تصنیفات مین گلشنِ عشق ایک مثنوی ہی، جس مین منوہر کنور اور مدمالتی کی عشق بازی کا قصہ نظم کیا ہی، دوسری کتاب علی نامہ ہی، شاہنامہ فردوسی کا جواب جو ۱۰۷۵ھ مین لکھا تھا، جس مین علی عادل شاہ کی فتوحات اور اوس کے زمانہ کے کارنامے نظم کیے ہین، تیسرا مجموعہ قصائد کا ہی، چوتھا غزلون کا دیوان ہی،

میری نظر سے ایک پرانی بیاض گزری ہی جس مین مولانا نصرتی کا معراج نامہ پورا نقل ہی، تاریخ کتابت ۲۲ محرم ۱۳۰۲ھ اوس مین لکھی ہے، اور اکبر آباد مین یہ

لکھا گیا ہی، معلوم ہوتا ہی کہ مولانا کا کلام اوس وقت اتنا مقبول ہو چکا تھا کہ اوس کی نقلین اونھین کی زندگی مین اکبر آباد پہونچین اور شائقین نے اپنی اپنی بیاضون پر اُتار لیا، میرے نزدیک کسی کلام کی مقبولیت کی اِس سے بہتر مثال نہین مل سکتی،

معراج نامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ محمد عادل شاہ کے عہد مین لکھا گیا ہے، ایک سو اکتیس شعر اِس مین ہین، بحر ایسی ہی جو فارسی اور ہندی مین مشترک ہی،

زبان اِس کی زیادہ سخت ہی، کیونکہ دکنی زبان کے الفاظ بکثرت اِس مین استعمال کیے ہین، زبیری کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ اوس زمانے کے عیب جو اون کی زبان پر ہنستے اور اعتراض کرتے تھے، نصرتی نے علی نامہ مین اِس کا جواب دیا ہی،

خریدار کو خوب سودے سے کام ۔۔۔ نہ دکان کا دیکھنا سقف و بام

مضامین سون جا بجا بات بول ۔۔۔ دکھایا سکت فیض کا حق کے کھول

یک فن مین کی سحر کی بہت چھند ۔۔۔ جیبشان کے جیبان کو کیتا ہون بند

کیا ہون سخن مختصر بے گمان ۔۔۔ کہ یو شاہنامہ دکن کا تو جان

کہ ہر اک زبان حضرت غیب دان ۔۔۔ سکھایا سب آدم کو سو تھے نہان

ہوئی تسپہ جو نسل آدم کی اصل ۔۔۔ کلا ان اتھین کے ہوئے فصل فصل

انو مین جو تھے شہر کے اوستاد ۔۔۔ گیا وہ زمانہ رہے شعر یاد

سخن بن نزاکت کے نا دیکھ بھول ۔۔۔ کہ خوش باس سون قدر پاتا ہی پھول

نہ کہتا ہون مین بے وقوفون کی بات ۔۔۔ نہ کم ہون مثالین تو حاسد نے بات

ولے جو سخندان ہین صاحب تمیز ۔۔۔ کہ ریجھ اِس ہنر کو رکھین نت عزیز

نقل، ایک دن علی عادل شاہ خاص محل مین فوارہ کے چھوٹنے کا تماشہ دیکھ رہا تھا اوس وقت پانی کے قطرے موتی کی طرح چمک رہے تھے بادشاہ کے دل پر اِس نظارہ کا ایسا اثر پڑا کہ اوس کے منھ سے بیساختہ یہ مصرع نکل گیا، ع

ابر اسو یو فوارہ پانی پے کیا نچھل ہے

مولانا نصرتی حاضر تھے انھون نے فی البدیہ دوسرا مصرع پہونچایا

تجھ شہ اوپر اوڑانے کا ایک مورچھل ہی

علی نامہ کا ایک قلمی نسخہ نواب عماد الملک کے کتب خانہ مین موجود ہی، آصفی نے محبوب الزمن مین لکھا ہے کہ نصرتی نے ۱۰۹۵ھ مین وفات پائی ہی،

دور دوم
شعرائے دکن

میر محمد تقی میر نے نکات الشعرا مین شعرائے دکن کا ذکر میر عبد الولی عزلت کی بیاض سے نقل کیا ہی، حال تو کچھ لکھا نہین کسی کے ایک دو شعر کسی کے کچھ زیادہ لکھے ہین اور اون کی نسبت جو رائے قایم کی ہے وہ انھین کے الفاظ مین سننے کے قابل ہے

یکے ازیں شاعراں سمت دکن کہ پُر بی رتبہ اند گر بعض چنانچہ ولی و سید عبد الولی و سراج و آزاد کہ معاصر ولی بود سر رشتہ مضبوط گوئی بدست ایشان یافتہ می شود باقی سر کلافہ داشت، اھ

میر صاحب نے جن شاعرون کا ذکر کیا ہے اور جو کلام اون کا انھین ملا ہے اوس کے لحاظ سے یہ رائے اون کی صحیح ہو تو ہو مگر اصلیت اور واقعہ کے اعتبار سے غلط اور بالکل غلط ہی، میر صاحب نے دکن کے سینکڑون شعرا مین سے کم و بیش

پچیس شاعرون کا ذکر کیا ہی اون سینکڑون مین بیسیون ایسے ہین جو میر عبد الولی عزلت سے بہتر شعر کہتے ہین،

کسی کے ایک دو شعر پڑھکر اوس کی نسبت جو رائے قائم کی جائے گی وہ اصلیت سے دور ہوگی، مرزا داؤد کا صرف ایک شعر میر صاحب کو ملا ہی، حالانکہ اون کے دیوان مین پانسو شعر سے کم نہین اگر تم اوسی ایک شعر کو پڑھکر سارے دیوان کو خرافات کہد تو اِس سے زیادہ زبردستی کیا ہوسکتی ہی،

جن لوگون کی خبر میر صاحب کو نہین ہوئی اون مین سے میر عاشق علی خان ایما، میر غلام علی ارشد، مرزا علی نقی خان ایجاد، میر عبد الحی خان صارم، عارف الدین خان عاجز، میر اولاد محمد ذکا، لچھمی نراین شفیق اور بہت سے ایسے شعرا ہین جن کے ہان زبان کی صفائی، خیالات کی رنگینی اور پختگیِ کلام کے تمام لوازم موجود ہین،

افسوس ہی کہ اِس زمانہ مین جبکہ چھاپہ خانون سے کثرت سے نایاب کتابین کوڑیون کے مول بک رہی ہین ان کے دواوین اور پرانے تذکرے اب تک گمنامی کے پردے مین چھپے ہوئے ہین،

شمس الدین ولی[1]

شمس الدین لقب ولی اللہ نام ولی تخلص اورنگ آباد مین تقریباً ۱۰۸۰ھ مین پیدا ہوئے خاندان کا حال معلوم نہین آزاد نے آبحیات مین ان کو گجرات کا باشندہ اور علامہ وجیہ الدین علوی کی نسل سے بتایا ہی، مگر اِس کی کوئی تاریخی سند نہین بتائی صرف

[1] اختلاف است در حکہ اول کسے کہ ریختہ گفت کہ اوست یا پیشتر ہم فکر دریں زبان شایع بود و تحقیق تقدیم تا بی برادل و توفیق آنست کہ بازماند دیگرے برتبۂ او نرسیدہ و در حد گفتش راسلت ہمین ماند اھ گلشن بیخار،

تذکرۂ حکیم قدرت اللہ خان قاسم کا حوالہ دیا ہی یہ تذکرہ میری نظر سے نہین گزرا اگر میر محمد تقی میر اور میر حسن کے تذکرے پیش نظر ہین وہ اِن کو اورنگ آباد کا باشندہ ظاہر کرتے ہین،

آصفی ملکاپوری نے حال مین ایک بسیط تذکرہ شعرائے دکن کا شائع کیا ہی اوس مین بھی ولی کو اورنگ آباد کا ظاہر کیا ہی اور خود اون کے کلام اور اون کے لب ولہجہ سے اِس کی سند بہم پہونچائی ہی کہ وہ دکن کے رہنے والے تھے،

علامہ وجیہ الدین کا خاندان گجرات مین اپنے فضل وکمال اور فیض رسانی کے لحاظ سے بہت معزز وممتاز سمجھا جاتا تھا، گجرات پر مغلون کے قبضہ ہو جانے کے بعد اچھے اچھے گھرانون کے لوگ پریشان ہوکر بیجاپور، احمدنگر، برار، اور برہانپور کو چلے گئے تھے، انھین نقل مکان کرنے والون مین شاہ اسد اللہ علامہ وجیہ الدین کے پوتے بھی تھے جنھون نے بیجاپور مین بودوباش اختیار کی تھی اگر یہ صحیح ہی کہ ولی کو علامہ وجیہ الدین کے خاندان سے نسبت تھی تو کیا عجب ہی کہ یہ شاہ اسد اللہ سے کوئی واسطہ رکھتے ہون،

آصفی کہتے ہین کہ بیس برس کے سن مین تحصیل علم کے واسطے گجرات گئے اور علاقہ ناکر کے مدرسہ مین تعلیم حاصل کی چند روز کے بعد اوسی خاندان کے ایک سجادہ نشین کے ہاتھ پر طریقۂ قادریہ شطاریہ مین بیعت کی،

سید ابو المعالی احمد آباد گجرات کے ایک بزرگ زادے سے ولی کو ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اوس کو دیکھنے والے عشق سے تعبیر کرتے تھے، انھون نے بزرگان دین کی زیارت کی نیت سے دلی اور [illegible] کا سفر اختیار کیا ولی بھی اون کے ساتھ ہو لئے،

دلی مین شاہ سعد اللہ گلشن نقشبندیہ سلسلہ کے ایک نامور بزرگ اور بہت پُرگو شاعر تھے، ولی نے اون کے فیضِ صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور اپنے شعر سنائے، میر تقی میر

نکات الشعرا مین لکھتے ہین کہ شاہ سعد اللہ گلشن نے اون کے شعر سُن کر فرمایا کہ "این ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند در ریختہ خود بکار ببراز تو کہ محاسبہ خواہد گرفت"

آزاد کہتے ہین کہ خود ولی نے ایک رسالہ نور المعرفۃ تصوف مین لکھا ہی، اوس مین کہتے ہین کہ مین نور الدین محمد صدیقی سہروردی کے مریدون کا خاک پا اور شاہ سعد اللہ گلشن کا شاگرد ہون،

ولی محمد شاہ بادشاہ کے زمانے مین دلی آئے تھے، معلوم ہوتا ہی کہ دلی مین اونکا جی لگ گیا تھا چنانچہ ولی کی تصنیفات مین سے ایک غزل مین کہتے ہین ؎

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین ۔ جا کہو کوئی محمد شاہ سون

دلی سے اورنگ آباد واپس آئے یہان ۱۱۴۱ھ مین وہ مجلس شہدائے کربلا کے حال مین ایک مثنوی لکھی اوس کے خاتمہ مین کہتے ہین ؎

ہوا ہی ختم جب یو درد کا حال ۔ تھا گیارہ سو پہ اکتالیسوان سال

کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول ۔ ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول

ایک چھوٹی سی مثنوی اون کی سورت کی تعریف مین بھی ہی، قیام گجرات کے زمانہ مین یہ سورت گئے تھے وہین یہ مثنوی تصنیف کی اوس کے دو تین شعر ملاحظہ ہون ؎

عجب شہران مین ہی پر نور یک شہر ۔ بلا شک ہی وہ جگ مین مقصد دہر

ہے مشہور اوس کا نام سورت ۔ کہ جاوے جس کے دیکھے سب کدورت

بھری ہی سیرت و صورت سون سورت ۔ ہر اک صورت ہی وان انمول صورت

ولی کو گجرات سے بہت دلچسپی ہو گئی تھی، اورنگ آباد مین کچھ دنون رہکر اپنے پیر و مرشد اور اساتذہ کی زیارت کو پھر احمد آباد چلے گئے اور تقریباً ۱۱۵۵ھ مین وہین وفات پائی،

اِن کا دیوان یورپ مین بھی چھپ گیا ہی، اوس مین علاوہ ردیف وار غزلون کے رباعیان قطعے دو تین مخمس قصیدے اور دو چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین،

ناواقفیت کی وجہ سے عام طور پر یہ خیال چلا آتا ہی کہ ریختہ مین سب سے پہلے ولی نے دیوان مرتب کیا ہی اسی بنا پر مولوی محمد حسین آزاد نے اُردو نظم کی اولیت کا تاج اون کے سر پر رکھدیا ہی، اور اُردو شاعری کی نسل کا آدم اِن کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہی کہ اردو مین ان کو وہ رتبہ حاصل ہی جو انگریزی کی نظم من چاسر شاعر کو فارسی مین رودکی اور عربی مین مہلہل کو حاصل ہی، حالانکہ ان سے سوسوا سو برس پہلے ریختہ مین شاعری اِس حد تک پہونچ گئی تھی کہ اوس مین بے تکلف دیوان مرتب ہونے لگے تھے، محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ اور عبد اللہ قطب شاہ کے دیوان حیدر آباد مین ابتک موجود ہین مولانا نصرتی کا دیوان مفقود ہی، مگر زبیری نے بساطین السلاطین مین اوس کا ذکر کیا ہی،

قصائد مین مولانا نصرتی کا قصیدہ میری نظر سے گذرا ہی، جس پر تاریخ کتابت ۲۲ محرم ۱۰۸۳ھ لکھی تھی، اور قصیدے کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ محمد عادل شاہ (متوفی ۱۰۶۳ھ) کے عہدِ حکومت مین تصنیف کیا گیا ہی،

مثنویون مین مولانا نصرتی کا شاہنامہ مولانا ہاشمی کی یوسف زلیخا اور ولی کے ایک ہمعصر مولوی سید محمد کی فیض عام جو ۱۱۴۱ھ مین لکھی گئی ہی، جس سال ولی نے دہ مجلس لکھی تھی،

مراثی مین میرزان مولانا نصرتی کا ہمعصر اور شاہ قلی وغیرہ ابوالحسن تانا شاہ کے زمانے مین ایسے خوشگو شاعر تھے کہ اون کے مرثیے ہاتھون ہاتھ دلی اور آگرہ پہونچتے اور لوگ اون کو شوق سے پڑھتے تھے،

غرض کہ اصنافِ سخن مین سے ہر ایک صنف ولی سے سوسوا سو برس پہلے ریختہ مین

آ چکی تھی، مگر زبان کی حیثیت سے دستور کے موافق عام طفولیت مین تھی،

ولی کے زمانے تک منجھتے منجھتے زیادہ صاف ہو گئی، ولی، آزاد، سراج اور داؤد کے اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اِن سب کی ایک زبان ہی،

تاہم اِس مین کچھ شبہہ نہین کہ ولی اپنے ہمعصر شاعرون مین سب سے زیادہ ممتاز ہی اور اوس کے کلام کو قبول عام حاصل ہو جانا اوس کی شاعری کا طرۂ افتخار ہی،

کلام کا رنگ ملاحظہ ہو،

جس وقت اے سریجن تو بے حجاب ہوگا　　ہر ذرہ تجھ جھلک سون جون آفتاب ہوگا
مت جا چمن مون لالہ بلبل پہ مت ستم کر　　گرمی مون تجھ نگہ کے گل گل گلاب ہوگا
مت آئینہ کون دکھلا اپنا جمال روشن　　تجھ مکھ کی تاب دیکھے آئینہ آب ہوگا
مجکو ہوا ہی معلوم اے مست جام خونین　　تجھ انکھڑیان کے دیکھے عالم خراب ہوگا
ہاتف نے یون دیا ہی مجکو دلی بشارت　　اوس کی گلی مین جا تو مقصد شتاب ہوگا

یاد کرنا ہر گھڑی تجھ یار کا　　ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا
آرزوئے چشمۂ کوثر نہین　　تشنہ لب ہون شربتِ دیدار کا
کیا کہے تعریف دل ہی بے نظیر　　حرف حرف اس مخزنِ اسرار کا
گر ہوا ہے طالبِ آزادگی　　بند مت ہو سبحۂ و زنار کا
مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی　　دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

خوبیٔ اعجاز حسنِ یار گر انشا کرون　　بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کرون

کیا کہون تجھ قد کی خوبی سرو عریان کے حضور
خود بخود رسوا ہی اوس کو اور کیا رسوا کرون

سر کرون جب وصف تیرے جامۂ گلرنگ کا
جامۂ زیبا کو رنگِ جامۂ دیبا کرون

رات کو آؤن اگر تیری گلی مین اے حبیب
زیورِ لب ذکرِ سبحان الذی اسری کرون

آرزو دل مین یہی ہی وقت مرنے کے ولی
سرو قد کو دیکھ سیرِ عالمِ بالا کرون

مت تصور کرو مجھ دل کو کہ ہرجائی ہے
چمنِ حسنِ پری رو کا تماشائی ہے

گل رخان کیون نہ کہین تجکو سکندر طالع
جلوہ گر بر مین ترے جامۂ دارائی ہے

شیخ مت گھر سون نکل آج تو خوبان کے حضور
گول دستارِ ترا باعثِ رسوائی ہے

اے ولی رہنے کون دنیا مین مقامِ عاشق
کوچۂ یار ہی یا گوشۂ تنہائی ہے

تا حشر رہے بوئے گلاب اوسکے عرق سے
جس بر مین یکبار وہ گل پیرہن آوے

سایہ ہوا مرا سبز برنگِ پرِ طوطی
گر خواب مین وہ نوخطِ شیرین سخن آوے

آغوش آنے کی کہان تاب ہی اوسکو
کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

کہان ہی آج یا رب جلوۂ مستانۂ ساقی
کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے

دیکھنا تجھ قد کا اے نازک بدن
باعثِ خمیازۂ آغوش ہی

دشمنِ دین کا دین دشمن ہے — راہزن کا چراغ رہزن ہی

فقیر اللہ آزاد

حیدرآباد دکن کے رہنے والے تھے بچپن مین یتیم ہوگئے مزاج مین اہلیت و عزت اتنی تھی کہ اہل محلہ ان کو اپنے بچون کی طرح عزیز رکھتے تھے،

کچھ معلوم نہین کہ کس خاندان کے چشم و چراغ تھے اور تعلیم و تربیت کیسی ہوئی قرینہ یہ ہی کہ اوس زمانے کے رواج کے موافق فارسی کی پوری اور عربی کی بقدر ضرورت کتابین پڑھی ہون گی،

تعلیم پوری نہونے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ جوان ہوتے ہی کسی پری پیکر کو دل دے بیٹھے اور تنکے چننے لگے، ایک حال اور ایک مقام پر قرار نہین آتا تھا بیتابانہ اِدھر اودھر مارے مارے پھرتے تھے، اِسی حالت مین اپنے دوست و ہموطن فراقی کے ساتھ دلی آئے مگر معلوم ہوتا ہی کہ یہان بھی نہین ٹھہرے،

میر محمد تقی میر نے نکات الشعرا مین اِن کا ذکر کیا ہی اور لکھا ہی کہ "ہمعصر ولی بود بسیار بصفا حرف میزد" میر حسن نے بھی اِس کی تصدیق کی ہی، مگر دونون نے ایک ہی شعر اون کا نقل کیا ہی،

ولی نے اون کی غزل پر غزل کہی ہی، اور اون کی غزل کے ایک مصرع کو تضمین کیا ہے اور اپنے معمول کے موافق اون پر نوک جھونک نہین کی اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آزاد کی شاعری کا ایک حد تک معترف ہی ؎

آزاد سے سُنا ہون یہ مصرع مناسب — جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے،

آئین جہان کی ساری آزاد صنعتین پر جس سے کہ یار ریختا ایسا ہنر نہ آیا

میر سراج الدین سراج

از مردم اورنگ آباد در وقت عالمگیر اول بود از شاگردان سید حمزہ علی دکنی روشن

طبع معلوم میشود خدایش بیا مرز داد تذکرہ میرحسن،

سراج الدین نام سراج تخلص اورنگ آباد کے سادات صحیح النسب سے تھے، اورنگ آباد مین پیدا ہوئے اور وہین ان کا نشو ونما ہوا، اوس زمانے کا اورنگ آباد آج کا ایسا نہ تھا، عالمگیر مرحوم کے پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے مرجعِ اہل کمال بنا ہوا تھا ہر علم و فن کے اہل فضل و کمال وہان مجتمع تھے اون کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی،

میر محمد تقی میر نے نکات الشعرا مین اور میرحسن نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہی کہ سید حمزہ کے شاگرد تھے مگر اس کی تصدیق اہلِ دکن نہین کرتے خود سراج نے شعرائے فارس کے دیوانون کا انتخاب کیا ہی اوس کے دیباچہ مین کچھ اپنے خیالات بھی لکھے ہین مگر اوس مین بھی اِس کا ذکر نہین کیا،

عنفوانِ شباب مین غلبۂ شوق سے از خود رفتگی کی کیفیت پیدا ہوئی، سات برس تک برہنہ پا و برہنہ سر مولانا برہان الدین غریب کے روضہ کے اطراف مین چکر کاٹتے رہے اور اِسی حالت مستی مین فارسی مین شعر کہتے مگر لکھتے نہین تھے، خود فرماتے ہین کہ اوس زمانے کے اشعار جمع کیے جاتے تو ایک ضخیم دیوان تیار ہو جاتا،

سات برس گزرنے پر سید عبدالرحمن چشتی (متوفی ۱۱۶۱ھ) کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اون کے ہاتھ پر طریقۂ چشتیہ مین بیعت کی اور عرصۂ دراز تک اون کی صحبت سے

مستفید ہوتے رہے،

اپنے پیر بھائی عبدالرسول خان کے کہنے سے ریختہ کی طرف توجہ کی اور عرصہ تک ریختہ مین فکرِ سخن کرتے رہے، عبدالرسول خان نے دیوان مرتب کیا جو پانچہزار شعرون پر مشتمل ہے،

اس دیوان کی اشاعت سے دکن مین انکی دھوم مچ گئی اور اس پر اتفاق ہو گیا کہ ولی کے بعد دکن مین اس پائے کا کوئی شاعر نہین ہوا، خود سراج کو بھی اس کا دعویٰ تھا فرماتے ہین ؎

تجھ بنا اے سراج بعد ولی — کوئی صاحب سخن نہین دیکھا

اے سراج آرزوئے قند نہین — شعر تیرا ہے جون نبات لذیذ

شاید کہ بعد مرگ کرین خاص و عام یاد — مشہور نہین سراج کا شیرین سخن ہنوز

مصنفینِ دکن نے اس کا اعتراف کیا ہی کہ ریختہ گوئی مین سراج ولی کا قائم مقام تھا، ولی نے زمینِ شعر پر جو پودے لگائے تھے اون کو سراج نے سر سبز و شاداب کیا، اور اہلِ دکن نے مزے لیکر اون کے پھل کھائے،

اورنگ آباد کی محفلون مین سراج ہی صدر نشین ہوتے تھے اور خود اپنے یہان بھی ہفتہ مین ایک روز مجلسِ سماع منعقد کرتے اوس مین شہر کے علماء و مشائخ اور ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے تھے، قوال انھین کی غزلین گاتے اور وجد و حال کا ہنگامہ دیر تک گرم رہتا،

فارسی مین بھی اچھے اور صاف شعر کہتے تھے نمونہ ملاحظہ ہو ؎

گل بیرنگ حقیقت کہ بدامانم بود ، ہمچو اشک از مژۂ خویش چکیدم دیدم

نمازِ عشق ادا کردنی است عاشق را ، خوشم کہ دست ز جان شستم و وضو کردم

آتشی در دل و اسوختہ افتاد سراج ، باز سیماب ز خاکسترِ اکسیر چکید

سراج بہت خوش فکر، سنجیدہ مزاج، شگفتہ پیشانی، صاحبدل اور پاکیزہ مشرب بزرگ تھے، آخر عمر مین شعر گوئی ترک کردی تھی اور ہمہ تن تزکیۂ باطن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، مگر احباب سے بے تکلف ملتے اور لطفِ صحبت حاصل کرتے تھے، مولانا غلام علی آزاد سے زیادہ رسم تھی،

ایک دیوان فارسی کا ایک ریختہ کا جس مین پانچہزار شعر ہین، ایک منتخب فارسی شعرا کے دیوانون کا سنہ ۱۱۶۱ھ مین تیار کیا تھا، اوس کا تاریخی نام منتخب دیوانہا ہے، ایک مثنوی سنہ ۱۱۶۰ھ مین لکھی تھی جس مین گل و بلبل کے افسانے مین جذبات معرفت کی ترجمانی کی ہے،

ان کے شاگردون مین خواجہ ابو البرکات عشرت، خواجہ عنایت اللہ فتوت اشرف علی خان فغان، مرزا محمد جان نثار، مرزا عطا ضیا تخلص، جبکیشن داس بیجان بہت خوش گو شاعر ہوئے ہین،

۴ شوال روز جمعہ سنہ ۱۱۷۷ھ مین وفات پائی، میر غلام علی آزاد، میر اولاد محمد ذکا اور لچھمی نرائن شفیق نے تاریخین لکھین، میر اولاد محمد کی تاریخ نقل کرتا ہون،

چراغ دودۂ آلِ عبا سراج الدین | کہ بود روشن از و محفلِ سخندانی
نمود چارم شوال و صبحِ آدینہ | بشمعِ انجمنِ عمر دامن افشانی
ز تیرہ بزم جہان فنا بدار بقا | فروغِ ناصیۂ خویش کرد ارزانی
کشید شعلۂ تاریخ سرزِ طبعِ ذکا | سراج بزم ارم را نمودہ نورانی

کلام کا رنگ ملاحظہ ہو،

ڈورے نہین ہین سُرخ تری چشمِ مست مین | شاید چڑھا ہی خون کسی بے گناہ کا

———— • ————

شکر للہ اندنون تیرا کرم ہونے لگا | شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

———— • ————

آہ سوزان سے مرے دامنِ صحرا مین سراج | قبر مجنون پر چراغان نہوا تھا سو ہوا

———— • ————

نہین ہے تاب مجھے سامنے ترے جانان | کہان سراج کہان آفتاب عالمتاب

———— + ————

نہین حقیقت مین حسن و عشق جدا | طوقِ قمری ہے طرۂ شمشاد

———— * ————

ہائے رہ گئی دل مین دامنگیریون کی آرزو | سبزۂ تربت مرا ہے پنجۂ گیرا ہنوز

———— • ————

عجب وہ سروِ گلزار ادا خوش قد ہوا واقع | پہ بلبل نہال گل کو دستِ رد ہوا واقع

———— ————

شعلہ خو جب سے نظر نہین آتا لوٹتا ہے تب سے انگارون پہ دل

مجھ نگینِ داغ دل پر نقش ہی حرفِ وفا عشق کی امت مین ہون مہر نبوت کی قسم

نہ پوچھو خود بخود ذکر تا ہون تعریف اوسکے قامت کی کہ یہ مضمون مجکو عالمِ بالا سے آتے ہین

یاد رکھ ایدلِ خون گشتہ کہ جون تکمۂ لعل جامہ زیبون کے گریبان کا گلوگیر نہو

مدت سے گم ہوا دلِ بیگانہ اے سراج شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ

تم پر فدا ہین سارے حسن و جمال والے کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

بہار ساقی ہی بزم گلشن مین مطربانِ چمن شرابی پیالہ گل سرو شیشہ شراب بو اور گل گلابی

خبر تحیرِ عشق سن نہ جنون رہا نہ پری رہی نہ تو تو رہا نہ تو مین رہا جو رہی سو بے خبری رہی

شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنون کی پردہ دری رہی

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہین سو ہری رہی

نظرِ تغافل یار کا گلہ کس زبان سے بیان کرون کہ شراب حسرت و آرزو خم دل مین تھی سو بھری رہی

وہ عجیب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخہ عشق کا کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی

ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اسقدر ہی یہان ہوا | کہ نہ آئینہ مین جلا رہی نہ پری مین جلوہ گری ہی
کیا خاک آتشِ عشق نے دلِ بینوائے سراج کو | نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خطری ہی

مرزا داؤد داؤد

مرزا داؤد نام داؤد تخلص، اورنگ آباد مین پیدا ہوئے اور وہین نشو و نما پائی، اوس زمانے مین اورنگ آباد فضل و کمال کا گہوارہ تھا، علما و شعرا کی صحبت مین داؤد نے علمی استعداد ایسی پیدا کر لی تھی کہ شعر و سخن کی ضرورتون سے پورے طور پر آگاہ ہو گئے تھے،

یہ معلوم نہین کہ وہ کس کے شاگرد تھے، میر محمد تقی میر نے نکات الشعرا مین لکھا ہی "شاگرد سید" خدا جانے سید سے مراد سید حمزہ ہین یا سید عبد الولی عزلت،

عزلت نے اورنگ آباد مین مستقل بود و باش جس زمانے مین اختیار کی ہے اوس سے بہت پہلے داؤد کی شاعری زورون پر تھی اسلئے عزلت کی شاگردی قیاس مین نہین آتی،

مصحفی نے لکھا ہی کہ یہ ولی کا تتبع کرتے تھے خود بھی جا بجا اس کی طرف اشارہ کیا ہی

کہتے ہین سب اہلِ سخن اِس شعر کو سُن کر | تجھ طبع مین داؤد ولی کا اثر آیا

کم و بیش پانسو شعرون کا اِن کا دیوان ہے، ۱۱۶۰ھ مین وفات پائی، لچھمی نرائن شفیق نے تاریخ کہی ؎

بلبل گلزارِ معنی طوطی رنگین زبان | از غم آباد جہان بگذشت چون تیر از کمان
مصرعِ تاریخ فوتش گفت با من ہاتف | کرد رفتہ میرزا داؤد فانی از جہان

داؤد کے کلام کا انتخاب،

عزیزان خواب مین دیکھا ہون آج اُس سرو قامت کو ہوا معلوم وقت آیا ہے میری سرفرازی کا

قانون شفا نطق مین ہی یار کے موجود اے دل نہو محتاج طبیبان دوا کا

ہوا ہے ابر گریان دیکھ میری چشم گریان کو پڑا ہی شور دریا مین مرے اِس اشک جاری کا

مجھ بزم مین رقیب عبث سرکشی نکر شعلہ پڑا ہی شمع پہ مجھ سوزِ آہ کا

اوس صنم کے خیالِ ابرو نے ناتوان مجکو جون ہلال کیا

دست رنگین کو دیکھکر تیرے رنگِ مہندی چھپا ہی پا تون بات

کہتے ہین عاشقان مرا حال دیکھکر شاید تو دل دیا ہی کسی بیوفا کے ہات

مجھ برسون ہوئے مے اگر آوے عجب نہین اوس چشم پُر خمار کو دیکھا ہون خواب مین

تیمم اس کا اون کے وضو کرنے سے افضل ہی کیا ہی جن نے حاصل خاکساری کی عبادت کو

مرا احوال چشمِ یار سے پوچھ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

مرے حالِ پریشان کی حقیقت صنم کی زلف کے ہر تار سے پوچھ

اے زاہدان اُٹھاؤ جبین کو زمین سے جو سرنوشت ہی اوسے کان تک مٹاؤگے

میر عبد الولی عزلت

نسبتے تمام بسخن وازانداز اسالیب کلام شان واضح میگردد کہ بہرہ بسیارے

از دردمندی وارند ام نکات الشعراء

میر عبد الولی نام، عزلت تخلص سید سعد اللہ سلونی کے بیٹے وہ شاہ پیر محمد سلونی کے نواسے تھے، سلون ضلع رائے بریلی مین ایک مردم خیز قصبہ ہی، شاہی مین صوبہ الہ آباد مین شامل تھا اب اودھ مین اوس کا شمار ہی،

سید سعد اللہ علوم و فنون مین فاضل یگانہ اور علامۂ وقت تھے، سفر حج سے واپس ہوتے ہوئے سورت مین بود و باش اختیار کر لی تھی، میر عبد الولی کا نشو و نما سورت مین ہوا اپنے والد سے علوم و فنون کی تعلیم پائی اور مدتون درس دیتے رہے، طبیعت مین تیزی و چالاکی خداداد تھی، اول فارسی مین شعر کہنے کا شوق ہوا اوس کے بعد ریختہ پر طبیعت مائل ہوئی اور اوس مین ایسی ترقی کی کہ اُستاد سمجھے جانے لگے، بھاشا مین بھی فکر کرتے تھے، دوہے، کبت، جھولنے، سوال و جواب، بارہ ماسے، مکرنیان، پہیلیان سبھی چیزون مین طبع آزمائی کی اور ہر ایک چیز کو سلیقہ سے کہا،

موسیقی کا شوق ہوا تو زیر و بم اور تال و سر مین مہارت پیدا کی ساز و قانون و سرود وغیرہ مین سب سے آگے نکل گئے اور اوس زمانے کے اچھے اچھے گویئے ان کے

سامنے کان پکڑتے تھے،

مصوری مین وہ کمال دکھایا اور رنگ و روغن مین ایسی صفائی پیدا کی کہ اس فن کے مبصر اون کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی تصویرون کو دیکھکر محو حیرت ہوجاتے تھے،

غرض کہ جامعیت اور ہمہ دانی مین اپنے بہت سے ہمعصرون سے ممتاز تھے اسیوجہ سے جہان جاتے قدر شناس اون کی عزت کرتے تھے،

۱۱۶۴ھ مین دلی آئے، سراج الدین علی خان آرزو کا زمانہ تھا اون سے ملے اور عرصہ تک دلی مین رہے، میر محمد تقی میر سے زیادہ رسم ہوگئی تھی، میر صاحب نے نکات الشعرا مین شعراے دکن کا کلام انھین کی بیاض سے نقل کیا ہی اور ان کا ذکر خوبی سے کیا ہی،

دلی سے مرشد آباد گئے، نواب مہابت جنگ علی وردی خان کا زمانہ تھا نواب تپاک سے ملے اور جب تک زندہ رہے ان کی عزت کرتے رہے،

نواب کے مرنے کے بعد دکن گئے اور اورنگ آباد مین بود و باش اختیار کی، نواب ناصر جنگ نظام الدولہ بہادر کا زمانہ تھا، اونھون نے تنخواہ مقرر کردی، اون کی شہادت کے بعد حیدر آباد گئے نواب صلابت جنگ آصف الدولہ بہادر نے دو گاؤن جاگیر مین عنایت فرمائے، غرضکہ جب تک جیتے رہے فارغ البالی اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، میر غلام علی آزاد، میر اولاد محمد ذکا، مرزا علی نقی خان ایجاد، عبد القادر سامی اور لچھمی نرائن شفیق سے صحبتین گرم رہتی تھین،

۱۶ رجب ۱۱۸۹ھ مین وفات پائی حیدر آباد میر مومن کے دائرہ مین مدفون ہوئے،

جلایا مصحف دل تو نے کیون برق تغافل سے ۔۔۔ جو سچ بولون تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

سیہ روزی مین میری قدر کو احباب کیا جانین
اندھیری رات مین کس کو کوئی پہچانتا ہیگا

اوس کو پہونچی خبر کہ مرتا ہون
کسی دشمن سے سنا ہوگا

غزلت گمان یون تھا کہ جلکر ہوا ہی راکھ
پھر دود آہ دل مین مرا دیدہ تر کیا

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا
سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

جس خوش نگہ کو پہنچون غفلت کی نیند لیوے
مین خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہون

تری زلف کی شب کا بیدار ہون
تجھ آنکھون کے ساغر کا میخوار ہون
کدھر بہتا پھرتا ہی اے گریۂ غم
کہ آنکھون سے تیرا خریدار ہون

صحیح اپنا مرض الفت کا جب مین عرض کرتا ہون
جلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھین دکھاتا ہے

چین ابروے سجن مین مرا دل اولجھا ہے
دل کھلے گر کبھی دونون مین گرہ پڑ جائے

سدہارے گل کہان سونے پڑے ہین گلستان اپنے
گئی ہین بلبلین کیدھر جلا کر آشیان اپنے

دیکھ مت رنگین چمن کو دل مرا غمناک ہی　　گل کے ہاتھون خون بلبل کا گریبان چاک ہی

خاطر یاران مین ہی ہم خاکسارون کا غبار　　صاف ہی شکوہ دلون مین کیا محبت خاک ہے

اے بلبل اتنی روکے دعا ہر سحر تو مانگ　　حق تیری آہ سرد چمن کی ضیا کرے

عارف الدین[1] خان عاجز

عارف الدین نام عاجز تخلص تھا، باپ دادا بلخ کے باشندے تھے، عالمگیر مرحوم کے عہدِ دولت مین اِن کے والد ہندوستان آئے، نواب فیروز جنگ کی عنایت سے شاہی منصب حاصل ہوا،

عاجز ہندوستان مین پیدا ہوئے، بہت چھوٹی عمر مین باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا مگر خدا کے فضل نے دستگیری کی نواب لشکر خان (رکن الدولہ نصیر جنگ) نے اِن کو اپنی سرپرستی مین لے لیا، اون کے سایۂ عاطفت مین تعلیم و تربیت پائی اور اُنھین کے ساتھ اورنگ آباد آکر نواب آصف جاہ اول کی سرکار مین منصب و خطاب سے سرفراز ہوئے،

منصب زیادہ نہین تھا مگر مزاج مین قناعت تھی اور نواب لشکر خان نے رسالہ کی بخشیگری کو منصب کا ضمیمہ کر دیا تھا اسلیئے اطمینان و فراغت سے زندگی بسر کرتے تھے،

مزاج مین ظرافت اور شعر و سخن سے قدرتی لگاؤ تھا، اورنگ آباد پہونچکر شوق بڑھ گیا،

---

[1] دوازدہ سال باشد کہ در شاہجہان آباد تشریف داشت بندہ شوے او مدہ بودم از چندین بسمت دکن رفتہ اکنون ارباب سید مذکور بوضوح می پیوندد کہ در رہا پیوستہ اللہ نکات الشعرا،

فارسی اور اُردو مین طبع آزمائی کرتے کرتے دونون زبانون مین بہت اچھا شعر کہنے لگے،
تاریخ کہنے مین بھی سلیقہ تھا، ایک روز مرزا افضل قاقشال مؤلف تحفہ الشعرا
کے مکان پر بیٹھے ہوئے تھے، وہ مکان نیا بن کر تیار ہوا تھا، افضل نے کہا کہ آپ کو
تاریخ گوئی مین دعویٰ ہی، اِس مکان کی فی البدیہہ تاریخ کہیئے، کہا کہ آپ کیا دین گے
اونھون نے کہا جو کچھ کہئے حاضر ہے، تھوڑی دیر نہین گزری تھی کہ یہ تاریخ کہکر سناوی ؎

منزلِ عیش بہ از چار محل ۔۔۔ کرد بنیاد چو مرزا افضل
گفت تاریخ بیانش ہاتف ۔۔۔ منزل جاہ و مکانِ افضل

کبر سنی مین ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، نواب موسوی خان سے کہلا بھیجا کہ
مین مرتا ہون تاریخ کی فکر کیجئے، اونھون نے جواب دیا کہ تاریخ گوئی مین خود آپ کو
مہارت ہی، آپ ہی تکلیف کیجئے، یہ سنکر مسکرائے اور اپنے نام و تخلص کے اعداد جمع کئے
ایک عدد بڑھتا تھا فرمایا کہ کاش ایک سال کی مہلت اور ملجاتی تو نام کا نام اور تاریخ کی
تاریخ ہوجاتی، خدا کی قدرت دیکھو دو چار روز کے بعد اچھے ہوگئے،
اچھے ہوکر کسی ضرورت سے ناندیڑ گئے، وہان چند روز رہے تھے کہ وعدہ پورا
ہوگیا، اور ناندیڑ مین مدفون ہوئے، میر اولاد محمد ذکا کو توارد ہوا اونھون نے "عارف الدین
خان عاجز" سے تاریخ وفات نکالی جس سے ۱۱۷۰ھ نکلتے ہین، یہی سن اون کی وفات کا ہے،
ایک دیوان فارسی مین ایک اُردو مین یادگار چھوڑا، ایک مثنوی لکھی ہی جس مین
لال و گوہر کا قصہ نظم کیا ہے، ایہام اور ذو معنین کا شوق تھا، مگر مثنوی بہت صاف
و سادہ ہی، چند اشعار اوس کے ملاحظہ ہون،

آلٰہی دے مجھے رنگین بیانی ۔۔۔ عطا کر مجکو یاقوت معانی

سخن کے در کا مجکو جوہری کر | سخن سنجون کو میرا مشتری کر
سخن کا لال دے میری زبان کو | در معنی سے بھر میرے بیان کو

جنون کے دشت کا بن کر بگولا | خرد کی راہ کو وحشت سے بھولا
سحر سے شام تک مانند خورشید | طلب کے فرق پر رکھ پائے مالید
غزالون کی طرح سرگرم رم تھا | بیابان اس کو گلزار ارم تھا
برس دو لگ چلا جب راہ مین آہ | نظر مین اوس کے آیا دشت جانکاہ
کرون اس دشت کی کیونکر صفت کو | زبان پر کس طرح ڈالون لغت کو
وہان ہرگز نہ تھا پانی کا آثار | اجل کا کھیت تھا وہ دشت خونخوار
بیابانِ عدم کے تھا برابر | وہان تھا جہان عزرائیل کو ڈر
وہان کی ریت ہیرے کی کنی تھی | وہان کے کانٹے بھالون کی انی تھی
وہان کی گرد تھی پانون کی دارو | وہان کی خاک تھی دوزخ کی بالو

غزلون کے منتخب اشعار

دیکھ دامنگیر محشر مین ترے ہوئین گے ہم | خون ہمارا اپنے دامن سے نہ لے قاتل چھڑا

عاجز ہون شاہ ملکِ جنون میرے واسطے | سورج کلاہ و چتر فلک ہی زمین ہی تخت

ہے ہمارے بت کا دل پتھر کے جیرے کیطرح | کیا کرون اوس کی صفت ہی سخت ہیرے کیطرح

ہر سحر کیا دیکھتی ہو آرسی اے سادہ رو　　ہی تمہارے حُسن کے دفتر کی دونون صاف فرد

جب سے اے رنگین ادا تیرا ہی رنگِ گل مین نقش　　تب سے میری آہ کا ہی سینۂ بلبل مین نقش

عاجز بھی شمع آہ جلاتا ہے باغ مین　　روشن اگر گلون سے ہوا ہی چراغِ باغ

باغ مین اوس لالہ رو کے آہ جب جاتے ہین ہم　　دل کے داغون کو گلون کے تازہ کر آتے ہین ہم
عِشق سے خوش قامتون کی سبز پوشی کر پسند　　سرو کے بوٹے قبا پر اپنی چھپواتے ہن ہم

خوش نگہ کی یاد مین ساغر کو جب گردان کرون　　بے تکلف گردنِ مینا کو نرگس دان کرون
اوس حنائی ہاتھ کی تعریف خونِ دل سے لکھ　　ریشۂ نخلِ قلم کو پنجۂ مژگان کرون

چمن مین جا کے وہ رنگین ادا جب مُسکراتا ہی　　گلون سے رنگ اڑکر لال سا جنگل کو جاتا ہی
ہمارا اشک خونین یاد مین گلرو کے بہ بہ کر　　نگہ کو رشتۂ تسبیح یاقوتی بناتا ہے

تیسرا دور

متقدمین شعرائے اُردو کا

شاہ مبارک آبرو

شاعر اورہ گوئے ریختہ میگوید کہ طبعی شوخی داشت عرص مستغنی وقت خود بود کہ

عہد محمد شاہ باشد، از نکات الشعرا،

نبیرۂ حضرت محمد غوث گوالیاری نور اللہ مرقدہ از ابتدائے جوانی مشق سخن میکرد، شاعر خوشگو در وقت خود بود، از تذکرہ میر حسن،

آبرو تخلص، نجم الدین نام، شاہ مبارک لقب تھا، اور اِسی لقب سے مشہور تھے، حضرت محمد غوث گوالیاری کی اولاد مین اور سراج الدین علیخان آرزو کے رشتہ دار، باوجودیکہ بڈھے شاعر اور کہنہ مشق تھے مگر خان آرزو کو اپنا کلام ہمیشہ دکھاتے رہے،

علمی استعداد کا حال معلوم نہین، کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ شاعرون کے لیئے جن معلومات کی ضرورت ہو اون سے بے بہرہ نہ تھے، عنفوان شباب مین یہ دلی آگئے تھے، اور ساری عمر یہین بسر کر دی،

ایک آنکھ اون کی جاتی رہی تھی، مگر جو کمال اون کو خدا نے عنایت فرمایا تھا اوس نے اِس عیب کی پردہ پوشی کر دی تھی، ابنائے وطن نے دل کھولکر اون کی قدردانی کی، اور حق یہ ہو کہ دلی مین اُردو شاعری کا باقاعدہ آغاز انھین سے ہوا ہی،

طبیعت رسا اور فکر معنے یاب تھی اوس زمانے کے دستور کے موافق تشبیہ اور ایہام مین کلام اولجھا ہوا ہی، مگر محاورون کی چاشنی نے اوس کو بامزہ کر دیا ہی، دیوان اون کا غدر مین ضائع ہو گیا، ایک مختصر دیوان اب بھی کہین کہین پایا جاتا ہی، شاید اوسی کا انتخاب ہو،

کلام ملاحظہ ہو،

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہوا	جامہ گلے مین رات کا پھولون بسا ہوا
کم مت گنو یہ بخت سیاہون کا رنگ زرد	سونا وہ ہے جو ہووے کسوٹی کسا ہوا
انداز سین زیادہ نپٹ ناز خوش نہین	جو خال اپنی حد سین بڑھا سو مسا ہوا

جدائی کسے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے | کہ اوس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

یہ سبزہ یہ آب روان اور ابر یہ گہرا | دیوانہ نہین گھر مین رہون چھوڑ کے صحرا

قول آبرو کا تھا کہ نجاؤن گا اوس گلی | ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

دل تو دیکھو آدم بیباک کا | عشق سے پتلا بھرا ہی خاک کا

کچھ ٹھہرتی نہین کہ کیا ہووے گی | اس دل بیقرار کی صورت

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن وصفا باعث | ہی پیاری طرح موجب ہی کافر ادا باعث

مجلس رندان مین مت لیجا دل بے شوق کو | شیشۂ خالی کی کیا عزت ہی میخوارون کے بیچ

جلتا ہی اب تلک ترے مکھڑے کے رشک سے | ہر چند ہو گیا ہے چمن کا چراغ گل

نکلے تم آ صبا کی طرح جب چمن مین بھول | گلشن کے دیکھ تجکو گئے ہاتھ پانون بھول

حسن ہی پر خوبرویون مین وفا کی خو نہین | پھول ہین یہ سب پر ان پھولون مین کچھ بو نہین

کرین جو بندگی ہو وین گنہگار بتون کی کچھ نرالی ہے خدائی

کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے مردے عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

لٹک چلنا سجن کا بھولتا اب تک نہین مجکون طرح وہ پانون رکھنے کے مری آنکھون مین پھرتی ہے

شیخ شرف الدین مضمون

حریف ظریف بشاش بشاش ہنگامہ گرم کن محلسہا ہرچند کم گو بود لیکن بسیار خوش

فکر و تلاش لفظ تازہ زیادہ دیوانش بہ بہت دو صد بیت خواہد بود ام نکات الشعرا

شیخ شرف الدین مضمون جاجمئو صوبۂ اکبر آباد کے رہنے والے، حضرت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی رح کی اولاد مین تھے، عنفوان شباب مین دلی گئے، اور زینۃ المساجد مین قیام کیا، اوس زمانے مین جلیبا دستور تھا کہ اکثر شریف زادے پڑھنے کو باہر نکل جاتے تھے، یہ دلی ایسے گئے کہ وہین کے ہو رہے اور مرکر بھی نہ نکلے،

ساری عمر زینۃ المساجد مین بسر کر دی، سراج الدین علیخان آرزو کے شاگرد تھے، نزلہ سے اون کے دانت گر گئے اسلئے خان آرزو مذاقًا ان کو شاعر بے دانہ کہتے تھے،

مرزا رفیع سودا ان کے حق مین فرماتے ہین،

بنا ہین اٹھ گئین یارون غزل کے خوب کہنے کی گیا مضمون دنیا سے رہا سودا سو دیوانہ

مضمون کا کلام ملاحظہ ہو،

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق مین محبوب کیا　　صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

افسوس یار جھٹ پٹ لیتے ہین لکواٹکا　　کن ساحرون سے سیکھا زلفون نے تیرے لٹکا
چھپکر مخالفون سے اس طرح آ پلنگ پر　　کوئی سُنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا

کرے ہی دار بھی کامل کو سر تاج　　ہوا منصور سے یہ نکتہ حل آج

نہین ہین ہونٹھ تیرے پان سے سُرخ　　ہوا ہے خون میرا آکے لبریز

تیر مژگان برستے ہین مجھپر　　آب پیکان کا اسطرح ہی ڈھال

کیا سمجھ بلبل نے باندھا ہی چمن مین آشیان　　ایک تو گل بے وفا اور تس پہ جور باغبان

میرا پیغام وصل اے قاصد　　کہیو سب سے اُسے جدا کرکے

چلا کشتی مین آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہی　　کبھی آنکھین بھر آتی ہین کبھی جی ڈوب جاتا ہے

میر محمد شاکر ناجی

مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را خندہ می آورد و خود نمی خندید

گر تبسمی میکرد متوطن شاہجہان آباد بود تلاش صنعت ایہام بسیار داشت ۱۲ تذکرہ میر حسن

سید محمد شاکر ناجی عمدۃ الملک امیر خاں[1] محمد شاہی کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے، تیز مزاج، شوخ طبع راہ چلتے سے اُلجھتے اور جس کے گرد ہوتے اوسے پیچھا چھوڑانا مشکل ہوجاتا تھا،

[1] عمدۃ الملک نواب امیر خاں محمد شاہی عمدۃ الملک نواب امیر خان عالمگیری کے بیٹے تھے، امیر خان عالمگیری نواب علی مردان خاں کے داماد اور میر میران شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد میں تھے، اون کے ایک بھائی روح اللہ خان عالمگیر بادشاہ مرحوم کے مصاحب خاص تھے، امیر خان محمد شاہی کا نام سید اسحٰق والد کا نام سید میر میران تھا، ان کے والد عالمگیر مرحوم کے زمانے مین بائیس برس کابل کے صوبہ دار رہے، اور وہیں وفات پائی، اونھون نے خود ترقی کرتے کرتے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے مین بخشی گیری کے کام تک ترقی کی اور اپنی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بادشاہ سے ایسے شیر و شکر ہوئے کہ بادشاہ کو ان کے سوا کسی کی بات مین مزا ہی نہ آتا تھا،

۱۱۵۲ھ مین محمد شاہ بادشاہ کی کچھ آنکھین کھُلین تو آصف جاہ اوّل نظام الملک میر قمر الدین خان بہادر یاد آئے، اون کا آنا اس بات پر موقوف تھا کہ نواب امیر خان دربار سے دور رہین چار و ناچار بادشاہ نے اون کو الہ آباد کی صوبہ داری دیکر رخصت کردیا، مگر جب آصف جاہ واپس گئے تو پھر امیر خان دلی آگئے، اون کی طبیعت نہایت بذلہ سنج و لطیفہ گو واقع ہوئی تھی، وقت پر اون کو ایسی سوجھتی تھی کہ دوسرون کو پہرون فکر و کاوش کرنے سے وہ مضمون ہاتھ نہ آتا تھا،

یہ شاعر بھی تھے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں مین شعر کہتے تھے، اور انجام تخلص تھا، افسوس ہے کہ ۱۱۵۶ھ میں ایک سنگدل نے ایوان شاہی مین ان کو قتل کردیا،

دور سے آئے تھے، ساقی سُن کے میخانے کو ہم — پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

میر صاحب فرماتے ہین "مزاجش بشیتر مائل ہزل بود، بندہ با او یکدو ملاقات کردہ بودم ہزل خود می خواند و مردمان را بخندہ می آورد" افسوس ہی کہ میر شاکر ناجی کا نوجوانی مین انتقال ہو گیا طبیعت اون کی شعر و سخن سے بہت مناسب تھی، اگر عمر طبعی کو پہونچتے تو تبدیلی مزاج کے ساتھ کلام کی گرمی بہت بڑھ جاتی،

نہ پوچھو خوب بخوبی عارضِ خورشید کی خوبی | لیا ہی ذرہ ذرہ حسن مہرویان سے کر چندا

مجکو باتون مین لگا کیا جانیے کیا کہہ گیا | لیچلا جب دل کتئین منھ دیکھتا مین رہ گیا

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشمِ کرم | لب صدف کے تر نہین ہر چند ہی گوہر مین آب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر | کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

تک تو فرصت دے کہ رخصت ہو لیں صیاد ہم | مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم
ساتھ اپنے سر کے تھا انجام ہائے حکمت | شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر جلاد ہم

میں جو لائے پھرتیں یہ مجھ سے نادانی ہوئی | دختر رز رم میں آ شرم سے پانی ہوئی
نعش میری دیکھ کے مقتل میں یون کہنے لگے | کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہی پہچانی ہوئی

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہر گز رفو | سوزنِ تدبیر ہی گو سو برس سیتی رہے

اغنیا کے در بدر مقدور جبتک ہو نجا	سخت حاجت ہو تو جا لاچار گی ہی جا ضرور

انگوٹھی لعل کی کرتی قیامت آج اگر ہوتی	جنھون کی آن ہو پنچے لڑ موئے وہ ایک چھلے پر

نرگس کے تئین مین ہرگز لاتا نہین نظر مین	دیکھی ہین مینے آخر پیاری تمھاری آنکھین

نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتین ہین	یہ دن بہار کے لے جان مفت جاتے ہین

عید ہوتی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر	اب بتا دین طے کا روزہ دیکھکر مہمان کو
آج تو ناجی سجن سے کر لے اپنا عرض حال	مرنے جینے کا نکر وسواس ہونا ہو سو ہو

نادر شاہ کی چڑھائی کے وقت موجود تھے، اوس وقت دربار دہلی کا رنگ، شرفا کی خواری، پاجیون کی گرم بازاری اور ہندوستانیون کی آرام طلبی و نازپروری کو ایک طولانی مخمس مین دکھایا ہی، آزاد کو صرف دو بند ہاتھ آئے ہین انھین کو ضیافت طبع سمجھو،

لڑے ہوئے تو برس بیس اون کو بیتے تھے	دعا کے زور سے دائی دوا کے جیتے تھے
شراب گھر کی نکالے مزے سے پیتے تھے	نگار و نقش مین ظاہر گویا کہ چیتے تھے
گلے مین ہنسلیان بازو او پر طلا کی نال

قضا سے بچ گیا مرنا نہین تو ٹھانا تھا	کہ مین نشان کے ہاتھی اوپر نشانہ تھا
نہ پانی پینے کو پایا وہان نہ کھانا تھا	ملے تھے وہان جو لشکر تمام چھانا تھا
نہ ظرف و مطبخ و دکان نہ غلہ و بقال

مصطفےٰ خان یکرنگ

شاعر ریختہ معاصر میاں آبرو میگویند کہ بسیار چسپان اختلاط و آشنائے وقت بودہ اہ نکات الشعرا

کہن سال اور کہنہ مشق تھے، مگر باوجود اس کے حضرت مرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا کلام دکھاتے اور اون سے مشورۂ سخن کرتے تھے مصحفی نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہے کہ ایک قول کے موافق وہ خان آرزو کے اور ایک قول کی بنا پر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد سمجھے جاتے ہین، مگر خود اون کے فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ مرزا صاحب کے شاگرد تھے،

آزاد کہتے ہین بزرگون سے سُنا اور تذکرون مین بھی دیکھا بڑے مشاق تھے اور اپنے وقت مین سب اِنھین خوش فکر و باکمال مانتے تھے اور لطف یہ ہی کہ تخلص کی طرح عالم آشنائی مین بھی یکرنگ یکتا تھے،

اسقدر کیا ہے حمایت غیر کی ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

سنتا نہین ہی بات کسی کی تو اے سجن تجکو ترا غرور نجانون کرے گا کیا

کم نہین کچھ بوئے گل سیتی فغانِ عندلیب برگِ گل سے ہیگی نازک تر زبانِ عندلیب

سچ کہے جو کوئی تو مارا جائے راستی ہیگی دار کی صورت

پھر گیا ہائے ہم سے وہ بیدرد ‏ ‏ ‏ ‏ سرد مہری سہی ہوا کی طرح

کہتے ہین ہم پکار سنو کان دھر سجن ‏ ‏ ‏ ‏ گر غیر سے ملوگے تو دیکھوگے ہم نہین

ہرگز تم اب کسو کے سخن آشنا نہین ‏ ‏ ‏ ‏ سب خوبیان ہین تم مین ولے اک وفا نہین
یکرنگ نے تلاش کیا ہے بہت ولے ‏ ‏ ‏ ‏ مظہر سا اِس جہان مین کوئی میرزا نہین

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لینی ہے تو لے صیاد ‏ ‏ ‏ ‏ ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہے

کیا جانیئے کہ وصل ترا کس کے ہو نصیب ‏ ‏ ‏ ‏ ہم تو ترے فراق مین اے یار مر گئے

محمد حسین کلیم

اگرچہ کلیم در فارسی گذشتہ است اما کلیم ریختہ پیش فقیر انیست قطع نظر بندہ را بخدمت
او قرابت قریبہ است یک اخلاص تہ دلی دارم داکثر بحال این ہیچمدان شفقت می فرماید الحق کہ الشعرا
در فن شعر و شاعری استاد سخن بحر و خار طبعش و نثر و نظم موج زن رسالہ در عروض و قافیہ
ہندی تصنیف فرمودہ و فصوص را کہ عربی است بزبان ریختہ ترجمہ کردہ کتابے نثر در ہندی
نیز ایجاد کردہ، از تذکرہ میر حسن،

میر محمد حسین کلیم دلی کے رہنے والے تھے نظم و نثر دونون مین اون کو قدرت تھی میر محمد تقی میر

اون سے قرابت قریبہ رکھتے تھے،

میر حسن کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ فصوص کا اونھون نے اُردو مین ترجمہ کیا ہی

فصوص الحکم شیخ محی الدین بن عربی کی حقائق و معارف مین بڑی دقیق اور مشکل کتاب ہی، جس کا سمجھنا معمولی مولویون کے بس کی بات نہین، اونھون نے اُردو مین اوس کا ترجمہ کیا تو معلوم ہوتا ہی کہ علوم عربیہ مین مہارت کے ساتھ حقائق و معارف مین بھی بہت بلند پایہ شخص تھے،

عروض و قافیہ مین بھی ایک رسالہ لکھا ہی، غالبًا ہندی عروض و قافیہ کا یہ پہلا رسالہ ہوگا، اسی طرح اُردو نثر مین بھی ایک کتاب لکھی ہی، اوس کی نسبت میر حسن کہتے ہین کہ "در ہندی نثر کتابے نیز ایجاد کردہ" اس سے شبہہ ہوتا ہی کہ اون سے پہلے کسی نے نثر اُردو مین کوئی کتاب نہین لکھی، مگر یہ صحیح نہین، مقدمہ مین مینے بیان کیا ہی کہ فضلی نے دہ مجلس ۱۱۴۵ھ مین لکھی تھی اُن کی کتاب کا گو سنہ تصنیف معلوم نہین، مگر یقینًا احمد شاہ بادشاہ دہلی کے نابینا کئے جانے کے بعد لکھی گئی ہی، جیساکہ مندرجہ ذیل فقرہ سے معلوم ہوتا ہے، جس کو میر حسن نے نقل کیا ہے،

کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر آج کے دن بیٹھے ہین اندھے ہو بصیر
ایسی دولت سے زینہار زینہار فاعتبروا یا اولی الابصار

میر حسن کی رائے ہی کہ ان کے کلام مین نمک نہین تھا، اسی وجہ سے اس کو شرف قبول حاصل نہین ہوا، میر محمد تقی میر فرماتے ہین کہ مرزا عبد القادر بیدل کی روش پر شعر

لہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ گلشن بیخار میں کہتے ہیں کہ وہ میر تقی میر کے ہم عصر تھے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، طب بھی جانتے تھے، دیوان اور مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں مگر میری نظر سے نہیں گذریں

کہتے تھے، اِسی وجہ سے اون کے تہ دار شعر سمجھنے سے لوگ عاجز رہتے، وہ اپنے طرز کے آپ مالک ہین اون کے قصیدے وغزلین، رباعیان اور مخمس کا رنگ کسی کے رنگ سے ملتا نہ تھا، صاحب دیوان تھے مگر افسوس ہی کہ اون کا دیوان نظر سے نہین گزرا، تذکرون مین اون کے چیدہ وبرگزیدہ اشعار درج ہین اون کو پڑھکر اِس کا فیصلہ نہین کیا جا سکتا سب سے زیادہ افسوس مجھے اِس بات کا ہے کہ ایسے بڑے فاضل شخص کے حالات اب تک نہ تذکرۂ مشائخ مین ملے نہ اور کسی کتاب مین، معلوم نہین کہ کس خاندان مین پیدا ہوئے، کب پیدا ہوئے، کس سے تعلیم پائی، کس کی صحبت مین حقائق ومعارف کا چسکا پڑا، کس سے مشورۂ سخن کرتے تھے، اور کِس سنہ مین وفات پائی،

حقیقت یہ ہی کہ دلی عجب مردم خیز جگہ تھی جہان سے ایسے بڑے بڑے محدث فقیہ، صوفی اور شاعر اُٹھے کہ جس زمانے مین آج کا ایسا قحط الرجال نہین تھا اوس وقت دوسری جگہ اون کا نظیر ڈھونڈھنے سے بھی نہین مِل سکتا تھا،

کلیم کا کلام ملاحظہ ہو،

عمر رفتہ کا نپایا کھوج ہرگز اے کلیم ۔۔۔ آپ کو جون شمع مین ہر انجمن مین گم کیا

کِس پریشان نے قدم رکھا ہی پیچ وتاب سے ۔۔۔ جادہ آتا ہی نظر جون زلف کج برہم ہوا

لگتی ہی اب تو قلقل مینا سے دل کو ٹھیس ۔۔۔ وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

پاس ناموسِ محبت ہی مجھے اون سے کلیم ۔۔۔ باغ مین جاؤن نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

رکھتا ہے زلفِ یار کا کوچہ ہزار پیچ | اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

زلف کو خواب مین دیکھا تھا جنون سے شب کو | صبح بیدار ہوا پائی گلے مین زنجیر

سوزِ غم کھا چکا ہے دل اوس پر جگر جلا | کہتا ہے زخم مجکو ہے اک آرزو ہنوز

ہو گیا حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق | رہ گیا مین ترے کوچہ مین گرفتار ہنوز

ہم ہو گئے ہین ضعف سے جون بو میان باغ | پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

طریقِ عشق مین مجنون و کوہکن کو نکہ | ہزارون ہو گئے غارت سوا ایک دو معلوم

درازیِ شب ہجرانِ زلفِ یار کلیم | نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھون مین

مانند سرو ہون کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے | بیکار باغ ہون نہ سزاوار باغ ہون

نے اور طنبور مین یہ سوز تو معلوم اے مطرب | کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پیچ وہ مین آ نالان

غرورِ حسن ممکن کیا کسی کی داد کو پہونچے | غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہونچے

تجھے ہین آنکھون ہین کیونکر رکھون کہ ہی برسات ــــ پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خراب ٹپکے ہے

شاہ ظہور الدین حاتم

صاحب کمال پسندیدہ افعال عالی فطرت و بلند ہمت معاصر میان آبرو دو دیوان
ترتیب دادہ یکے بزبان قدیم بطور الہام و دوم بزبان حال اداے شہرۂ اشعارش بسیار است
اکثر غزلہائے او را نغمہ سرایانِ ہندی می خوانند ۱۵ تذکرہ میر حسن

ظہور الدین نام، حاتم تخلص، والد کا نام فتح الدین تھا، عمدۃ الملک نواب امیر خان
محمد شاہی کی سرکار مین ملازم تھے اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے،
میر بادل علی شاہ کا تکیہ دلی مین قدم شریف کے پاس رند مشرب لوگون کا ٹھکانا تھا،
یہ بھی وہان جایا کرتے، اور پہر دو پہر دل بہلا کر چلے آتے تھے، کچھ فقیر کی صحبت کچھ زمانے
کے انقلاب کا پھیر وہان آتے جاتے یہ بھی فقراے آزادمنش مین شامل ہو گئے،

شعر و سخن کا شوق شروع ہی سے تھا مشق سخن کرتے کرتے اُستاد بن گئے، پہلے رمز
تخلص کرتے تھے پھر حاتم ہو گئے، کلیات ان کا بہت بڑا ہی جو قصائد، غزلیات، رباعی،
اور مثنوی پر مشتمل ہی، آخر عمر مین کلیات مذکور سے منتخب کر کے ایک دیوان مرتب کیا اوسکا
نام دیوان زادہ رکھا، آزاد کہتے ہین کہ " وہ صاحبزادہ بھی پانچ ہزار سے زیادہ کا مال
بغل مین دبائے بیٹھا ہی،،

ولادت اِن کی بقول آزاد ۱۱۱۱ھ مین اور وفات ۱۲۰۰ھ اور بقول مصحفی ۱۱۹۶ھ مین
ہوئی ہی، اور دیوان زادہ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے زمانے مین مرتب کیا ہی،
میر محمد تقی میر حسب معمول اِن سے سخت ناخوش ہین، نکات الشعرا مین ارشاد فرماتے ہین

"مردیست حاہل و متمکن و متقطع وضع دیر آشنا غماندارد دریافتہ میشود کہ این رگ کس

سبب شاعری است کہ ہیچ من دیگرے نیست یا وضع او ہمین است"

چونکہ مرزا رفیع حاتم کے شاگرد تھے اور وہ میر صاحب کے حریف تھے، کیا عجب ہے

کہ شاہ حاتم میر صاحب کو خاطر مین نہ لاتے ہون،

آب حیات جاکے کسو نے پیا تو کیا — مانند خضر جگ مین اکیلا جیا تو کیا

ناسور کی صفت ہے نہ ہوگا کبھی وہ بند — جراح زخم عشق کا آکر سیا تو کیا

محتاجگی سوں مجکو نہین ایک دم فراغ — حق نے جہان مین نام کو حاتم کیا تو کیا

زندگی درد سر ہوئی حاتم — کب ملے گا مجھے پیا میرا

ہجر کی زندگی سے موت بھلی — کہ جہان سب کہین وصال ہوا

ستم سے تیرے مین جاتا ہون پھر نکھیو تو — کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو — آج تک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک — تب سے لگتی نہین پلک سے پلک

دلون کی راہ خطرناک ہوگئی آیا — کہ چند روز سے موقوف ہے سلام علیم

تو اذیت پیشہ دشمن ہی بغل مین دِل نہین دور ہو پہلو سے صحبت کے مرے قابل نہین

پیری مین حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر سوکھے درخت بھی کہین ہوتے ہین ہرے

بے مدد زلفون کے اوس کے حُسن نے قیدی کیا صید دل بے دام کرنا صنعتِ اُستاد ہے

اے خرد مند و مبارک ہو تمھین فرزانگی ہم ہون اور صحرا ہو اور وحشت ہو اور دیوانگی

اشرف علیخان فغان

بسیار جوان قابل و ہنگامہ آرا شعر ریختہ را بخوبی میگوید گاہے فکر غزل فارسی میکند

شاگرد قزلباش خان امید مرحوم ہست اہ نکات الشعرا،

شعرا بصفاے میگوید نسبت شاگردی بندیم میرساند چنانچہ خود گفتہ

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہی فغان دو دن کے بعد دیکھیو اُستاد ہووے گا

تذکرہ مصحفی

اشرف علیخان فغان احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ تھے، علی قلی ندیم سے مشق سخن کی، آزاد نے آبحیات مین تذکرہ مصحفی کے حوالہ سے لکھا ہی کہ قزلباش خان کے شاگرد تھے، مین سمجھتا ہون کہ آزاد نے مصحفی کا تذکرہ نہین دیکھا،

میر تقی میر نے بھی اِن کو قزلباش خان امید کا شاگرد لکھا ہی، ممکن ہی کہ پہلے اون سے اصلاح لیتے ہون پھر ندیم کے شاگرد ہوئے ہون، یا فارسی مین اون کے شاگرد ہون

اور اُردو مین ندیم کے جو کچھ بھی ہو مصحفی نے اون کو ندیم ہی کا شاگرد بتایا ہی، اسلیئے آزاد کا حوالہ غلط ہی،

فغان شعر و سخن ہی مین ماہر نہ تھے بلکہ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی مین یکتائے زمانہ تھے، احمد شاہ نے اسی لئے ان کو ظریف الملک کا خطاب دیا تھا، درانیون کے حملون نے دلی کیا ہندوستان کو تہ و بالا کر رکھا تھا، یہ پریشان ہو کر اپنے چچا ایرج خان کے پاس شدآباد چلے گئے، وہان سے لوٹتے ہوئے فیض آباد ٹھہر گئے، نواب شجاع الدولہ نے اعزاز و اکرام سے لیا، مگر ایک دفعہ جوشِ اختلاط مین گرم پیسے سے ان کا ہاتھ جلا ڈالا، یہ جلکر عظیم آباد چلے گئے راجہ شتاب رائے نے ان کی قدر دانی کی، یہ وہین رہ پڑے اور باقی عمر خوش حالی سے بسر کر کے ۱۱۸۶ھ مین دنیا سے انتقال کیا،

آزاد کہتے ہین کہ ایک دن اختلاط مین کہ نواب کے ہاتھ سے اون کا کپڑا جل گیا، یہ نازک مزاج بہت تھے، رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے" معلوم نہین کپڑے جلنے کی روایت کہان سے لی ہی؟ مصحفی نے ہاتھ جلنے کا ذکر کیا ہی اور یہی صحیح ہی،

مت قصد کر صبا تو دلِ داغ دار کا ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا

اوس کے وصال و ہجر مین یون ہی گزر گئی دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

کیا پوچھتے ہو حال فغان کا سنا نہین خانہ خراب عشق نے ویسا کھو دیا

دلبستگی قفس مین یہانتک ہوئی مجھے گویا مرا چمن مین کہین آشیان نہ تھا

کیا تو شبِ فراق مین جیتا رہا فغان
یہانتک گمان نہ تھا تجھے صبر و قرار پر

تا حشر نہ کم ہووےگی ظالم طپشِ دل
کافر ہون اگر گور مین آرام کرون مین

نے زندگی مین وصل میسر نہ بعد مرگ
عاجز ہوا ہون اے دلِ ناشاد کیا کرون

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہین
لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہین

صیاد راہِ باغ فراموش ہو گئی
کنجِ قفس سے تجھے آزاد کیجیو

آخر فغان وہی ہے اسے کیون بھلا دیا
وہ کیا ہوا تپاک وہ اُلفت کدھر گئی
مجھسے جو پوچھیے تو بہرحال شکر ہے
یون بھی گزر گئی مری وُون بھی گزر گئی

صنم نامہربان ہے اسقدر اے میرے رب کیا ہے
مری تقصیر کچھ ثابت نہین پھر یہ غضب کیا ہے
قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہے یون کہتا ہے جھنجھلا کر
یہ گستاخی مجھے بھاتی نہین اے بے ادب کیا ہے

بھر لیجیو دامن مین فغان لختِ جگر کو
ہم خانہ بدوشون کا سرانجام یہی ہے

تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہان فغان
اُلفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

حصۂ دوم

طبقۂ متوسطین

دور اوّل

حضرت مرزا مظہر جانجانان رح

میگویند که اول کسے که طرز ایہام گوئی را ترک نمودہ ریختہ را در زبان اُردوے معلیٰ شاہجہان آباد که الحال پسند خاطر عوام وخواص گردیدہ مروج ساختہ زبدۃ العارفین قدوۃ الواصلین واقف رموز جناب اکبر کاشف کنوز طریقہ پیمبر مرزا جانجانان متخلص بمظہر مردے است فرشتہ صفت علوی نسب ہندی مولد حنفی مذہب نقشبندی مشرب (نکات الشعرا مصنفۂ مولوی قدرت اللہ صدیقی تالیف سنہ ۱۱۰۰ھ)

در ابتدائے شوق شعر که ہنوز از میر و مرزا کسے در عرصہ نیامدہ بود دور دور ایہام گویان بود اول کسے که شعر ریختہ تتبع فارسی گفتہ اوست چون دران روزہا میر عبدالحی تابان دوستی بشدت داشت چند غزلیات متعددہ از خامۂ فکر ایشان بر صفحۂ کاغذ ریختہ بود که بشار الیہ الخ آہ و آخر ایشان را از شعر گفتن خود بزبان فارسی دادند بعد ازیں بریختہ زبان نیالودند مگر ہمان قدر که باصلاح دو سہ شاگردان بکار آید چنانچہ تربیت انعام اللہ خان یقین نسبت بہ محمد فقیہ دردمند که ساقی نامہ ایشان شہرت دارد متوجہ بودند در تمام دیوانش فصاحت و بلاغت زبان استاد جلوۂ ظہور می دہد فی الحقیقۃ

نقاش اول زبان ریختہ باعتقاد فقیر مرزا است بعدہ تتبعش بدیگران رسیدہ، اھ تذکرہ مصحفی تالیف ۱۲۰۹ھ

لطافت مزاج اور نزاکت طبع کا نتیجہ ہے کہ زبان کی طرف توجہ کی اور اُسے ایسا تراشا کہ جو شعرا پہلے کر رہے تھے انھیں پیچھے چھوڑ کر اپنے عہد کا طبقہ الگ کر دیا اور اہل زبان کو نیا نمونہ تراش کر دیا، جس سے پرانا رستہ ایہام گوئی کا زمین شعر سے مٹ گیا، ان کے کلام میں مضامین عاشقانہ عجب تڑپ دکھاتے ہیں، اور یہ مقام تعجب نہیں، کیونکہ قدرتی عاشق مزاج تھے، اور ون کے کلام میں یہ مضامین خیالی ہیں اون کے اصل حال اھ آبحیات ۳

شمس الدین جانجانان نام مظہر تخلص، والد کا نام مرزا جان تھا، عالمگیر مرحوم کے دربار میں صاحب منصب تھے، نسب اون کا باپ کی طرف سے محمد بن حنفیہؓ سے ملتا ہے، ماں بیجاپور کے شریف گھرانے سے تھیں، دادا بھی دربار شاہی میں صاحب منصب تھے، ۱۰۹ ی اسد خان وزیر کی خالہ زاد بہن تھیں، پردادا سے اکبر شاہ کی بیٹی منسوب ہوئیں تھیں، ان رشتوں سے تیموری خاندان کے نواسے تھے، کالا باغ علاقہ مالوہ میں ۱۱ رمضان ۱۱۱۱ھ کو پیدا ہوئے، عالمگیر مرحوم کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ "پسر جان پدر می باشد" اس کا نام ہم نے جانِ جان رکھا کثرت استعمال جانجانان ہو گیا

اٹھارہ برس کی عمر تھی کہ باپ مر گئے منصب کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، مگر توفیق خداوندی نے رہبری کی اور اس سعی بے حاصل کو چھوڑ کر ... ادر ... اتقیا ہوں کی جاروب کشی شروع کی، شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے جو اوس زمانہ میں شیخ المحدثین تھے ... حدیث پڑھی اور تیس برس تک مشائخ نقشبندیہ سے کسب کمال کیا

خدا نے مرزا صاحب کی طبیعت عجب باغ و بہار بنائی تھی شگفتہ ...

اس وقت بحث نہین اون کے اوضاع و اطوار اور ادب و آداب پر غور کرو کتنے سنجیدہ و برجستہ تھے، جو شخص اون کی صحبت مین بیٹھتا تھا ہوشیار ہو کر بیٹھتا تھا، لطافت مزاج اور سلامتی طبع کی نقلین ایسی ہین کہ آج سن کر تعجب آتا ہی، خوش تقریر ایسے تھے کہ بات کہتے وقت منہ سے پھول جھڑتے تھے، اون کے کمالات گوناگون کی وجہ سے ہر ایک کو اون سے ملنے کی تمنا رہتی تھی، میر صاحب نکات الشعرا مین فرماتے ہین "بندہ بخدمت او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است..... خوش تقریر بمرتبہ است کہ در تحریر نمی گنجد" انشاء اللہ خان دریائے لطافت مین لکھتے ہین، "از بسکہ آوازۂ فصاحت و بلاغت جناب فیضمآب مرزا جانجانان مظہر علیہ الرحمہ گوش راقم را مقرخود میداشت دل با دیدہ مستعد ستیزہ شد کہ چرا از دیدار مرزا صاحب خود را این ہمہ محروم می پسندی و مرا از لذت جاودانی و عیش روحانی کہ در کلام معجز نظام آنحضرت است باز میداری"

شیخ علی حزین ہندوستان مین کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے، ایک بار دلی مین لب سڑک ایک کوٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے، مرزا صاحب گھوڑے پر سوار ہو اوسی سڑک سے گزرے، شیخ علی حزین نے دیکھکر پوچھا "این کدام جوان است" سامع ایک شاعر اون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اونھون نے کہا مرزا جانجانان، شیخ نے کہا "چشم بد دور ہمہ دانی و ہمہ جانی"

استغنا اور بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر کسی بادشاہ یا وزیر کے سامنے سر نیاز خم نہین کیا، ایک بار محمد شاہ نے نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان کو بھیجکر کہلا بھیجا کہ اتنا بڑا ملک خدا نے مجکو دیا ہی اس مین سے جو کچھ چاہیئے قبول فرمائیے، ہنس کر فرمایا "قل متاع الدنیا قلیل" خدا نے ہفت اقلیم کو قلیل فرمایا ہی، پھر ایک اقلیم مین سے ایک ولایت آپ کے حصہ مین

ؔ۱ معمولات مظہریہ،

آئی ہو وہ کتنی ہو کہ فقرا اوس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑہائے[1]،

نواب فیروز جنگ نے خانقاہ، مسجد، کنوان، یومیہ اور گانؤن فقرا کے لیئے پیشکش کیئے قبول نہ کیئے اور فرمایا کہ موت قریب آپہونچی ہو اوس کی تدبیر کرنا ضروری ہی، معلوم نہین کہ تب تک حیات وفا کرے یا نہ کرے[2]،

نواب آصف جاہ نے ایک بار تیس ہزار روپیہ نذر کیا، آپ نے قبول نہین فرمایا، نواب نے کہا کہ لیکر محتاجون کو بانٹ دیجئیے، فرمایا کہ مجکو اِس کا سلیقہ نہین، یہان سے نکل کر بانٹتے چلے جائیے، گھر تک پہونچتے پہونچتے تقسیم ہوجائے گا، نہو تو وہان ہو رہے[3] گا،

حقیقت یہ ہی کہ مرزا صاحب جس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے اوس کے لیئے اِس در وسر کو گوارا کرنے کی ضرورت بھی نہین تھی، اونھون نے زندگی بھر کہین گھر نہین بنایا، کسی دوست کے گھر یا کرایہ کے مکان مین رہتے، ایک جوڑے سے زیادہ کپڑا نہ رکھتے، کھانا کسی کے گھر نہ کھاتے نہ پکواتے وقت کے وقت بازار سے منگوا کر کھالیتے، عام دعوتون کو قبول نہ فرماتے دوسرے مشائخ کی طرح عرس اور فاتحہ نہ کرتے جس کے لیئے روپیہ کی ضرورت پڑتی[4]،

نذر و نیاز کے لیئے ایسی کڑی شرطین لگا رکھی تھین کہ مشکل سے پوری ہوتی ہون گی (۱) یہ کہ پیش کرنے والا شریف ونجیب ہو (۲) دنیا دارون سے اختلاط نہ رکھتا ہو (۳) فی الجملہ صالح و پرہیزگار ہو (۴) حلال و حرام مین تمیز کرنے کا علم رکھتا ہو (۵) ایسے ملک سے تازہ وارد نہو جہان لوٹ مار ہوتی ہو (۶) اخلاص و عقیدت سے پیش کرتا ہو[5]،

سچ یہ ہی کہ نازک مزاجی اور مرزائیت کے ساتھ درویشی کا بلند مرتبہ پر قائم رکھنا ہر کسی کا کام نہین، مولانا نعیم اللہ نے ٹھیک کہا ہی کہ "احوال اجتماع اوضاع آن مشکل پسند باوجود

---

[1] مقامات مظہریہ، [2] مقامات [3] مقامات [4] مقات [5] معمولات مظہریہ،

مرزائیت ونازک مزاجی کہ باطور درویشی موافقت ندارد بمیزان تقریمی سنجد، خود مرزا صاحب نے بھی جابجا اِس کی طرف اشارہ کیا ہی ؎

درجنون ہم میرزائی از دماغ ما نرفت — کہ برائے خوش حمامے زگلخن داشتیم

بجائے سنگ طفلان پارہ ہائے شیشہ باید زد — چو مظہر میرزا دیوانۂ نازک طبیعت تو

مظہر زما برید و دگر یاد ما نکرد — دیوانہ خوش نبود زد وضع کرخت ما

افسوس ہو کہ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نے حسب معمول ان کے حالات بیان کرنے مین چٹکیان لی ہین، کہین واقعہ کی صورت ایسی بنائی ہی جس مین بجائے مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہی، ایک جگہ فرماتے ہین کہ "ان کے باب مین بہت سے لطائف ایسے مشہور ہین کہ اگر آج کسی مین پائے جائین تو زمانہ کے لوگ اچھا نہ سمجھین...... کچھ تو اِس اعتقاد سے ع

خطائے بزرگان گرفتن خطا است

اور کچھ...... مین روسیاہ بزرگون کی ہر بات کو چشم عقیدت کا سرمہ سمجھتا ہون الخ[۱۳۹]" تاباںؔ[۱] کا حال جیسا چاہئے تھا کرکھا ہی اور پھر گو تنبدن کا فسانہ جس طرح سے بیان کیا ہی وہ بھی ملاحظہ طلب ہی

---

[۱] میر عبدالحی تاباں نبوی سید تھے دلی میں پیدا ہوئے۔ ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ ان کو یوسف ثانی کہتے تھے اس حسن وجمال کے ساتھ عاشق مزاج بھی تھے، اور شعر و سخن سے اون کو خدا داد مناسبت تھی، شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچہ میں ان کو اپنا شاگرد لکھا ہی، اور شیفتہ نے گلشن بیخار میں ان کو مرزا رفیع سودا کا شاگرد لکھا ہے، مگر خود تاباں کے کلام سے پایا جاتا ہی کہ وہ میر محمد علی حشمت کے شاگرد تھے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

(صفحہ ۱۳۹) شعر مندرجہ صفحہ ۱۴۰ اکو پڑھیئے پھر مرزا صاحب جیسے مہذب کو اور آزاد کی معذرت کو دیکھیئے، فرماتے ہین کہ "تہذیب آنکھ دکھاتی ہی مگر کیا کیجیئے ایشیا کی شاعری کہتی ہی کہ یہ میری صفائی زبان اور طراری کا نمک ہی (صفحہ ۱۴۰) مرزا رفیع سودا کی ہجو پہ حاشیہ چڑھاتے ہین کہ "ایک دھوبن گھر مین ڈالی تھی" (صفحہ ۱۴۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میر صاحب نکات الشعرا میں فرماتے ہین "نسبت بشعرا و اُستاد او ارتہ شاگردی او ہنود"

اِس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ حشمت ہی کے شاگرد تھے، ممکن ہی کہ شاہ حاتم سے بھی اصلاح لی ہو، سودا کی شاگردی صحیح نہیں معلوم ہوتی، تاباں مرحوم کو عنفوان شباب میں میگساری کی عادت پڑ گئی تھی اور وہ اتنی بڑھی کہ اون کے لیئے بلائے جان ہو گئی، ہر وقت مدہوش رہنے کی وجہ سے دوستون نے اون سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا، میر حسن صاحب فرماتے ہین کہ مرنے سے سات آٹھ روز پہلے اکبارگی اوس کو چھوڑ دیا اور اپنے دوستوں کو اس مضمون کے رقعے لکھ بھیجے "عزیزان من توبہ کردم شما شاہد و خبر گیران من باشید چرا کہ شراب بسبب کثرت استعمال مزاج من شدہ بود از گذاشتن این ارخود گذشتن من بنزدیک می نماید غافل از احوال من بودن از عقل بسیار دور است" آخر کار وہی ہوا کہ وہ جانبر نہو سکے،

میر تقی میر اور میر حسن نے اون کے اور مرزا مظہر علیہ الرحمہ کے تعلقات کا کچھ ذکر نہین کیا، تاہم کچھ شبہہ نہیں کہ تاباں کو مرزا صاحب سے عقیدت اور مرزا صاحب کو اون سے محبت تھی، بعضوں نے لکھا ہی کہ مرزا صاحب کے مرید ہو گئے تھے، مگر جو شخص پیر و مرید کے تعلقات خصوصاً مرزا صاحب کے انداز اور طور و طریقہ سے واقف ہوگا وہ کبھی اون خرافات باتون کو تسلیم نہیں کر سکتا جن کو آزاد نے آبحیات میں بیان کیا ہی،

تاباں مرحوم کے چند اشعار،

کس کس طرح کی دل مین گذرتی ہین حسرتی ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

(بقیہ صفحہ آیندہ پر)

کسی واقعہ کی صورت بنانے کا نمونہ ملاحظہ ہو فرماتے ہین کہ "ایک نواب صاحب دِن کے
خاندان کے مرید تھے، ملاقات کو آئے اور خود صراحی لیکر پانی پیا، اتفاقاً جو آبخورہ رکھا ٹیڑھا
رکھا، مرزا صاحب کا مزاج اِس قدر برہم ہوا کہ ہرگز ضبط نہ ہو سکا اور بگڑ کر کہا کہ عجب بیوقوف
احمق تھا جس نے تمھین نواب بنا دیا آبخورا بھی صراحی پر رکھنا نہین آتا" مین پوچھتا ہون کہ
اِس مین لطیفہ کیا ہوا، یہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اوس مین بجائے مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہے
مرزا صاحب کی نازک مزاجی نہین آتش مزاجی ضبط و تحمل کی کمی اور بدتہذیبی کی بین مثال ہو سکتا ہے، نواب کے
قصور پر بادشاہ کو بیوقوف اور احمق مرزا صاحب کی زبان سے کہلانا کتنی دور از قیاس بات ہے

واقعہ یہ ہے کہ ایک نواب زادے ملنے کو آئے جن کا تمام خاندان مرزا صاحب سے
عقیدت رکھتا تھا اور خود یہ صاحبزادے مرزا صاحب کے شاگرد تھے، اِن کو پیاس معلوم ہوئی
اِدھر اودھر دیکھنے لگے کوئی آدمی نظر نہین آیا، مرزا صاحب سمجھ گئے، فرمایا کہ پیاس ہو تو خود
اُٹھ کر پی لو، گھڑا اور آبخورہ قرینہ سے ایک طرف کو رکھا ہوا تھا، اونھون نے اوٹھ کر پانی
پیا اور آبخورہ جو رکھا ٹیڑھا رکھا، گھڑے کو بھی سیدھا نہین کیا اور آ کر بیٹھ گئے اور جوشِ
عقیدت مین آ کر عرض کیا کہ بغیر کسی پیش خدمت کے آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی اگر ارشاد ہو تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ملتا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب — دو دل جو ملتے دیکھے کبھی اس جہاں کے بیچ

انکار ہو تو اوس سے کوئی دردِ دل کہے — تو جانتا ہے میں اوسے آگاہ کیا کرون

اے باغبان اٹھو جاتے ہیں ہم قفس میں — چھوٹے تو پھر ملیں گے گر بال و پر رہین گے
جاتی ہے عمر ہر دم ہم کو خبر نہین ہے — کیا جانئے کہ کب تک ہم بے خبر رہین گے

ایک دو خدمتگار مین متعین کردون، مرزا صاحب نے ہنس کر گھڑے کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تم کو آبخورہ رکھنے کا سلیقہ نہین تو تمھارے خدمتگار کو کیا ہوگا"،

اصل یہ ہی کہ مولانا آزاد نے مرزا صاحب کو آبحیات مین ناخواستہ طبیعت جگہ دی ہی جیسا کہ اون کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہی، وہ جوش و خروش اور کثرت کلام ڈھونڈھتے ہین جو یہان نہین ملتا[1]، اِس کا حال مصحفی سے سنو وہ کہتے ہین "ہنوز از میر و مرزا کسے در عرصۂ وجود نیامدہ بود و دور دور ایہام گویان بود اول کسے کہ شعر ریختہ را بہ تتبع فارسی گفتہ اوست"، آگے بڑھکر کہتے ہین "نقاش اول زبان ریختہ باعتقاد فقیر مرزا است"

مرزا صاحب کا دیوان ریختہ کوئی موجود نہین، یقین کا دیوان اُٹھا کر دیکھو، اور انصاف کرو، مصحفی کہتے ہین "در تمام دیوانش فصاحت و بلاغت زبان استاد جلوہ ظہور می دہد"،

مرزا صاحب کا ایک دیوان فارسی ہی، ساٹھ برس کی عمر ۱۱۷۰ھ مین ۲۰ ہزار شعر مین سے ایک ہزار شعر انتخاب کیئے تھے، اِسی واسطے اکثر غزلین نا تمام ہین، فارسی کلام کے متعلق میر تقی میر کی رائے ہی کہ وہ سلیم و کلیم کے کلام سے کم پایہ نہین، میر صاحب کے الفاظ یہ ہین "دیوان مختصر فارسی او بنظر فقیر مؤلف آمدہ است از سلیم و کلیم پایۂ کمی ندارد اگرچہ شعر گفتن دون مرتبہ اوست لیکن گاہے متوجہ این فن بحاصل میگردد"،

[1] یہان تو نہین مگر میر ضاحک اور میر خلیق کے یہان کیا مل گیا، میر ضاحک کا ایک شعر اور میر خلیق کے دو شعر ہاتھ آئے، مگر اون کے حالات لکھنے کی بے چینی ملاحظہ ہو، میر ضاحک کے حالات مین فرماتے ہین "ابتدا سے دل چاہتا تھا کہ اِس خانوادۂ سیادت کا سلسلہ مسلسل لکھون مگر پھول نہ ہاتھ آئے جو لڑی پروتا...... اب کہ طبع ثانی کا موقع ہو آرزوئے قدیم پھر دل مین لہرائی ناچار برسون کے سوکھے مرجھائے پھول دلِ افسردہ کے طاق مین پڑے تھے اونھین کا سہرا بنا کر سادات عظام کے روضون پر چڑھاتا ہون الخ"

خریطۂ جواہر ایک مختصر انتخاب اساتذۂ فارسی کے اشعار کا ہے، کہ اپنے پسند کے موافق لکھتے گئے تھے، وہ حقیقت مین خریطۂ جواہر ہی، اور فارسی دیوان کے ساتھ یہ بھی چھپ گیا ہے،

اُردو مین پورا دیوان نہین، غزلین اور اشعار ہین جو سودا اور میر کی زبان ہے، وہی ان کی ہی، شاگردون مین اِنعام اللہ خان، یقین، میر محمد باقر حزین، خواجہ احسن اللہ خان بیان، مصطفےٰ خان یکرنگ، بساون لعل بیدار، ہیبت قلی خان حسرت، محمد فقیہ دردمند، صاحبِ دیوان اور اچھے شاعر ہوئے ہین،

ساتوین محرم کی تھی کہ رات کے وقت ایک شخص آیا، دروازہ بند تھا، اوس نے آواز دی، باہر نکلے تو ایک قرابین ماری، وہ تو بھاگ گیا، مگر حضرت کو زخم کاری رہا تین دن تک استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ زندہ رہے، عالم اضطراب مین لوٹتے تھے اور اپنے ہی اشعار پڑھتے تھے،

نبا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن | خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

سیل خون از سینۂ گرمم روان کرد است عشق | نازم اعجازش کہ طوفان از تنور آوردہ است

زخم دل منظر مبادا بہ شود آگاہ باش | کاین جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ قاتل نہیں ملتا پتہ بتایئے تو ہم اوس کو سزا دین، جواب مین فرمایا کہ فقیر کشتہ راہ خدا ہین مردہ کا مارنا قتل نہین، قاتل ملے تو آپ سزا نہ دین یہان بھیجدین

آخر دسوین محرم ۱۱۹۵ھ کی شام کو اہلبیت کرام سے جا ملے، میر قمرالدین منت کی تاریخ ہے

جس کا مادہ خاص الفاظ حدیث ہین اور اتفاق یہ کہ موزون مین عاشق حمید امات شہید ا
لوح مزار پر خود حضرت کا یہ شعر کندہ ہی، جو بالکل حسب حال اور صحیح پیشگوئی ہی،

بلوح تربتِ من افتند از غیب تحریرے | کہ این مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

چونکہ اردو کا کلام حضرت کا نایاب ہی، لہذا جس قدر بجکولِ سکا ہو بغیر انتخاب کے ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لیے پیش کرتا ہون،

چلے اب گل کے ہاتھون سے لٹا کر کاروان اپنا | نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن مین کچھ نشان اپنا
یہ حسرت رہگئی کس کس مزے سے زندگی کرتے | اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغبان اپنا
الم سے یان تلک روئین کہ آخر ہوگئین رسوا | ڈبویا ہائے آنکھون نے مژہ کا خاندان اپنا
رقیبان کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہی نہ خوبان کی | مجھے ناحق ستاتا ہی یہ عشق بدگمان اپنا
مرا جی جلتا ہی اس بلبل بیکس کی غربت پر | کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیان اپنا
جو تو نے کی سو دشمن بھی نہین دشمن سے کرتا ہی | غلط تھا جانتے تھے تجکو جو ہم مہربان اپنا
کوئی آزردہ کرتا ہی سجن کو اپنے کو ہے ظالم | کہ دولتخواہ اپنا مظہر اپنا جانجان اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا | لیکن اِس جور وجفا کا بھی سزاوار نہ تھا
لوگ کہتے ہین موا مظہرِ بیکس افسوس | کیا ہوا اوس کو کہ اتنا بھی وہ بیمار نہ تھا

نہین کچھ غم کہ کیون جلتا نہین ہمیان کس میرا | کہ مین روتا ہون دل کی بیکسی پر ہائے دل میرا

جوان مارا گیا خوبان کے اوپر میرزا مظہر | بھلا تھا یا برا تھا ز ورکچھ تھا خوب کام آیا

زخمی تری نگہ کا اِک پل جیا تو پھر کیا
صیاد کی بغل مین ٹک دم لیا تو پھر کیا

ہم نے کی ہی توبہ اور دھومین مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہین کیا مفت جاتی ہی بہار

لالۂ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہی شور
کیا قیامت ہی موؤن کو بھی ستاتی ہی بہار

نرگس و گل کی کھلی جاتی ہین کلیان دیکھو سب
پھر ان خوابیدہ فتنون کو جگاتی ہی بہار

ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہی گلشن مین لیک
جی نکل جاتا ہی جب سنتے ہین آتی ہی بہار

شاخ گل ہلتی نہین یہ بلبلون کو باغ مین
ہاتھ اپنے کے اشارہ سے بلاتی ہے بہار

اتنی فرصت دے کہ ہو لین رخصت اے صیاد ہم
مدتون اِس باغ کے سایہ مین تھے آزاد ہم

گر گل کو گل کہون تو ترے رو کو کیا کہون
بولون نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہون

توفیق دے کہ شور سے اکدم وہ چپ رہے
آخر یہ میرا دل ہے الٰہی جرس نہین

مت اختلاط کر اے نو بہار تو ہم سے
ہمین ہین ہونے کا اِس خاک کو دماغ نہین

لوگ کہتے ہین مر گیا مظہر
فی الحقیقت مین گھر گیا مظہر

یہ بلبلون کا صبا مشہد مقدس ہی
قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہین

آج مت رنگ حنا سے کفِ پا لال کرو　　اے بتان اِس دلِ پُرخون کو پامال کرو

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن　　نہایت منہ لگایا ہی سخن نے بیڑۂ پان کو

آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو　　مت اِس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

اوس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ　　اِس واسطے لگا ہون چمن کی ہوا کے ہاتھ

برگِ حنا اوپر لکھوا حوالِ دل مرا　　شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ

آزاد ہو رہا ہون دو عالم کی قید سے　　مینا لگا ہے جب سے مجھ بینوا کے ہاتھ

مرتا ہون میرزا ئیے گل دیکھ ہر سحر　　سورج کے ہاتھ جنوری تو پنکھا صبا کے ہاتھ

مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کو اپنے تو　　یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

الٰہی مت کسو کے پیش رنجِ انتظار آوے　　ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

تجلی گر تری پست و بلند اون کو نہ دکھلاتی　　فلک یون چرخ کیون کھاتا زمین کیون فرش ہو جاتی

حنا تیرے کفِ پا کو نہ اِس شوخی سے سہلاتی　　یہ آنکھین کیون لہو روتین و نھون کی نیند کیون جاتی

اگر یہ سرد مہری تجکو آسایش نہ سکھلاتی　　تو کیونکر آفتابِ حسن کی گرمی مین نیند آتی

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا　　محبت گر ہماری چشمِ تر سے مینہ نہ برساتی

زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر کیا   صیاد کی بغل مین ٹک دم لیا تو پھر کیا

ہم نے کی ہی توبہ اور دھومین مچاتی ہے بہار   ہائے بس چلتا نہین کیا مفت جاتی ہی بہار

لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہی شور   کیا قیامت ہی موؤن کو بھی ستاتی ہی بہار

نرگس و گل کی کھلی جاتی ہین کلیان دیکھو سب   پھر ان خوابیدہ فتنون کو جگاتی ہی بہار

ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہی گلشن مین لیک   جی نکل جاتا ہی جب سنتے ہین آتی ہی بہار

شاخ گل ہلتی نہین یہ بلبلون کو باغ مین   ہاتھ اپنے کے اشارہ سے بلاتی ہے بہار

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہو لین اے صیاد ہم   مدتون اس باغ کے سایہ مین تھے آزاد ہم

گر گل کو گل کہون تو ترے رو کو کیا کہون   بولون نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہون

توفیق دے کہ شور سے اکدم وہ چپ رہے   آخر یہ میرا دل ہے الٰہی جرس نہین

مت اختلاط کر لے نو بہار تو ہم سے   چمن مین ہونے کا اس خاک کو دماغ نہین

لوگ کہتے ہین مر گیا مظہر   فی الحقیقت مین گھر گیا مظہر

یہ بلبلون کا صبا مشہد مقدس ہی   قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہین

آج مت رنگ حنا سے کف پالال کرو | اے بتان اِس دلِ پرخون کو پامال کرو

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن | نہایت منہ لگایا ہی سخن نے بیڑہ پان کو

آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو | مت اِس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

اوس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ | اِس واسطے لگا ہون چمن کی ہوا کے ہاتھ

برگِ حنا اوپر لکھوا احوالِ دل مرا | شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ

آزاد ہو رہا ہون دو عالم کی قید سے | مینا لگا ہے جب سے مجھ بینوا کے ہاتھ

مرتا ہون میرزائیِ گل دیکھ ہر سحر | سورج کے ہاتھ چنوری تو پنکھا صبا کے ہاتھ

مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کو اپنے تو | یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

الٰہی مت کسو کے پیش رنجِ انتظار آوے | ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

تجلی گر تری پست و بلند اون کو نہ دکھلاتی | فلک یون چرخ کیون کھاتا زمین کیون فرش ہو جاتی

حنا تیرے کفِ پا کو نہ اِس شوخی سے سہلاتی | یہ آنکھین کیون لہو روتین و انھون کی نیند کیون جاتی

اگر یہ سرد مہری تجکو آسایش نہ سکھلاتی | تو کیونکر آفتابِ حسن کی گرمی مین نیند آتی

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا | محبت گر ہماری چشم تر سے منہ نہ برساتی

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہی — کہان اوس کو دماغ و دل رہا ہی

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہی — نہ مجکو وہ دماغ و دل رہا ہی

نہین آتا کسی تکیہ اوپر خواب — یہ سر پانون سے تیرے ہل رہا ہی

خدا کے واسطے اِس کو نہ ٹوکو — یہی اِک شہر مین قاتل رہا ہی

خدا کو اب تجھے سونپا اے دل — یہین تک تھی ہماری زندگانی

مرزا محمد رفیع سودا

جوانے است خوش خلق و خوش خوے گرم جوش، یار باش، شگفتہ روئے، مولد او شاہجہان آباد است، نوکر پیشہ، غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب میگوید، سر آمد شعرائے ہند اوست بسیار خوش گو است چنانچہ ملک الشعرائے ریختہ اورا شاید از نکات الشعرا میر تقی،

در فنون انواع سخن طاق و بجمیع کمالات سخنوری شہرۂ آفاق در مضمار قصیدہ گوئی گوئے سبقت از عرفی و خاقانی ربودہ در غزل گوئی سلیم و کلیم را پس پشت می گذارد بسیار خوش فکر و بدیہہ گو است چند مدت بسبب ویرانگی دہلی در بلدہ فرخ آباد ہمراہ مہربان خان ماندہ الحال بطرف لکھنؤ رفتہ نوکر نواب شجاع الدولہ بہادر شدہ است از طبقات الشعرا

الحال در سرکار نواب شجاع الدولہ بہادر بوسیلۂ فن شاعری سرافراز است در علم موسیقی بہرہ ور است و تصانیف بسیار در لسیہ ہم دارد تا حال مثل او در ہندوستان جنت نشان کسے بر نخاستہ اکثر فقیر در خدمت آن بزرگوار می رسد بسیار کرم میفرمایند از تذکرہ میر حسن

زعم بعضے آنکہ سرآمد شعرائے فصاحت اما مرزا محمد رفیع سودا در غزل گوئی بوسے (میر تقی) نرسیدہ اما حق آنست کہ ع ہر گلے را رنگ بوئے دیگر است، مرزا دریائے است بیکران و میر نہرے است عظیم ایشان در معلومات قواعد میر را بر مرزا برتریست و در قوت شاعری مرزا را بر میر سروری اھ تذکرہ حکیم قدرت اللہ خان،

بر عم فقیر غزلش بہ از قصیدہ است و قصیدہ اش بہ از غزل اگر گوئی کہ غزل از اشعار رکیک مملو است و قصیدہ ازان خالی زیادہ ازین چہ تواں گفت کہ قباحت این تحقیق بر نظارگیان دیوانش خالی اھ گلشن بیخار،

مرزا محمد رفیع سودا کے والد مرزا محمد شفیع میرزایان کابل سے تھے، بزرگون کا پیشہ سپہ گری تھا، مرزا شفیع بطریق تجارت ہندوستان آئے، ہند کی خاک دامنگیر ہوئی، یہین کے ہو رہے، مرزا رفیع ۱۱۲۵ھ مین پیدا ہوئے، دلی مین ترمیت اور پرورش پائی، اول سلیمان قلی خان وداد کے پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے، طبیعت شعر و سخن کے مناسب تھی، کثرتِ مشق نے اوس مین جلا دیدی، اُستاد کی زندگی ہی مین اون کی اُستادی کو خاص و عام نے مان لیا اور اون کی غزلین گھر گھر ہر ایک کی زبان پر چڑھ گئین، شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لیئے اون کو دینے لگے، اور دلی جیسے شہر مین ان کے فضل و کمال کو سب لوگون نے مان لیا،

یہ بھی جب تک ہو سکا دلی سے باہر نہین نکلے، شاہ عالم کا جب کھیل بگڑا اور بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ رہا تو بادلِ ناخواستہ نکلے، فرخ آباد مین نواب احمد خان غالب جنگ برسر حکومت تھے مہربان خاں رند اون کا دیوان تھا، وہ خود شاعر اور شاعرون کا قدردان تھا، اوس زمانہ مین دلی سے جو نکلتا اوس کی پہلی منزل فرخ آباد ہوتی تھی، یہ بھی براہ راست فرخ آباد آئے

اور مہربان خان کی مہربانی سے چند سال تک اطمینان و فراغت سے زندگی بسر کی،

۱۱۸۵ھ میں نواب احمد خان کا انتقال ہوگیا، یہ برداشتہ خاطر ہوکر فیض آباد چلے آئے، اوس وقت ان کا سن ساٹھ برس کا ہوچکا تھا، نواب شجاع الدولہ بسر حکومت تھے وہ بہت اعزاز سے ملے اور اون کی تنخواہ مقرر کردی،

شجاع الدولہ کے بعد نواب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے، ان کا فیض آباد میں جی نہین لگا، اپنی ماں بہو بیگم[1] کی روک ٹوک سے گھبرا کر لکھنؤ چلے آئے اور اِس کو مرکز حکومت

[1] بہو بیگم کا اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا، یہ موتمن الدولہ نواب محمد اسحٰق خان شوستری کی بیٹی تھیں محمد شاہ بادشاہ نے ان کو اپنی بیٹی بنایا تھا اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی، جہیز میں وہ کچھ دیا جو ایک شاہزادی کو مل سکتا تھا، سسرال سے بہو بیگم اور خاص محل کا خطاب ملا یہ بڑی فرزانہ اور دانشمند بیگم تھین فیاضی اور سیر چشمی میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا، جب دلی کی سلطنت بگڑی تو بھائیون کو بھی سمیٹ لیا، اور باپ بھائی کے ملنے والوں پر کیا موقوف ہے دلی کا ادنیٰ اور اعلیٰ جو آجاتا اوس کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتی تھیں، ان کے حسن سلوک کی وجہ سے فیض آباد دلی کا ایک محلہ بن گیا تھا، نواب آصف الدولہ ان کے اکلوتے بیٹے تھے مگر ان میں باپ کا سا منچلا پن تھا نہ ماں کی سی فرزانگی، صرف ایک فیاضی ان سے ترکہ مین ملی تھی، ماں ان کی خفیف حرکتون سے ناخوش ہوتین اور روک ٹوک کرتی تھیں اور ان کو دل کھولکر اپنے ارمانوں کے نکالنے کا موقع نہ ملتا تھا، اِس وجہ سے شکار کے بہانے فیض آباد سے لکھنؤ آگئے اور پھر یہیں محلسرائیں باغات اور بازار تیار کرا کے رہ پڑے، بہو بیگم کی جاگیر بہت بڑی تھی جو بجائے خود ایک چھوٹی سی ریاست تھی، علاوہ اسکے جواہرات کا ذخیرہ بھی اون کے پاس بہت کچھ تھا، ساری عمر دل کھولکر خرچ کیا آصف الدولہ کے بعد سعادت علی خان ہمیشہ ان کے مرنے اور اس دولت پر قابض ہونے کے متمنی رہے، مگر بہو بیگم ان کو مار کر مریں اور مرتے مرتے ایک کرور کے روپیہ اور کچھ اوپر چھبیس لاکھ کا وثیقہ سرکار کمپنی کی تحویل مین دیکر دستاویز کردی کہ اون کے اعزہ اور متوسلین کی جو تنخواہیں اونھوں نے کر رکھی ہیں ہمیشہ جاری رہیں چنانچہ اون لوگوں کی اولاد اوس سے فائدہ اٹھا رہی ہے،

قرار دیا تو مرزا رفیع بھی لکھنؤ آ رہے اور جب تک جیتے رہے نواب اور اہل لکھنؤ کی قدردانی سے فارغ البال رہے،

آزاد کہتے ہین کہ ۱۱۸۵ھ مین لکھنؤ پہونچے نواب شجاع الدولہ نے بے تکلفی سے یا طنز سے کہا کہ مرزا تمہاری وہ رباعی اب تک میرے دل پر نقش ہی یہ پاس وضعداری پھر دربار نہ گئے،" یہ سب افسانہ ہی، شجاع الدولہ فیض آباد مین رہتے تھے، لکھنؤ کی اوس وقت ایک قصبہ سے زیادہ حیثیت نہ تھی، یہ بھی غلط ہی کہ دلی سے براہ راست یہان آئے، یہ بھی غلط ہی کہ سودا ایک بار کے سوا پھر دربار نہین گئے، شجاع الدولہ جب تک جیتے رہے یہ اون کی ملازمت مین رہے ان کے کلیات مین متعدد قصیدے شجاع الدولہ کی تعریف مین موجود ہین، مصحفی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین، "ہر جا کہ می رفت عزت وحرمت تمام می یافت نواب مرحوم مغفور نیز بودن اورا در سرکار خود بسیار غنیمت می دانستند"

آزاد نے دلی کے قدردانون مین بسنت خان کے ساتھ مہربان خان کا نام بھی لیا ہی، وہان بھی کوئی مہربان خان ہون تو مجھے اِس سے کچھ بحث نہین، مگر کلیات مین جہان جہان مہربان خان کا نام آیا ہی اوس سے مراد مہربان خان رند ہین جو فرخ آباد مین دیوان تھے،[1]

---

[1] نواب مہربان خان رند دیوان فرخ آباد بڑے مہمان نواز آشنا پرور اور خوش اخلاق امیر تھے، باوجودیکہ علم نہین رکھتے تھے مگر اہل کمال کی صحبت میں معلومات بہت وسیع ہوگئی تھی، میرسوز مدت تک اون کے پاس رہے، اون سے شاعری، تیراندازی اور شمشیر شناسی وغیرہ کی مشق کی تھی، موسیقی میں بہت ماہر تھے، گت بہت اچھے کہتے تھے، قیافہ شناسی اور قدردانی میں کمال رکھتے تھے، جب مرزا رفیع سودا نے دلی چھوڑی اون کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور مدت تک فرخ آباد میں رکھا اور اون سے مشق سخن کرتے رہے، مصحفی کہتے ہین کہ "اگرچہ شخص جاہل بود اما سلیقہ صحبت شعرا او را ہم بعرصہ قلیل مرتبہ والاے شاعری رسانیدہ"، میرحسن فرماتے ہیں "از شاگردان میرسوز و مرزا رفیع مشہور است" (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

کلیات اِن کا ہر جگہ مِل سکتا ہی، اول اُردو کے قصائد ہین پھر جو بیس چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین، ایک مختصر دیوان فارسی کا ایک تمام وکمال دیوان ریختہ کا جس مین بہت سی غزلین، مطلع، رباعیان، قطعات، مستزاد، تاریخین، پہیلیان، ترجیع بند، مخمس اور ہر قسم کی نظم مین ہجوین ہین،

عبرۃ الغافلین نام ایک رسالہ ہی بڑی کاوش اور تحقیق سے لکھا ہی، مرزا فاخر مکین کے اعتراضون کا جواب جو انھون نے فارسی کے شعراے سلف پر کیئے تھے اور اون کے کلام مین دخل بیجا کیا تھا اور خود مرزا فاخر کے کلام پر اعتراضات کر کے اُسے ناقص ٹھہرایا ہی،

آزاد نے سچ کہا ہی کہ مرزا اس فن مین اُستاد مسلم الثبوت تھے، وہ ایسی طبیعت لیکر آئے تھے جو شعر اور فن انشا ہی کے واسطے پیدا ہوئے تھے ...... اون کا کلام کہتا ہی کہ دل کا کنول ہر وقت کِھلا رہتا تھا، اِس پر سب رنگون مین ہمرنگ اور ہر رنگ مین اپنی ترنگ، جب دیکھو طبیعت شورش مین بھری اور جوش وخروش سے لبریز، نظم کی ہر فرع مین طبع آزمائی کی ہی اور کہین رُکے نہین، چند صفتین خاص ہین جن سے کلام اون کا جملہ شعراسے ممتاز معلوم ہوتا ہے اوّل یہ کہ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہین، کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) در تصانیف بہم دستے پید اکردہ چنانچہ اکثر اہل عالم عشاق راسمہ دلاویزی ادی رد بسیار سے کلامش ایچون کلام میرزا سودا و میر سوز سرلوح دیوان می انگارند، کلام ملاحظہ ہو،

خلقت تمام گردش افلاک سے ہی	ماٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی

مجھ ساتھ تیری دوستی جب ہوگئی آخر	دیا آئی مرے دل سے طلب ہو گئی آخر
حاصل تو ہوا وصل ہمین رات پر افسوس	اِک پل مین سب عیش وطرب ہوگئی آخر

گریبان ہی جیسے آگ کے شعلے مین گرمی اور روشنی، بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظون کو اِس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہین گویا ولایتی طپنچہ کی چابنین جڑی ہوئی ہین اور یہ خاص اون کا حصہ ہی، چنانچہ جب اون کے شعر مین سے کچھ بھول جائین تو جب تک وہی لفظ وہان نہ رکھے جائین شعر مزا ہی نہین دیتا، خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہین، مگر اِس باریک نقاشی پر اون کی فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہی، تشبیہ اور استعارے ان کے ہان ہین مگر اسی قدر کہ جتنا کھانے مین نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ رنگینی کے پردہ مین مطلب اصلی کو گم نہین ہونے دیتے،

مرزا نے تقریباً ستر برس کی عمر پائی ۱۱۹۵ھ مین دنیا سے انتقال کیا اور آقا باقر کے امام باڑے مین دفن ہوئے، مصحفی نے تاریخ کہی، ع

سودا کجا و آن سخنِ دلفریب او

مرزا کے بہتر خنجر[1] تلاش کرنے سے پہلے اون کے قصیدون اور ہجوون کا رنگ بھی دیکھ لینا چاہیئے جس کے وہ مرد میدان ہین اور اِس مین کوئی اون کا حریف نہین،

شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جوان ہی	دعوی نہ کرے یہ کہ مرے منہ مین زبان ہی
مین حضرتِ سودا کو سُنا بولتے یارو	اللہ رے اللہ ہے کیا نظم بیان ہی
آتنا مین کیا عرض کہ فرمائیے حضرت	آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یہان ہی

[1] اہل مذاق جس طرح میر تقی میر کے کلام مین بہتر نشتر بتاتے ہیں، سودا کے زبردست کلام میں سے بہتر خنجر تیار کرتے ہیں، اسکی نسبت آزاد کی رائے ٹھیک ہی کہ جو کلام آج کے طرز کے موافق ہی وہ ایسے مرتبۂ عالی پر ہی جہان ہماری تعریف کی پرواز نہیں پہنچ سکتی، اور دل کی پوچھو تو جن اشعار کو پرانے محاوروں کے جرم میں ردی کرتے ہیں آج کے ہزار محاورے اون پر قربان ہیں"

سُن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا | اِس امر مین قاصر تو فرشتون کی زبان ہی
کیا کیا مین بتاؤن کہ زمانہ کی گئی شکل | ہی وجہِ معاش اپنی سو جس کا یہ بیان ہی

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہین کسو کی | تنخواہ کا پھر عالمِ بالا پہ نشان ہی
گزرے ہی سدا یون علف و دانہ کے خاطر | شمشیر جو گھر مین تو سپر بنیے کے یہان ہی
ثابت ہو جو دگلا تو نہین موزون مین کچھ حال | تیرون مین ہی پر گیری تو بے چلہ کمان ہی
کہتا ہی نفر غزہ کو صراف سے جا کر | بی بی نے تو کچھ کھایا ہی فاقہ سے میان ہی
یہ سُن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ | شوال بھی پھر ماہِ مبارک رمضان ہی

اگر ہوجیے جا کر کسی عمدہ کے مصاحب | اوس کی تو اذیت ہی بڑی آفتِ جان ہی
وہ جاگے جو راتون کو تو بیٹھے ہین دوزانو | کیسا ہی اگر اپنے تئین خواب گران ہی
بے وقت خورش اوسکی جو ہو اپنے تئین بھوکھ | سو کیا کہون تجھ سے کہ مصیبت کا بیان ہی
گھڑیال کی جیب بیٹھے ہوئے گنتے ہین گھڑیان | اور ریح خلا رودون مین جن آسیب وعان ہی

صیغہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر | سو دو سو روپے کا جو کسی عمدہ کے یہان ہی
صحبت ہی یہ اِس سے اگر آقا کے تئین چھینک | آوے تو وہ اوس کو بخشونت نگران ہی
مطبوخ مین ہی خربزہ اور خربزہ پر دودھ | ہی دودھ اوپر مچھلی تس اوپر گاؤزبان ہی
یہ بھی تو نہین ہی کہ اِسی پر ہو تسلی | اِس سب پہ تفنن کے لئے بینی نان ہی
اور یا خضرا دپہ جو وہ نواب کو دیکھے | کھانا تو یہ کھاتے ہین پہ اوس کو خفقان ہی

اس مین جو کہین درد اُٹھا پیٹ مین اوس کے — پھر بوعلی سینا ہے تو وہ ہیچمدان ہی
رکھتے ہین غرض مرض سے لڑنے کو سپاہی — گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہان ہی

سوداگری کیجئے تو ہے اس مین مشقت — دکھن مین بکے وہ جو خرید صفہان ہی
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجئے منزل — ہر شام بدل وسوسۂ سود و زیان ہی
لیجا جو کسی عمدہ کی سرکار مین دے جنس — یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیان ہی
قیمت جو چکاتے ہین سو اِس طرح کہ ثالث — سمجھے ہی فروشندہ یہ دزدی کا گمان ہی
جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق — پھر پیسون کا جاگیر کے عامل پہ نشان ہی
پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت — کہتا ہی وہ پیسا ابھی مجھ پاس کہان ہی
اودھر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لیجا — دیوان بیوتات یہ کہتے ہین گران ہی
آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہین نہ وہ جنس — ہر اک متصدی سے میان اور تیان ہی

شاعر جو سنے جاتے ہین مستغنی الاحوال — دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یہان ہی
گر عید کا مسجد مین پڑھے جا کے دوگانہ — نیت قطعۂ تہنیت خانِ زمان ہی
تاریخ تولد کی رہی آٹھ پہر فکر — گر رحم مین بیگم کے سُنے نطفہ خان ہی
اسقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا — پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہی

ملائی اگر کیجیے، ملا کی سہے یہ قدر — ہون دو روپے اوس کے جو کوئی تنوخواہ ان ہی
دن کو تو بچارا وہ پڑھایا کرے لڑکے — شب خرچ لکھے گھر کا اگر منہ دسہ دان ہی

تسپر یہ ستم ہو کہ نہالی تلے اوس کے / لڑکون کی شرارت سے سدا خار نہان ہو

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت / چھٹتے ہی تو شعرا کے وہ مطعون زبان ہو

دیتا ہو دُم خر سے کوئی شملہ کو نسبت / گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کنان ہو

اور اوس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت / اس فکر و تردد مین ہر ایک زمان ہو

پوچھے ہو مریدون سے یہ ہر صبح کو اُٹھکر / ہے آج کدھر عرس کی شب وز کہان ہو

تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو کنگھی / لے خیل مریدان گئے وہ بزم جہان ہو

ڈھولک جو لگی بجنے تو وہان سب کو ہوا وجد / کودے ہے کوئی روے کوئی نعرہ زنان ہو

اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو / ڈالا ہو او ہان دال نخود قلیہ و نان ہو

بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری / یہ شکل بھی مت سمجھو تو راحت جان ہو

ٹک دیکھنا منصور علیخان جی کا احوال / چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر وہان ہو

آرام سے کٹنے کا سُنا تو نے کچھ احوال / جمعیت دل کی کوئی صورت ہو کہان ہو

دنیا مین تو آسودگی رکھتی ہو فقط نام / عقبیٰ مین یہ کہنا ہو کوئی اوس کا نشان ہو

واوسپہ تیقن کسی کے دل کو نہین ہے / یہ بات بھی گویندہ ہی کا محض گمان ہو

یان فکر معیشت ہو وہان دغدغہ حشر / آسودگی حرفیست یہان ہو نہ وہان ہو

تضحیک روزگار
ہجو اسپ تخیل

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہین ہو دستِ عنان کا بیک قرار

جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہو
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

ایک دیکھتا ہون مین کہ زمانہ کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا گٹھاتے ہین وہ اودہار

تنہا دلے نہ دہر سے عالم خراب ہو
خِسّت سے اکثرون نے اُٹھایا ہو ننگ و عار

ہین گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہربان
پاوے سزا جو اون کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہین سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہین ایک پر اتنا ذلیل و خوار

نہ دانہ و نہ کاہ و نہ تیمار نے سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گِلی طفل شیر خوار

ناطاقتی کا اوس کے کہانتک کرون بیان
فاقون کا اوس کے اب مین کہانتک کرون شمار

مانندِ نقشِ نعل زمین سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اِس مرتبہ کو بھوک سے پہونچا ہو اوسکا حال
کرتا ہو راکب اوسکا جو بازار مین گزار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
امیدوار ہم بھی ہین کہتے ہین یون چمار

دیکھے ہو جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف
کھودے ہو اپنے سم سے کنوین ٹاپین مار مار

فاقون سے ہنہنانے کی طاقت نہین ہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو پادے ہے بار بار

ہو اِس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باد سے
میخین گر اوس کے تھان کی ہو وین نہ استوار

نہ استخوان نہ گوشت نہ کچھ اوسکے پیٹ مین
دھونکے ہو دم کو اپنے کہ جون کھال کو لوہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بیشمار

ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہین مکھیان
کہتے ہین اوس کے رنگ کو کسی اِس اعتبار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور — آیا یہ دل مین جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا — مشہور تھا جنھون کنے وہ اسپ نابکار
خدمتمین اون کی مینے کیا جا یہ التماس — گھوڑا مجھے سواری کو دوا بنا مستعار
فرمایا تب اونھون نے کہ اے مہربانِ من — ایسے ہزار گھوڑے کرون تم پہ مین نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہین یہ اسپ — یہ واقعی ہی اِس کو نجانو ہے انکسار

ہے پیر اسقدر کہ جو بتلاوے اوسکا سن — پہلے وہ لے کے ریگ بیابان کرے شمار
لیکن مجھے زروے تواریخ یاد ہے — شیطان اوسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

مطلب تو اِس قدر ہی کہ جو کچھ کہ تم سنا — لیکن اب یکدن کی حقیقت کہون مین یار
دلی مین آن پہونچے تھا جس دن کہ مرہٹہ — مجھ سے کہا نقیب نے آ کر ہے وقت کار
مدت سے کوڑیون کو اُڑاتے ہو گھر مین بیٹھ — ہو کر سوار اب کرو میدان مین کارزار
ناچار ہو کے تب تو بندھایا مین اوس پہ زین — ہتھیار باندھ کر مین ہوا اوس اوپر سوار
جس شکل سے سوار تھا اوس دن مین اوس دیہ — دشمن کو بھی خدا نکرے یون ذلیل و خوار
چابک تھے دونون ہاتھ مین پکڑے تھا منہ مین باگ — ٹخ ٹخ کی پاشنون سے مرے پانون تھے فگار
آگے سے توبڑہ اُسے دکھلائے تھا نفر — پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
ہرگز وہ اِس طرح بھی۔ لایا تھا رہ براہ — ہلتا نہ تھا جگہ ستی جون میخ استوار
اِس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام — اکثر مدبر اون مین کے کہتے تھے یون پکار
پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ روان — یا بادبان باندھ یون کے دو اختیار

کہتا تھا کوئی ہے بزکوہی نہین یہ اسپ | کہتا تھا کوئی ہے یہ ہے گا ولایت کا یہ حمار

پوچھے تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ | کتوال نے گدھے پہ کیا کیون تجھے سوار

کہنے لگا یہ آکے اوس اجماع مین اک شخص | گھوڑا نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار

سمجھون ہون مین تو یہ کہ سپاہی کے بھیس مین | ڈائن چلی ہو سیر کو ہو چرخ پہ سوار

اِس مخمصے مین تھا ہی کہ ناگاہ ایک اور | فتنے کو آسمان نے کیا مجھ سے وہان دوچار

دھوبی، کمہار کی گدھی اوس دن ہوئی تھی گم | اِس ماجرے کو سن کیا دونون نے وہان گزار

ہر اک نے اوس کو اپنی گدھی کا خیال کر | پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دُم کمہار

کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اوسکے گرد و پیش | ساتھ اوس سمند خرس نما کے ہو چشم چار

جھگڑون مین دھوبیون سے کہ لڑکون کو دون جواب | کتون کو مارون یا کہ مرون اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اوس وقت مستجاب | وہان سے پھر نمط کیا جنگاہ تھا گزار

یہ کہ کے حق ستی مین ہوا مستعد بجنگ | اتنے مین مرہٹہ نے ہوا مجھ سے بھی دوچار

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک | کرتا تھا یون خفیف مجھے وقتِ کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے مین اوس کو حریف پر | دوڑون تھا اپنے پاؤن سے جون طفل بے سوار

جب مینے دیکھا جنگ کی یان تو بندھی یہ شکل | لے جوتیون کو ہاتھ مین گھوڑا بغل مین مار

مرزا ہجو کے بادشاہ تھے قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس، ترجیع بند، مثنوی غرض کہ کوئی صنف اصنافِ سخن سے چھوٹی نہین جس مین اونھون نے اپنے دل کا بخار نکالا ہو،

یون تو بہت کم لوگ اون کی شر باری سے بچے ہون گے مگر مکین، ندرت، فدوی، مولوی ساجد اور میر ضاحک کی جیسی مٹی پلید کی ہی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہی، یہ تمام ہجوین اون کے کلیات مین موقع موقع سے شامل ہین، اِن کو یکجا کرو تو خاصا زعفران کا کھیت نظر آئے گا، جس کے دیکھنے سے ہنستے ہنستے پیٹ مین بل پڑ جائین گے،

اِن ہجوون کے پڑھنے سے جو خاص قسم کا اثر دل پر پڑتا ہی وہ اُنکی قادر الکلامی اور گرمیِ کلام کے زور کا ہوتا ہی، قصیدون مین وہ واقعات کو اس بے تکلفی اور سادگی سے نظم کرتے ہین، کہ دوسرا شخص مثنوی مین بھی اس طرح سے نظم نہین کر سکتا،

مگر افسوس ہی کہ وہ جی کھولکر اور آنکھین بند کر کے ایسا منہ آئے ہین کہ اوس کا معمولی سا نمونہ بھی پیش کرنے سے طبیعت ہچکچاتی ہی، جس کو شوق ہو وہ کلیات اُٹھا کر دیکھے،

تغزل کا رنگ دیکھیے،

اِس گلشنِ ہستی مین عجب دید ہے لیکن ۔۔۔ جب آنکھ کھُلی گُل کی تو موسم ہی خزان کا

بیکس کوئی مرے تو جلے اوس پہ دل مرا ۔۔۔ گویا یہ ہے چراغ غریبون کی گور کا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا ۔۔۔ سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

سودا قمار عشق مین شیرین سے کوہکن ۔۔۔ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہی عشقباز ۔۔۔ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

فرصت ہو باغبان کہ ذرا دیکھ لین چمن
جاتے ہین وان جہان سے پھر آیا نجائیگا

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ مین جون نگہتِ گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤن گا
اس خرابی سے تو مت مجھکو نکال اب گھر سے
تو کہے آج نکل مین کہون کل جاؤن گا
ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہان کا

آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مِل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکین تجکو غیر پاس
پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا

کیا کرون گا ہاتھ سے حور ون کے واعظ لیکے جام
ہون مین ساغر کش کسی کی نرگسِ مخمور کا

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہین وہ
کیا جانئے تو نے اُسے کس آن مین دیکھا

کدھر کو چھوڑ گئے مجکو ہمرہان تنہا
پھرون ہون دشت مین جون گردِ کاروان تنہا

تِرا مجھ سے نہین ملتا مراد ل رہ نہین سکتا
غرض ایسی مصیبت کہ مین کچھ کہہ نہین سکتا

زبان ہے شکر مین قاصر شکستہ حالی کے ۔۔۔ کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

یا تبسم یا گلہ یا وعدہ یا گاہے پیام ۔۔۔ کچھ بھی اے خانہ خراب اِس دل کے سمجھانے کیطرح

اے لالہ گو فلک نے دئیے تجکو چار داغ ۔۔۔ چھاتی مری سراہ کہ اِک دل ہزار داغ

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ تیرے دل مین رحم ۔۔۔ جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام ۔۔۔ ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تو نے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین ۔۔۔ یہ اگر سچ ہی تو ظالم اِسے کیا کہتے ہین

بوسہ ہنس کر نہ دیا اوس نے سوائے دشنام ۔۔۔ سو بھی یہ جب نہ ملا کوئی تو مجبور رہین

کیفیتِ چشم اوس کی مجھے یاد ہے سودا ۔۔۔ ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا مین

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ مین ۔۔۔ تڑپے ہی مرغ قبلہ نما آشیانے مین

اے مرغ دل سمجھ کے تو چشم طمع کو کھول ۔۔۔ تو نے سُنا ہی دام جسے ہو وہ دانہ مین

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر — اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ مین

کیا گلہ صیاد سے ہمکو یون ہی گزری ہی عمر — اب اسیرِ دام ہین تب تھے گرفتارِ چمن

جی تک تو دے کے لون کہ تو ہو کارگر کہین — اے آہ کیا کرون نہین بکتا اثر کہین

ہوتی نہین ہی صبح نہ آتی ہی مجکو نیند — جس کو پکارتا ہون وہ کہتا ہی مر کہین

ساقی ہے یک تبسمِ گل فرصتِ بہار — ظالم بھرے ہی جام تو جلدی سے بھر کہین

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنایہ سمجھو — ہی زبان میری بھی گفتار کرون یا نہ کرون

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کرون — آنکھین جو مانتی نہیں ہین اس کو کیا کرون

عاشق کی بھی کٹتی ہین کیا خوب طرح راتین — دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتین

یہ تو نہین کہتا ہون کہ سچ مچ کرو انصاف — جھوٹی بھی تسلی ہو تو جیتا ہی رہوں میں

کس کی ملت میں گنون آپ کو بتلا اے شیخ — تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان سمجھے

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمین — اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

دل کو چاہا تھا کہ خالی کرے مانندِ حباب جو طبیب اپنا تھا دل اوس کا کسی پر زار ہے
ہو گئی جان ہوا اک نفس سرد کے ساتھ مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

اب تو مین چھوڑنے کا نہین اوس کو ناصحا ہونی جو کچھ تھی قبلۂ حاجات ہو گئی
پیغامبر نے دیر لگائی تو ہے ولے دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہے رات ہو گئی
مستی سے اوس نگاہ کی لے محتسب خبر دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی
سودا کسی کو وہ تو سنائے نہ بے سبب کیا جانیئے کہ تجھ سے بھی کیا بات ہو گئی

سودا جہان مین آکے کوئی کچھ نہ لے گیا جاتا ہون ایک مین دل پر آرزو لیے

گل پھینکے ہے غیرون کی طرف بلکہ ثمر بھی اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
دل اوس نے لیا مجکو ملی دولتِ دیدار کیا لوٹ کا سامان ادھر بھی ہے ادھر بھی
کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگرنہ کافی ہے تسلی کو مرے ایک نظر بھی
سودا تری فریاد سے آنکھون مین کٹی رات آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہین مر بھی

نسیم بھی ترے کوچہ مین اور صبا بھی ہے ہماری خاک سے کچھ دیکھیو رہا بھی ہے
ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار مین مجنون کہ اس نواح مین سودا برہنہ پا بھی ہے

بد لا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

گر ہو شراب و خلوت و محبوب و خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے کہ تو ہو تو کیا کرے

قاتل ہماری نعش کی تشہیر ہے ضرور
آیندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے

فکرِ معاش و عشقِ بتان یادِ رفتگان
اِس زندگی مین اب کوئی کیا کیا کیا کرے

صورت مین تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہی
اِک وہم ہی کہ وہ قہر ہی آفت ہی غضب ہی

کیا چیز ہے وہ دل جسے کہتے ہیں الٰہی
اِک قطرۂ خون سینہ مین آفات طلب ہی

دشنام نہ دینے کی قسم کھائی ہی لیکن
جب دیکھے ہی وہ مجھکو تو اِک جنبشِ لب ہی

ہے قسم تجکو فلک دے تو جہان تک چاہیے
جلوۂ حُسن اوسے حسرتِ دیدار مجھے

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے

عشرت کے دو جہان کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

اثر ہے آہ مین ہر چند بے تاثیر نالے مین
پر اتنا ہے کہ اِن دونون سے میراجی بہلتا ہے

خواہ کعبے مین خواہ مین تبخانے مین
اتنا سمجھون ہون مرے یار کہین دیکھا ہے

بھر نظر تجکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے　　　حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

رستم سے بھلا کہہ تو سر تیغ تلے دھر دے　　　پیارے یہ ہمیں سے ہو ہر کاسے و ہر مردے

رباعی

سودا اپنے دنیا تو بہر سو کب تک　　　آوارہ ازیں کوچہ بآں کب تک

حاصل یہی اس سے نہ کہ تا دنیا ہو　　　بالفعل ہوا یہی تو پھر تو کب تک

میر محمد تقی میر

مجموعۂ قابلیت و بہر صاحب طبع خوش فکر سر آمد مشہوران عصر محاورہ دان و متن

تلاشی مضامین نو در نگیں متحسس الفاظ چرب و شیریں در میدان غزل پردازی گوی فصاحت

از معاصراں می بردہر چند سادہ گو است اما در سادہ گوئی یدکا رہا دارد اہ طبقات الشعرا،

اکثرے درفن شعر ریختہ او را در پایۂ مرزا رفیع سودا گرفتہ اند و اکثرے در غزل و مثنوی

بہتر از مرزا قیاس میکنند و مرزا را در ہجو و قصیدہ بر و فضیلت می دہند غرض ہر چہ ہست

اُستادی ریختہ برو مسلم است اہ تذکرہ مصحفی،

محمد تقی نام میر تخلص تھا، اون کے والد میر عبد اللہ شرفائے اکبر آباد سے تھے،

سراج الدین علیخان آرزو کے رشتہ دار تھے، کسی نے میر صاحب کو خان آرزو کا بھتیجا کسی نے

بھانجا لکھا ہے۔ آزاد کہتے ہیں کہ میر صاحب میر عبد اللہ کی پہلی بیوی سے تھے، وہ مر گئیں

تو خان آرزو کی ہمشیرہ سے شادی کی تھی، اسلیئے سوتیلے بھانجے ہوئے، جو کچھ بھی ہو میر نے

خان آرزو کے دامن تربیت میں پرورش پائی،

خود میر صاحب نے نکات الشعرا میں خان آرزو کا ذکر بہت محبت و ادب سے کیا ہے،

ایک جگہ کہتے ہین "اُستاد و پیر مرشد بندہ است" دوسری جگہ فرماتے ہین "ہمہ اُستادان مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آن بزرگوارند"، ایک اور جگہ لکھا ہی "تا حال ہمچو ایشان ہندوستان جنت نشان ہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود[1]"،

میر صاحب کی تحصیل علمی کا حال معلوم نہین، مگر اون کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہی کہ فارسی مین استعداد اچھی تھی، اور اوستاد کی تربیت کا پورا فیض حاصل کیا تھا،

دلی مین میر صاحب کی بہن میر محمد حسین کلیم کو بیاہی تھین وہ اپنے بھائی کو بہت چاہتی تھین اور اون کے لحاظ سے کلیم کو بھی میر سے بہت محبت تھی، میر نے نکات الشعرا مین کلیم کا جہان کہین ذکر کیا ہی اوس سے اِن دونون کے باہمی اخلاص و محبت کا پتہ چلتا ہی

خواجہ محمد ناصر عندلیب کے یہان بھی آمد و رفت تھی، اون کے یہان ہر مہینہ کی پندرھوین کو مشاعرہ ہوا کرتا تھا، اوس مین میر صاحب شریک ہوا کرتے تھے، اور خواجہ میر درد سے بہت خلوص تھا، نکات الشعرا مین فرماتے ہین "فقیر بخدمت آن بزرگوار مشرف اند و زمی شد از زبان مبارکش فرمود میر تقی میر تو میر مجلس خواہی شد، الحمد اللہ والمنہ حرف آن سر سلسلۂ خدا پرستان موثر افتاد"

انقلابات زمانہ سے مشاعرہ کا سلسلہ خواجہ میر درد کے یہان درہم برہم ہوگیا تو انھون نے میر صاحب سے فرمایا کہ اپنے یہان مشاعرہ کیا کرو، چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل مین ہر مہینہ کی

---

[1] آزاد کہتے ہین کہ خان صاحب حنفی مذہب تھے اور میر صاحب شیعہ اِس پر مارک مزاجی غضب کسی مسئلہ پر خفا ہو کر الگ ہوگئے تاریخی حیثیت سے اِس واقعہ کی تصدیق یا تکذیب کرنا دشوار ہی اس واسطے کہ جتنے پرانے تذکرے پیش نظر ہین اون مین کہین اس سے بحث نہین مگر میر صاحب نے جو کچھ خانصاحب کے متعلق خیالات ظاہر کئے ہین اون کو دیکھتے ہوئے اس واقعہ کو باور کرنا مشکل معلوم ہوتا ہی،

پندرھوین کو ان کے یہان مشاعرہ ہونے لگا، خواجہ صاحب بھی اُس مین شرکت فرماتے تھے، تذکرہ مین لکھتے ہین "مجلس ریختہ کہ بخانہ بندہ بتاریخ پانزدھم ہر ماہ مقرر است واللہ بذات ہمین بزرگست"

خوب معلوم نہین کہ دلی مین ان کی گزراوقات کا کیا ذریعہ تھا، مگر اتنا یقیناً معلوم ہے کہ سلطنت کی تباہی اور مرہٹہ گردی مین جس طرح اور شرفا مفلوک اور تباہ ہو گئے میر بھی اسی کشمکش مین مبتلا تھے، تاہم ان کی وضعداری کی داد دینا چاہیئے کہ مرزا رفیع میر سوز اور خدا جانے کتنے لوگ پریشان ہو کر دلی سے نکل کھڑے ہوئے، کوئی فرخ آباد گیا کوئی لکھنؤ کوئی اور آگے بڑھ گیا، مگر جب تک ہو سکا میر صاحب دلی مین قدم جمائے بیٹھے رہے، جب پانی سر سے تیر ہو گیا تو ساٹھ برس کے سِن مین بقول مرزا لطف ۱۱۹۷ھ مین دلی چھوڑ کر لکھنؤ آئے، نواب آصف الدولہ[1] کا زمانہ تھا، اون کی تعریف مین قصیدہ لکھکر پیش کیا

---

[1] نواب آصف الدولہ یحیٰی علیخان بزرجنگ امۃ الزہرا بیگم کے بطن سے نواب شجاع الدولہ کے ایک ہی بیٹے تھے، ۱۱۸۸ھ میں باپ کے مرنے کے بعد مسندِ وزارت پر بیٹھے، او ...، روہیلکھنڈ صوبہ الہ آباد اور صوبہ اکبر آباد مین جکلہ کوڑا اور جکلہ اٹاوہ کا زرخیز علاقہ ترکہ میں پایا، مگر نا قابلیت کے ساتھ مزاج ... عیش پرستی تھی، یہاں خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں زمام حکومت، دوسری طرف حریف سلطنت مدبر اور زمانہ شناس نتیجہ یہ ہوا کہ جونپور، بنارس، غازیپور کے بین سرسبز و شاداب ضلع سرکار کمپنی بہادر نے نواب وزیر سے برضا و رغبت لے لیئے، اور اون کے مرتے ہی آدھا ملک اون کے جانشین نواب سعادت علیخاں کی ہوسِ حکمرانی کے نذر ہو گیا، صرف اودھ کے اضلاع باقی رہے جن کا الحاق واجد علی شاہ کے زمانے میں سرکار کمپنی کے ملک محروسہ سے ہو گیا،

نواب آصف الدولہ سات برس فیض آباد رہنے کے بعد لکھنؤ آرہے اور اسی کو دار الحکومت بنایا، اون کے زمانے کی عمارتوں میں عالیشان امام باڑہ اب تک قایم ہے جو لکھنؤ مین فن تعمیر کے لحاظ سے ایک ہی عمارت ہے (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

اور اوس مین اپنی غربت اختیار کرنے کا پورا ماجرا بیان کیا، نواب نے اوسی دن خلعت فاخرہ سے سرافراز کرکے تین سو روپے ماہوار اون کے لیئے مقرر کر دیئے جو مرتے دم تک اون کو ملتے رہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اِس کو کفایت اللہ خاں دلی کے مشہور مہندس (انجینیر) نے تیار کیا تھا، اوس کا رومی دروازہ، باؤلی، مسجد، امام باڑہ کے لداؤ کی تین چھتین اور بھول بھلیان دنیا کی عجیب وغریب عمارتوں مین سمجھی جاتی ہیں اور دور دور سے اوس کے دیکھنے کو سیاح آکر محو حیرت بن جاتے مین،

آصف الدولہ میں جہاں کچھ عیوب تھے وہان ایک صفت فیاضی اور سیر چشمی کی ایسی تھی جس سے وہ اپنے ملک مین نہایت ہر دلعزیز تھے، آج تک لکھنؤ کے دوکانداراون کا نام لیکر صبح کو دوکان کھولتے ہین اور یہ فقرہ بطور ضرب المثل کے بولا جاتا ہی کہ "جس کو نہ دلائے مولا اُسے کیا دیں آصف الدولہ"،

امام باڑہ وغیرہ جیسی نادر اور عالیشان عمارتون پر پچاس لاکھ روپیہ صرف کیا، پانچ لاکھ روپے سے نجف اشرف مین نہر آصفی جاری کرائی جس سے اون کا نام عراق میں بھی اوسی نیکی سے لیا جاتا ہی جیسا کہ لکھنؤ مین،

شعرا کی قدردانی میں بھی یہ اپنے پیشروسے آگے تھے، میر سوز اِن کے اُستاد تھے، اون کی خدمت جو کچھ کرتے ہون گے وہ معلوم نہیں، مرزا رفیع سودا کو چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر دی تھی، میر تقی میر کو تین سو روپیہ ماہوار دیتے تھے علاوہ اِس کے داددہش میں جب ادنی ادنی لوگوں کو ہزارون کے خلعت ملتے تھے تو ان کا کیا پوچھنا،

نواب آصف الدولہ کے زمانے کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہی کہ لہو ولعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں اونھوں نے دل سے کوشش کی، اون کے نائب حسن رضا خاں بھی مذہبی آدمی تھے، وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے، ان کی کوششوں سے ہزارون خاندان سنی سے شیعہ ہوگئے، اور اون کو جاگیرین ملین، اور جو اپنی ضد پر قائم رہے اون کی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئین، شاہ علی اکبر چشتی مودودی کے مشورے اور ملا محمد علی فیض آبادی کی تحریک سے نواب حسن رضا خاں نے جمعہ و جماعت قائم کرکے سب سے پہلے مولوی سید دلدار علی نصیر آبادی کے اقتدا میں ۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ کو نماز ادا کی، یہ پہلا دن ہی کہ (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

آزاد کہتے ہین کہ میر صاحب اپنی بد دماغی اور نازک مزاجی سے کسی بات پر نواب سے بگڑ کر گھر بیٹھ رہے اور فقر و فاقہ مین زندگی گزار دی، ایک دوسری جگہ فرماتے ہین کہ جب سعادت علیخان کا دور ہوا تو یہ دربار چھوڑ چکے تھے، وہان سے کسی نے طلب نہ کیا، ایک دن نواب کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وسطِ ہند مین شیعون نے اپنا جمعہ و جماعت علیحدہ کر لیا اور نائب امام کی حیثیت سے مجتہدین کے ہاتھ مین زمامِ مذہب دی،

مگر افسوس ہے کہ نواب آصف الدولہ کو اون کی غفلت اور عیش پرستی نے انگریزون کے ہاتھون میں کٹھ پتلی سا رکھا تھا اور اسی غم مین اون کی جان گئی، دانستہ اونھون نے ایسی تدبیرین اختیار کین جن سے جلد بیمار ہون اور ایسے بیمار ہون کہ جانبر نہو سکین، حکیم شفائی خان دلی کے نامور طبیب معالج تھے اون سے پوچھا کرتے اور جو بتاتے اوس کے خلاف عمل کرتے نتیجہ یہ ہوا کہ اون کی یہ آرزو ۱۲۱۲ھ میں پوری ہوگئی اور استسقا کی بیماری نے اون کا کام تمام کر دیا، (کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو)

آصف نہ چھٹے عشق بتان دل سے ہمارے | سو بار اگر پھر بھی بناویں اسے گھڑ کر

شوخیٔ چشم کی شہرت کو تری سن سن کر | شرم سے باغ مین نرگس نے چھپائین آنکھین

جس جگہ آنسو گرے ہے آبلہ پڑ جائے ہے | آب سے آتش ہوئے کیونکر بہم کیا جانیئے

پوچھتے کیا ہو شبِ ہجر کی حالت یارو | مین ہون اور رات ہے اور بستر تنہائی ہے

تیرے کوچہ مین نقشِ پا کی طرح | ایسے بیٹھے کہ پھر نہ وہان سے گئے

سواری جاتی تھی یہ تحسین کی مسجد پر سرراہ بیٹھے تھے سواری سامنے سے آئی سب اوٹھ کھڑے ہوئے یہ اوسی طرح بیٹھے رہے، سید انشا حواضی مین بیٹھے ہوئے تھے، نواب نے پوچھا یہ کون شخص ہے، عرض کی یہ وہی گدائے متکبر ہی جس کا ذکر حضور مین اکثر آیا ہی، گزارہ کا وہ حال اور مزاج کا یہ عالم، آج بھی فاقہ ہی سے ہوگا، سعادت علی خان نے خلعت بحالی اور ایک ہزار روپیہ دعوت کا بھیجا، میر صاحب نے واپس کر دیا، پھر سید انشا خود لیکر گئے اور سمجھا بجھا کر راضی کیا، کبھی کبھی دربار جانے لگے،

میرے نزدیک کچھ عجب نہین کہ کبر سنی کی وجہ سے یا خودداری کے خیال سے کہ بے بلائے نجائین دربار کا آنا جانا چھوڑ دیا ہو مگر یہ صحیح نہین کہ گھر بیٹھ رہنے سے اون کی تنخواہ بند کر دی گئی اور فقر و فاقہ مین اونھون نے زندگی بسر کی، مرزا علی لطف میر صاحب کے ہمعصر ہین، وہ گلشنِ ہند مین لکھتے ہین کہ

> اگرچہ گرفتہ مزاجی سے اون کی روز بروز صحبت نواب مرحوم سے بگڑتی گئی، لیکن تنخواہ مین کبھی قصور نہوا، اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد مین آج تک کہ ۱۲۱۵ھ ہجری ہے وہی حال ہی،

اب تم خود غور کرو کہ بقول آزاد نواب آصف الدولہ کے زمانے مین میر صاحب گھر بیٹھ رہے تھے اور فقر و فاقہ مین مبتلا ہو چکے تھے، جب سعادت علی خان نواب وزیر ہوئے تو اونھون نے اون کو پوچھا نہین، چند دنون کے بعد انشا اللہ خان کی مہربانی سے اِن کو خلعت بحالی ملا، لطف یہ ہی کہ ۱۲۱۵ھ مین خود انشا اللہ خان کی رسائی نواب سعادت علی خان کے دربار مین ہوئی ہی، اور اوس وقت تک بقول لطف اون کی تنخواہ جاری تھی حقیقت یہ ہے کہ آزاد نے میر صاحب کی جو تصویر آبحیات مین کھینچی ہی وہ اون کے منہ پر کھلتی نہین، کچھ تشبیہ نہین

کہ میر صاحب نازک مزاج تھے، مگر آزاد نے جو واقعات لکھے ہین اگر آج وہ کسی مین پائے جائین تو ہر شخص اوس کو نازک مزاج نہین خرد ماغ سمجھے گا،

آزاد کہتے ہین کہ "جس زمانے مین میر صاحب نواب سے بگڑ کر گھر بیٹھ رہے تھے، ایک دن بازار چلے جاتے تھے نواب کی سواری سامنے سے آگئی، دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے کہ میر صاحب آپ نے بالکل ہمین چھوڑ دیا کبھی تشریف بھی نہین لاتے، میر صاحب نے کہا بازار مین باتین کرنا داب شرفا نہین یہ کیا گفتگو کا موقع ہے" اگر تھوڑی دیر کے لئے اس واقعہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو میرے نزدیک جس کو خلل دماغ ہوگا وہی اس کو نازک مزاجی سے تعبیر کر سکے ورنہ جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے اوس کے پاگل ہونے مین کچھ شبہہ نہین،

آزاد کہتے ہین کہ "افسوس یہ ہے کہ اون کو اورون کے کمال بھی دکھائی نہ دیتے تھے اور یہ میرے شخص کے دامن پر بدنما دھبہ ہے" ایک اور جگہ کہتے ہین کہ "خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے کسی کی اور حقیقت کیا ہے" مگر جب اس کی جانچ ہم اون کی کتاب نکات الشعرا سے کرتے ہین تو حیرت کی کچھ انتہا نہین رہتی کہ یہ بیان کس قدر واقعہ کے خلاف ہے، میر سجاد میر صاحب کے زمانے مین ایک نوجوان شاعر تھے تاہم اون کی نسبت فرماتے ہین "سخنش بپایہ استادی رسیدہ" اون کے ایک شعر پر وجد کرتے ہین اور سو جگہ لکھنے کی تمنا کرتے ہین، سجاد کا شعر ہے ؎

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے — جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

میر صاحب داد دیتے ہین "ہمہ شعر سبحان اللہ لیکن فقیر را از دیدن این شعر تواجد دست بہم می دہد از بسکہ از خواندن این شعر حظے برمیدارم میخواہم کہ بصد جا بنویسم"

آزاد کہتے ہین کہ سوز مرحوم پہلے میر تخلص کرتے تھے جب میر تقی مرحوم میر کے تخلص سے

عالمگیر ہوئے تو اونھون نے سوز اختیار کیا، دوسرے مقام پر کہتے ہین کہ سوز نے ایک مشاعرہ مین کہا تھا کہ فقیر نے تو تخلص میر کیا تھا، مگر وہ میر تقی صاحب نے پسند فرمایا، فقیر نے خیال کیا کہ اون کے کلام کے سامنے میرا نام نہ روشن ہوسکے گا ناچار سوز اختیار کیا مگر وہ میر تقی صاحب نچیب بیٹھے سنا کیئے ایک اور جگہ کہتے ہین "کہ میر سوز کے ذکر پر میر تقی میر نے کہا کہ شرفا مین ہم نے ایسے تخلص کبھی سُنے نہین اب دیکھو کہ میر صاحب خود کیا کہتے ہین" محمد میر میر تخلص جوانے است بسیار اہل خوش طبع ہرچند طرز علٰحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص من نصف دلم از وخوش است" اِس سے معلوم ہوتا ہی کہ میر صاحب نے اون کا تخلص پسند نہین کیا بلکہ میر سوز رے پسند کیا تاہم جس خوش دلی سے اون کا ذکر کرتے ہین اوس سے یہ بعید ہی کہ جب وہ میر صاحب کی بزرگی کا لحاظ کرکے اپنا تخلص بدل ڈالین تو میر صاحب فرمائین کہ شرفا مین ہم نے ایسے تخلص کبھی سُنے نہین،

آزاد میر صاحب کی سلسلہ تصنیفات مین نکات الشعرا کا ذکر کرکے لکھتے ہین کہ وہان بھی اپنا انداز قائم ہی، دیباچہ مین فرماتے ہین کہ یہ اُردو کا پہلا تذکرہ ہی، اِس مین ایک ہزار شاعرون کا حال لکھون گا، مگر اون کو نہ لون گا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو، اِن ہزار مین ایک بیچارہ بھی طعنون اور ملامتون سے نہین بچا، ولی کہ نبی نوع شعرا کا آدم ہی اوس کے حق مین فرماتے ہین " وے شاعریست از شیطان مشہور تر" نکات الشعرا چھپ گیا ہی اور پیش نظر ہے اوس کے دیباچہ مین یہ کہین نہین ہی کہ اس مین ایک ہزار شاعرون کا حال لکھون گا، یہ بھی نہین ہی کہ اون کو نہ لون گا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو، ولی کی نسبت فرماتے ہین" از کمال شہرت احتیاج تعریف ندارد" شیطان والا فقرہ سارے تذکرے مین کہین نہین ہی،

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کی نظر سے نکات الشعرا نہین گزرا نہ اِس قسم کے مضامین

جو آبحیات مین لکھے ہین کسی مستند ماخذ سے لیئے گئے ہین صرف قصے کہانیون پر اون کی بنیاد ہے
یا بقول مولانا شروانی[1] قیاس کی بلند پروازی نے طوطے مینا بنا کر اُڑائے ہین اور اون کی

[1] مولانا حبیب الرحمن خان شروانی حسرت تخلص بھیکن پور ضلع علیگڈھ کے مقتدر رئیس، خوش رو، خوش خو
خوشگو، خوش اخلاق امیر ہین، علوم و فنون عربیہ کی تعلیم مولوی عبد الغنی خان فرخ آبادی اور اون کے اُستاد مولانا
لطف اللہ مرحوم سے پائی ہی، شعر و سخن کی مشق منشی امیر احمد مینائی سے کی ہی، فارسی اور اُردو دونون زبانون مین طبع
آزمائی فرماتے ہیں، فضیلت علمی کے ساتھ خدا نے اون کو ایسی صفتین عنایت کی ہین جس پر ہمیشہ محکو رشک آتا رہا ہی،
سب سے نمایان صفت اون کی متانت اور اصابت رائے ہی جس کی آزمایش نازک ترین مواقع پر ہوچکی ہی اور
ہر موقع پر ایسے جوہر کُھلے ہیں جس نے سب کو متحیر کر دیا ہی، دوسری صفت اون کی انتظامی قابلیت ہی جس کے لیئے خدا نے
اون کو نہایت موزون دماغ عطا فرمایا ہی اور اوس کا بہترین نمونہ اون کی ریاست کا انتظام ہی، جس وقت اون کے ہاتھ مین
کام آیا ہی ریاست زیر بار قرض تھی، چند روز میں اپنی انتظامی قابلیت سے لاکھون روپیے کا قرض ادا کر کے زیر باری سے
اوس کو محفوظ کر دیا، یہ بھی تھوڑی بات نہیں ہی کہ اون کا قیام حیدرآباد مین ہی، سال میں دوبار مہینے مہینے ڈیڑھ ڈیڑھ
مہینے کو آجاتے ہیں مگر انتظام کے ایسے عمدہ اُصول بنا دیئے ہین کہ ہر کام ٹھیک وقت پر ہوتا رہتا ہی، تیسری صفت اون کی
یہ ہی کہ باوجود نوجوانی اور رنگین مزاجی اور دولتمندی کے مذہبی جذبات کی پرورش و پرداخت سے غفلت نہین کی،
عنفوان شباب میں قبلۂ ارشاد حضرت مولانا فضل الرحمن قدس سرہ سے بیعت کی اور شیخ الحدیث مولانا حسین بن محسن الصباری
یمانی کو ھیب گنج مین تکلیفِ اقامت دیکر صحاح ستہ کی سند حاصل کی اور اپنے اوقات کا بہترین حصہ تفسیر و حدیث کی
خدمت میں صرف کیا، چوتھی صفت یہ ہی کہ باوجود ان تمام مشغولیتون کے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ ایسے کامون مین صرف کرتے
رہے جس سے مسلمانون کی فلاح و بہبود وابستہ ہی، ندوۃ العلما کی بنیاد ۱۳۱۱ھ مین پڑی اوسی سال اوس کے رکن انتظامی
منتخب ہوئے اوس وقت سے اب تک کہ تیس سال کا زمانہ ہونے کو آیا ہی اوس کے رکن رکین ہیں اور ہر ممکن ذریعہ سے مدد دینے
میں پہلو تہی نہیں کرتے، علاوہ اس کے برسون محمڈن کالج علیگڈھ کے ناظم امور مذہبی رہے اور (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

سحر بیانی سے سامعین کو خوش کیا ہی،

نکات الشعرا کی مدد سے نیز تذکرہ نویسون کی تحریر سے میر صاحب مین جو اوصاف ہمین نظر آئے ہین وہ یہ ہین کہ وہ نہایت مہذب، زندہ دل، یار باش، انصاف پسند اور وضعدار آدمی تھے، میانہ قد لاغر اندام گندمی رنگ ہر کام متانت اور آہستگی کے ساتھ کرتے، بات بہت کم اور وہ بھی آہستہ آواز مین نرمی اور ملائمت، مزاج مین قناعت اور غیرت حد سے بڑھی ہوئی، صلاحیت و بر سر کاری کے ساتھ عادات و اطوار نہایت سنجیدہ و متین، ہر وقت محویت کا عالم طاری اپنے خیالات مین ڈوبے ہوئے بیٹھے رہتے،

سو برس کی عمر پائی تھی، آخر آخر مین بڑھاپے نے اِن صفتون کو اور بھی اُبھار دیا تھا، اِسی مناسبت سے دل کی گرفتگی بھی بڑھ گئی ہوگی مگر تم اِس بات پر غور کرو کہ محمد شاہی دور کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کئی سال سے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری سکریٹری ہیں اور ہر کام کو دلچسپی سے انجام دیتے ہین،

۱۳۳۶ھ مین اعلیحضرت محی الملۃ والدین آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی نگاہ دوربین نے دولت آصفیہ دکن کی صدارت کے لیے اون کا انتخاب فرمایا، باوجودیکہ ان کو اِس عزت وجاہ پیدا کرنے کی حاجت نہین تھی، مگر جہانتک مجھے معلوم ہی صرف اِس خیال سے کہ اِس طریقہ سے مسلمانون کو فائدہ پہونچانے کا نادر موقع ہاتھ آتا ہی اپنی صحت اور انتظام ریاست کے بگڑنے کی پرواہ نکرکے اِس کو قبول کر لیا، خدا سے دعا ہی کہ وہ اون کو اتنی ہمت و قوت عطا فرمائے کہ وہ اپنی دماغی قابلیتون کے لحاظ سے دولت اسلامیہ دکن کے بہترین مشیر و وزیر ثابت ہون،

مجکو ممدوح الصدر کی خدمت مین تیس برس سے نیاز حاصل ہی اِس وجہ سے مجکو اون کے محاسن اخلاق کے دیکھنے اور جانچنے کا موقع ملا ہی اسی وجہ سے مین نے اون کے اونھین اوصاف کا ذکر کیا ہی جس کا ماحصل نقش ہر میرے دل پر ہی، اونکی علمی خدمتین اتنی نمایاں ہیں کہ اونکے بیان کرنے کی ضرورت نہین وہ علمائے سلف کے مصنف ہونے کی حیثیت سے نیز سینکڑون اخلاقی اور تاریخی مضامین کے لحاظ سے جو برابر شائع ہوتے رہتے ہین ہندوستان میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور امید ہی کہ آئندہ اِس سے زیادہ حاصل کرینگے،

ایک بوڑھا وضعدار شاعر جس کی عمر کا بیشتر حصہ اون لوگون مین بسر ہوا جن کی وضع قطع عادات و اطوار غرضکہ ہر چیز کی سند لی جاتی تھی، قزلباش خان اُمید، سراج الدین علی خان آرزو، مرزا جانجانان مظہر، خواجہ محمد ناصر عندلیب، خواجہ میر درد، مرزا رفیع سودا اور میر محمد حسین کلیم جن مین کا ہر ایک مجموعۂ قابلیت و ہنر تھا اون کے ساتھ ہر وقت کی صحبت، علمی مذاکرے اور جلسون کی گرمجوشیان، مگر عفت و پرہیزگاری، شرم و حیا، مروت و ہمدردی، وضعداری اور دوستی کے اگلے آئین و قوانین کے ساتھ جو ہماری قومی زندگی کی علامتین تھین ایک کا دوسرے سے میل جول ایسا بے نظیر اور قابل تقلید عملدرآمد تھا جس کی تعریف کرنے سے زبان و قلم کا حوصلہ تنگ ہے،

دیکھنے کی بات یہ ہو کہ جب اوسی شخص پر مصیبت پڑتی ہو تو یاران صحبت مین سے ایک ایک کرکے کوئی پیوند زمین اور کوئی آوارۂ دشت غربت ہو جاتا ہو اور مرہٹون کی دست برد سے ایک عالم آشوب ہنگامہ برپا ہوتا ہو جس سے شہر مین خاک اُڑنے لگتی ہو، اوس وقت اوس کے پائے ثبات کو بھی لغزش ہوتی ہو، وہ ایسے شہر مین وارد ہوتا ہو جہان نئے انداز، نئی تراشین، بانکے ٹیڑھے جوانون کو دیکھتا ہو، اون کے مشغلون کو دیکھتا ہو، اون کے جذبات و خیالات کو

۱؎ میر صاحب کے کلیات میں ایک مثنوی ہو جس میں لکھنؤ کی مرغ بازی کا خاکہ اُڑایا ہو، یہ زمانہ نواب آصف الدولہ کا ہو اور نواب کو مرغ بازی کا بہت شوق تھا اسی وجہ سے گھر گھر اسی کا چرچا تھا، اور ہفتہ مین دو بار شہر مین پالیاں ہوتی تھیں چند شعر اس مثنوی کے ملاحظہ ہوں، ان شعروں سے میر صاحب کی دلی کیفیات کا اندازہ ہو سکتا ہو ؎

دلی سے ہم جو لکھنؤ آئے	گرم یہ خاش مرغ یاں پائے
جیسے منگل کو بالی کی ہے دھوم	گلیوں میں روز ہفتہ کا ہجوم
مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش	جس کو دیکھو تو مرغ در آغوش

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

جانچتا ہی، اون کی طبیعتون کی شوخی، زبانون کی طراری، تراشون اور ایجاد کے انوکھے پن سے سابقہ پڑتا ہی، پھر تم ہی کہو کہ اوس بیچارے بڈھے پر اتم پرانی لکیرون کے فقیر کے دل پر کیا گزرتی ہوگی، اوس سے یہ بے شبہہ نہو سکتا ہوگا کہ وہ جرأت اور انشا کی شوخیون اور مرزا سعادت یارخان کی جدت پسند طبیعت کی رنگینیون کو سنکر دادِ سخن دے، اور قہقہون کی آوازمین خود بھی آواز ملائے، اسی کو بد دماغی کہہ لو یا نازک مزاجی، جس سے خود میر صاحب بھی واقف تھے، چنانچہ ایک مخمس کے مقطع مین فرماتے ہین ؎

حالت تو یہ ہے مجکو غمون سے نہین فراغ	دل سوزشِ درونی سے جلتا ہی جون چراغ
سینہ تمام چاک ہی سارا جگر ہے داغ	ہے نام مجلسون مین مرا میرؔ بیدماغ

ازبسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

(تتمۂ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مرغ لڑتے ہین ایک دو لاتین	سیکڑوں اِن سفہون کی باتین
انی پہ جھاڑے یہ پھڑکنے لگے	انی کی نوک پہ کڑکنے لگے
وہ جو سید صا ہوا تو یہ ہین کج	ساتھ اِس کے مدلتے ہین سج دھج
مرغ کی ایک یہ نشانی ہے	اس کی صد رنگ بدزبانی ہے
ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ	ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ
جھکتے ہیں آپ کو چراتے ہین	لاتیں گویا کہ یہ ہی کھاتے ہین
ایک کے منھ مین مرغ کی منقار	ایک کے لب پہ ناسزا گفتار
منھ آیا جو کچھ سو بکنے لگے	تیکھی نظرون سے سب کو تکنے لگے
طرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے	بعد نصف النہار رخصت ہے
کھانچے سر پہ بغل میں مارے مرغ	لیگئے جیتے ہارے سارے مرغ

اگر جرأت و انشا کو تم خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کا ہمرتبہ خیال کرتے ہو میر صاحب بے شبہہ اِس بات کے گنہگار ٹھتے کہ وہ اون کی ستو خیون پر سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے ہین کہتا ہون کہ اون مین فضل و کمال کے ساتھ خود داری نہوتی تو ان نوجوانون سے پگڑی بچانا مشکل پڑجاتا، جن ہین سے ایک بھانڈون سے برابر کی چوٹ لڑ سکتا ہو اور دوسرے کی زٹل اور فحش ہجوون کا ایک ایک مصرع ہزار قمچی اور چابک کا تڑاقا ہو، پھر اون کی بھی وہی گت بنتی جو غریب مصحفی کی بنکر رہی[1]،

---

[1] انشا اللہ خان اور مصحفی مین جو چوٹین چلیں۔ یہان تک تو غنیمت تھیں جس حد تک شاعری کو دخل تھا اوسکے بعد جو معرکے ہوئے اور آزاد نے نمک مرچ لگا کر بیان کئے ہین اون کو آبحیات مین پڑھو، خلاصہ یہ ہو کہ سید انشا نے بہت سی زٹل اور فحش ہجوین کہین کہ جن کا ایک ایک مصرع بقول آزاد ہزار قمچی اور چابک کا طراقا تھا، بڈھا بیچارہ اپنی تسبیح کی حریب اور عصائے غرور کے سہارے سے کھڑا ہو کر جتنا کر سکتا تھا مقابلہ کرتا رہا، جب نوبت حد سے گزر گئی تو اوس کے شاگردون سے لکھنؤ بھرا پڑا تھا، منتظر اور گرم سب کو لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے، جو کچھ ہو سکا شاگردی کا حق ادا کیا، ایک دن تہمدون کا سوانگ بھر کے ہجو کے اشعار پڑھتے ہوئے سید انشا کی طرف روانہ ہوئے ان کو پہلے خبر لگ گئی، اپنے یارون کو لیکر استقبال کو نکلے، اور اون کو مکان پر لائے خود دوبارہ پڑھوایا، شیرنیان کھلائیں شربت پلائے، ہار پہنائے اور عزت و احترام سے رخصت کیا (آزاد نے کوئی شعر اس ہجو کا نقل نہین کیا یہ ما۔ رکھنے کی بات ہی) اب سنو سید انشا نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت تھا، یعنی ایک انبوہ کثیر برات کے سامان کے ساتھ ترتیب دیا اور عجیب و غریب ہجوین تیار کر کے لوگون کو دین، کچھ رنڈون پر پڑھتے جاتے تھے، کچھ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھ مین گڈا ایک مین گڑیا دونون کو لڑاتے اور اشعار پڑھتے جاتے تھے، جس مین کا ایک شعر یہ ہے ؎

سوانگ نیا لایا ہی دیکھنا چرخ کہن ... لڑتے ہوئے آئے ہین مصحفی و مصحفن

(بقیہ صفحہ آئندہ)

مرزا علی لطف نے گلشنِ ہند مین یہ بات نئی لکھی ہی کہ جب کلکتہ مین جان گلکرسٹ صاحب کی کوشش سے حکام کو اُردو زبان کی سرپرستی کا خیال ہوا تو لکھنؤ سے بھی زباندانون کی مانگ ہوئی تو سب سے پہلے کرنل اسکاٹ کے سامنے میر صاحب کی تقریب ہوئی، مگر پیرانہ سالی کی وجہ سے ان کا انتخاب نہین ہوا، میر شیر علی افسوس ایک نوجوان شخص بھیجدیئے گئے،

میر صاحب کی تصنیفات کی تفصیل یہ ہے کہ چھہ دیوان ریختہ غزلون کے ہین، چند صفحے ہین جن مین فارسی کے عمدہ متفرق اشعار پر اُردو مصرع لگا کر مثلث اور مربع کیا ہی، رباعیان مستزاد چند صفحے، پانچ قصیدے چند مخمس اور ترجیع بند، چند مخمس شکایت زمانہ مین، دو واسوخت ایک ہفت بند، بہت سی مثنویان، ایک دیوان فارسی کا ہے، جس مین دو ہزار شعر ہین،

میر صاحب غزل کے بادشاہ ہین، قصیدے کے مرد میدان نہین، آزاد نے ٹھیک لکھا ہی کہ اون کے قصیدے کم ہین اور اسیقدر درجہ مین کم ہین، واسوخت لاجواب ہین، فارسی مین فغانی یا وحشی اُردو مین میر صاحب کو واسوخت کا موجد تسلیم کیا گیا ہی،

تذکرہ نکات الشعرا شعرائے ریختہ کے حال مین ہے، فارسی مین لکھا ہے، سنہ تصنیف مجھے نہین ملا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ احمد شاہ کے زمانہ مین لکھا ہے اور انجمن ترقی اُردو نے اوس کو چھپوا دیا ہی، میر صاحب نے، سو برس کی عمر پائی اور ۱۲۲۵ھ مین فوت ہوئے، اب کوئی نہین جانتا کہ لکھنؤ مین اونکا مزار کہان پر ہی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان معرکوں میں مرزا سلیمان شکوہ بلکہ اکثر امرانے سید انشا کا ساتھ دیا اور حریف کا سوانگ ایک دفعہ کانوالے سے کہکار کروادیا، اس بات نے مصحفی کو ہمت شکستہ خاطر کر دیا جس کی جھلک ون کے کلام میں پائی جاتی ہے اور اس سے ایک شعر یہ ہے سدا اے مصحفی بے لطف ہی اس شہر مین رہنا، سچ ہی کہ کچھ انسان کی توقیر نہین یان

کلام ملاحظہ ہو،

قاصد جو وان سے آیا تو شرمندہ مین ہوا ۔ بیچارہ گریہ ناک و گریبان دریدہ تھا

صیاد دل ہی داغ جدائی سے رشکِ باغ ۔ تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

لیتے ہی نام اوس کا سوتے سے چونک اُٹھے ۔ ہی خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

ہم خستہ دل ہین تجھ سے بھی نازک مزاج تر ۔ تیوری چڑھائی تو نے کہ یان جی نکل گیا

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا ۔ دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

یاد اوس کی اتنی خوب نہین میر باز آ ۔ نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

چشمِ خون بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا ۔ ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

مسجد مین امام آکے ہوا آج وہان سے ۔ کل تک تو یہی میر خرابات نشین تھا

اُلجھاؤ پڑ گیا جو ہمین اوس کے عشق مین ۔ دل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا

ہم نے جانا تھا لکھیگا تو کوئی حرف اے میر ‏ پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

فلک کو منھ نہین اِس فتنے کا اُٹھانے کا ‏ ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا

دلِ عشق کا ہمیشہ حریفِ نبرد تھا ‏ اب جس جگہ کہ داغ ہے یان پہلے درد تھا

علاج کرتے ہین سودائے عشق کا میرے ‏ خلل پذیر ہوا ہے دماغ یارون کا

داغِ فراق و حسرتِ وصل آرزوے شوق ‏ مین ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر ‏ مذہبِ عشق اختیار کیا

جہان سے فتنہ کو خالی کبھی نہین پایا ‏ ہمارے وقت مین تو آفتِ زمانہ ہوا

ابتو جاتے ہین میکدے سے میر ‏ پھر ملین گے اگر خدا لایا

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اوسی گھڑی ‏ جب سُن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

کہتے تو ہو یون کہتے یون کہتے جو وہ آتا ‏ کہنے کی ہین سب باتین کچھ بھی نہ کہا جاتا

اتنی گزری جو مری ہجر مین سو اوسکے سبب | صبر مرحوم عجب مونس تنہائی تھا

عشق ہمارے خیال پڑا ہی خواب گیا آرام گیا | جی کا جانا ٹھہر رہا ہی صبح گیا یا شام گیا

یک قطرۂ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا | قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفران پناہ کا

دل و دماغ ہی اب کس کو زندگانی کا | جو کچھ کہ یان ہی سو افسوس ہی جوانی کا

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو اُن نے تو | قشقہ کھینچا دیر مین بیٹھا کب کا ترکِ اسلام کیا

کہتے ہین آگے تھا بتون مین رحم | ہی خدا جانیئے یہ کب کی بات

نظرِ میر نے کیسی حسرت سے کی | بہت روئے ہم اوسکی رخصت کے بعد

مرگ اِک زندگی کا وقفہ ہے | یعنے آگے چلین گے دم لیکر

منتظر قتل کے وعدہ کا ہون اپنے یعنی | جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز

اوس کے کوچہ مین نکر شورِ قیامت کا ذکر | شیخ یان ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہین

چلانہ اوٹھ کے وہین چپکے چپکے پھر تو میر ابھی تو اوس کی گلی سے پکار لایا ہون

ایک بیمار جدائی ہون مین آپ ہی تسپر پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہین

دن نہین رات نہین صبح نہین شام نہین وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہین

اک وہم نہین بیش مری ہستیٔ موہوم اس پر بھی تری خاطر نازک پہ گران ہون

مدعی مجھکو کھڑے صاف برا کہتے ہین چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہین

کاش کے دل دو ہوتے عشق مین ایک رہتا ایک کھوتے عشق مین

جائے ہی جی نجات کے غم مین ایسی جنت گئی جہنم مین

بیقراری جو کوئی دیکھے ہے کہتا ہے یہی کچھ تو ہے میر اکہ اک دم تجھے آرام نہین

کہتے ہو اتحاد ہے ہم کو ہان کہو اعتماد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا میر کی وضع یاد ہے ہم کو

کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہی مضطرب سمجھاؤن کب تک اس دل خانہ خراب کو

ہو گا کسی دیوار کے سائے مین پڑا میر کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

یون رفتہ اور بیخود کب تک رہا کروگے تم اب بھی میر صاحب اپنے تئین سنبھالو

خطرے بہت ہین میر رہ صعب عشق مین ایسا نہ ہو کہین کہ دل و دین کو کھو رہو

آگ تھے ابتدائے عشق مین ہم اب ہوئے خاک انتہا ہے یہ

ایک محروم چلے میر ہمین دنیا سے ورنہ عالم کو زمانہ نے دیا کیا کیا کچھ

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر کس بھروسے پہ آشنائی کی

مین جو بولا کہا کہ یہ آواز اوسی خانہ خراب کی سی ہی

باہم سلوک تھا تو اُٹھاتے تھے نرم گرم کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

گھبرا نہ میر عشق مین اس سہل زیست پر جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

پہونچا تو ہوگا سمعِ مبارک مین حالِ میرؔ
اِس پر بھی جی مین آئے تو دل کو لگائیے

پاس ناموس عِشق تھا ورنہ
کِتنے آنسو پلک تک آئے تھے

بہت سعی کیجئے تو مر رہئے میرؔ
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہی

آتے کبھی جو وان سے تو یان رہتے تھے اُداس
آخر کو میرؔ اوس کی گلی ہی مین جا رہے

کعبہ مین جان بلب تھے ہم دوریِ بتان سے
آئے ہین پھر کے یار داب کی خدا کے ہان سے

پیدا کہان ہین ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہین رہی

مقدور تک تو ضبط کرون ہون مین کیا کرون
منہ سے نکل ہی جاتی ہی اک بات پیار کی

واعظِ ناکس کی باتون پر کوئی جاتا ہے میرؔ
آؤ میخانے چلو تم کس کی باتون پر گئے

پتھر کی چھاتی چاہئیے ہے میر عشق مین
جی جانتا ہے اوس کا جو کوئی وفا کرے

جب نام ترا لیجئے تو چشم بھر آوے
اِس زندگی کرنے کو کہان سے جگر آوے

اوس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے　　لوگون کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر مین　　عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے

سرمگین آنکھین شرم آلودہ خاک مین ہمکو ملائینگی　　کیا یہ نگاہین نیچی نیچی اوپر اوپر جائین گی

پھرتے ہین میر خوار کوئی پوچھتا نہین　　اِس عاشقی مین عزتِ سادات بھی گئی

اوداسیان تھین مری خانقہ مین قابل سیر　　صنم کدہ مین تو ٹک آکے دل لگا بھی ہے

خواجہ میر درد علیہ الرحمہ

زبان گفتگویش گرہ کشائے زلف تمام مدعا مصرع نوشتہ اش بر صفحۂ کاغذ از کلِ صبح خوشنما،

طبع سخن پرورش اوسرو مائل چمنستان اندازاست گاہے درکوچۂ باغ تلاش بطریق گلگشت قدم رنجہ

میسر باید درچمن شعرش لفظ رنگین چمن چمن گلچین خیال اور اگل معنی دامن دامن شاعر زور آور

ریختہ درکمال علاقگی وارستہ خلیق متواضع آشنائے واشت شعر فارسی ہم میگوید امّا بیشتر رباعی

گرمیٔ بازار وسعت مشرب اوست اھ نکات الشعرا،

اکثرے از دست عسرت پریشاں شدہ بطرفے افتند لیکن آن ثابت قدم تکیہ بر توکل

نمودہ قدم از جا بر نداشت تا حال در شاہجہان آباد مقیم است دیوانش اگرچہ مختصر لیکن مثل

کلام حافظ سراپا انتخاب اھ تذکرہ میر حسن،

خواجہ میر درد کی غزل سات شعر نو شعر کی ہوتی ہی مگر انتخاب ہوتی ہی، خصوصاً چھوٹی

چھوٹی بحروں مین جو اکثر غزلین کہتے تھے گویا تلواروں کی آبداری نشتروں مین بھر دیتے ہین،

خیالات اون کے سنجیدہ اور متین تھے، کسی کی ہجو مین زبان آلودہ نہین ہوئی، تصوف جیسا انھون نے کہا

اُردو مین آجتک کسی نے نہین ہوا، ۱۶۱ ابحیات

سید خواجہ میر نام درد تخلص تھا، خواجہ محمد ناصر عندلیب کے خلف الرشید تھے،

گیارہ واسطوں سے ان کا نسب خواجہ بہاء الدین نقشبند اور پچیس واسطوں سے امام

حسن عسکری علیہ السلام تک پہونچتا ہی، دلّی مین پیدا ہوئے اور والد کے آغوش تربیت

مین پرورش پائی اور بائیس برس کے سِن مین دنیا سے منھ موڑکر والد کے سجادہ پر بیٹھ

گئے، سلطنت کی تباہی آئی، دلّی کی قتل و غارت کے سبب سے اکثر امرا و شرفا کے گھرانے

گھر اور شہر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے، مگر ان کے پائے استقلال کو جنبش نہ آئی، اللہ پر توکل

رکھا اور جو سجادہ بزرگون نے بچھایا تھا اوس پر بیٹھے رہے،

علوم و فنون مین طاق تھے، تصوف اور موسیقی مین اچھی مہارت تھی، دلّی کے

بڑے بڑے باکمال گوئیے اپنی اپنی چیزین بنظرِ اصلاح لاکر سُنایا کرتے تھے،

ہر مہینہ کی دوسری اور چوبیسوین تاریخ کو اون کے ہان محفلِ سماع منعقد ہوتی تھی،

اوس مین علما و مشائخ اور اکثر امرا شرکت کرنا فخر سمجھتے تھے، شاہ عالم بادشاہ بھی کئی بار

اوس مین شریک ہوئے ہین، ایک بار بغیر اطلاع کے چلے آئے، چونکہ پانوٗن مین درد تھا

ضبط نہ کر سکے، ذرا پانوٗن پھیلا دیا، خواجہ صاحب اِس بے ادبی کے متحمل نہ ہو سکے فرمایا کہ

یہ امر فقیر کی داب محفل کے خلاف ہی، بادشاہ نے عذر کیا اور معافی چاہی، خواجہ صاحب نے

فرمایا اگر طبیعت ناساز تھی تو تکلیف کرنے کی کیا ضرور تھی، اِس سے خواجہ صاحب کے استغنا کا

اندازہ کرو حقیقت یہ ہی کہ وہ اپنے فضل و کمال کے ساتھ قدیم متانت اور تہذیب کی ایک مجسم تصویر تھے، ضبطِ نفس استقلال اور قناعت اون کی مشیخت کا طرۂ افتخار تھا،

اسرار الصلوٰۃ ایک رسالہ ہی جو پندرہ برس کے سن مین لکھا ہی، وارداتِ درد نام ایک دوسری کتاب ہی جس مین ایک سو گیارہ رسالے ہین، نالۂ درد، آہ سرد، دردِ دل، سوزِ دل، شمع محفل وغیرہ اوس کی شرح مین علم الکتاب جیسی کتاب تصنیف کی اگر اون کے فضل و کمال کا صحیح اندازہ کرنا چاہو تو علم الکتاب کا مطالعہ کرو، ایک رسالہ مبحث غنا مین لکھا ہی، ایک دیوان فارسی مین ہی، ایک ریختہ مین، میرے عزیز دوست نواب نور الحسن خان[1] مرحوم نے اپنی حسنِ عقیدت سے یہ سب کتابین چھپوادی ہین،

[1] یادش بخیر نواب نور الحسن خان مرحوم امیر الملک والاجاہ نواب سید صدیق حسن خان بہادر کے بڑے بیٹے جمال الدین خان مدار المہام بھوپال کے نواسے نانا کی طرح عالی حوصلہ فیاض سیر چشم اور اپنے والد کے مانند ذہین ذکی قوی الحفظ اور سریع الادراک تھے، ۲۱ رجب ۱۲۷۹ھ کو بھوپال مین پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد و دیگر علما و محدثین سے علوم آلیۂ عالیہ کی تحصیل کی اور افتخار الشعرا حافظ خان محمد خان شہیر سے مشق سخن کی،

ایک مدت تک اپنے والد اور نواب شاہجہان بیگم والیہ بھوپال کے سایۂ عاطفت میں نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کی بچپن سے مزاج مین بے تعلقی اور وارستگی تھی، جمال الدین خان بہادر کے بعد نواب شاہجہان بیگم مرحومہ نے چاہا کہ ان کو مدار المہام مقرر کرین مگر اس کو منظور نہین کیا، حقائق و معارف کے دلدادہ تھے، مطالعہ یا مذاکرہ مین صرف اوقات کرنے کو پسند کرتے تھے،

نواب شاہجہان بیگم کے انتقال کے بعد لکھنؤ مین آکر بود و باش اختیار کی اور اوسی بے تعلقی اور وارستگی مین زندگی بسر کردی، اخیر زمانے مین گوناگون امراض مین مبتلا ہوجانے خصوصاً اختلاج قلب و خفقان کی وجہ سے کاوشِ فکر کی عادت جاتی رہی تھی، مگر اس پر بھی تھوڑے تامل کے بعد نہایت (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

آزاد کہتے ہین کہ میر صاحب نے اِن کو آدھا شاعر مانا ہی، میرے نزدیک میر صاحب پر یہ بڑا بہتان ہی جس کو آبحیات مین آزاد نے چمکا کر دس پانچ جگہ بیان کیا ہی، میر صاحب کی جو رائے خواجہ صاحب کے باب مین ہی اوس کو پڑھ چکے نکات الشعرا چھپ گیا ہی اوس کو دیکھ لو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آبدار شعر کہہ لیتے، زود نویس ایسے تھے کہ جب بیٹھ جاتے تو جزو دو جزو ایک جلسہ مین لکھکر اٹھتے زود نویسی کے ساتھ شیرین قلم بھی تھے اور اِن دونوں باتون مین اپنے والد نامدار کی یادگار تھے ذہن نہایت سلیم تھا، حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ تیس پینتیس برس پہلے حدیث شریف کی کتابین پڑھی تھین مگر موقع آجاتا تو متن اور اسناد کے ساتھ روایت پیش کر دیتے،

فیاضی اور سیر چشمی مین اپنے نانا کی نظیر تھے، امیر، فقیر، بچہ، بوڑھا جو آتا اوس کچھ دیئے بغیر نہ رہتے، اور دینا بھی وہی جو اوس کے مناسب حال ہو، اور دیتے بھی اِس طرح سے کہ ایک ہاتھ سے دین دوسرے کو خبر نہ ہو، اون کے بچون کو معلوم نہ تھا کہ بیوی کو کیا دیا اور بیوی کو معلوم نہ تھا کہ بیٹی کو کیا دے آئے، اِسی پر باہر والون کو قیاس کرو،

بڑی خصوصیت اون کے دینے کی یہ تھی کہ دیتے اِس طرح سے تھے کہ لینے والے کو شرمندگی ہوتی اور اوس کو بغیر لیئے نہ بن پڑتا، دینے کی اور کوئی تدبیر بن نہ پڑتی تو جس کسی کو کچھ دینا ہوتا اوس کی کسی شکستہ اور بوسیدہ چیز کی تعریف کرتے اور کہتے کہ یہ مجھے بہت پسند ہی میری فلاں چیز سے بدل لیجئے، وہ کہتا بدلنے کی کیا ضرورت ہی آپ اِسکو یون ہی قبول فرمایئے تو اِس کو نہ مانتے اور بدلکر چھوڑتے اور اوس کو دوسرے وقت کسی اور حاجتمند کو دیدیتے،

دسترخوان وسیع تھا، اور مزیدار کھانون کے تیار کرانے کا شوق تھا، اپنے باورچی خانہ مین ہر روز طرح طرح کے کھانے پکائے جانے کا حکم دیتے، علاوہ اِس کے شہر مین جہان کہین کوئی ہوشیار رکابدار آجاتا بلا کر اوس سے پکواتے یا عرب و عجم سے کوئی سیاح آجاتا اوس سے ترکیبین پوچھتے اور پکانے کی فرمایش کرتے اور بے تکلف دوستون کو مدعو کر کے خود بہت کم کھاتے مگر دوسرون کو اصرار کر کے کھلاتے،

مرنے سے تقریباً پندرہ سال پہلے مجھ سے شناسائی ہوئی اور وہ یوماً فیوماً اتنی بڑھی کہ اون کو (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

خواجہ صاحب کی زبان اور طرزِ ادا وہی ہی جو میر کی ہی، قصیدے کی طرف مائل نہین
ہوئے اِس واسطے کہ جس مرتبہ کے وہ آدمی تھے اوس کو ہجو سے کیا نسبت غزلون کا دیوان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بغیر مجھ سے ملے چین نہ آتا تھا ہر روز ایک دو بار خود تشریف لاتے اور گھڑیوں بیٹھتے اور اِس
فکر میں رہتے کہ مجکو اپنے ساتھ لیجائین،

گھر میں اگر کسی کو چھینک آگئی اور اون کو معلوم ہو گیا تو فوراً تشریف لاتے اور کہتے کہ چلیے فلاں مریض کو
دکھانا ہی، وہاں پہونچتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ علمی اذکار یا کھانے پینے کے شغل میں سارا وقت کٹ جاتا اور کسی مریض کے
دیکھنے کی نوبت نہ آتی، اور کچھ بہانہ نہ ملتا تو حسب معمول صبح سے آکر مطب میں بیٹھ جاتے، جس وقت بھیڑ چھٹ جاتی
کہتے کہ بیٹے فلان کتاب ہم نے منگوائی ہی چلکر دیکھو یا بیٹے تمہارے لیے خاصکر فلان فلان قسم کے کھانے پکوائے ہیں،
غرضکہ ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ لیجانے کا تلاش کر لیتے، مگر باوجود اس کے کہ ہر وقت یکجائی رہتی دور باش اور ادب کا
رکھ رکھاؤ اخیر وقت تک اتنا قائم رکھا جس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا، میں اون سے عمر میں چھوٹا اور فضیلت
علمی مین کم پایہ تھا مگر محبت کا قانون سب سے نرالا قانون ہی خدا جانے کیوں وہ میرا ادب کرتے تھے، گاڑی مین کبھی برابر
پاس نہیں بیٹھے، مکان مین تکیہ سے لگ کر نہیں بیٹھے، میرے سامنے کبھی ننگے سر نہیں بیٹھے کبھی لیٹے نہین، کبھی دیر سہارے
بیٹھے بیٹھے تھک جاتے تو دوسرے کمرہ میں چلے جاتے وہاں تھوڑا سا آرام کر کے پھر آکر بیٹھ جاتے، مرض الموت مین بھی
باوجود شدت ضعف کے جس وقت مین جاتا گھبرا کر اوٹھنے کی کوشش کرتے اور جب نہ اُٹھ سکتے تو آدمیون کو حکم دیتے
کہ وہ اُٹھا کر بٹھا دیں، میں نے ہر چند کوشش کی کہ اِس وضعداری کو اب ترک کر دین مگر نہین مانا، صرف اُس وقت
لیٹے جب حالت سکرات کی حالت مین اُٹھ نہ سکتے تھے، حیف صد ہزار حیف کہ یہ گنج خوبی ۸ محرم ۱۳۳۶ھ کو سپرد زمین ہو گیا،

مرحوم کو خواجہ میر درد سے خاص عقیدت تھی، اون کی تصنیفات جہان تک مل سکین نالۂ درد، آہ سرد، سوز دل
شمع محفل ایک مجموعہ میں علم الکتاب جو مجلد صحیح ہی، دیوان فارسی، اور مجموعہ رباعیات فارسی اپنے صرف سے اون کے
والد کی کتاب نالۂ عندلیب دو جلدون مین سرکار عالیہ بھوپال سے کہکر چھپوائین، ان کے علاوہ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

بقول میرحسن کے مثل دیوان حافظ کے سراپا انتخاب ہی، تصوف اور اخلاق کی چاشنی کے اعتبار سے اِن کا کلام میر و مرزا کے کلام سے زیادہ دلآویز ہی

خواجہ صاحب نے ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ روز جمعہ کو اڑسٹھ برس کی عمر مین رحلت فرمائی، دلی مین اون کا مرقدِ منور ترکمان دروازے سے باہر زیارتگاہِ خاص و عام ہی،

ہو گیا مہمان سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

قتل عاشق کِسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا — پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
ذکر میرا تو وہ کرتا تھا صریحًا لیکن — مینے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

سینہ و دل حسرتون سے چھا گیا — بس ہجومِ یاس جی گھبرا گیا
مینے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات — پر مری نظرون کے ڈھب سے پا گیا

اِن بتون نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

درد ہم کو یہ رات دن تیرا — نالہُ زار خوش نہین آتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دیگر مصنفین کی بھی بہت سی کتابین چھپوائیں، خود بھی صاحب تصنیف تھے، اردو فارسی کلام کا مجموعہ، طرازِ عشق اردو شعرا کے کلام کا بہترین مجموعہ اور مجموعہ رسائل تصوف بار چھپوا کر تقسیم کی تھیں،

تو اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا	مین چاہون اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ مین اثر	مینے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

ہے کو تھی اجل کے طرف سے وگرنہ مین	اِک عمر سے اسیر ہون زلفِ دراز کا

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک	اور تو یان کچھ نتھا ایک مگر دیکھنا

نالۂ دل اثر دیکھ لیا درویش	جی مین نہ رہجائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

کی تو تھی تاثیر آہِ آتشین نے اوسکو بھی	جب تلک پہونچے ہی پہونچے راکھ کا یان ڈھیر تھا

پھرتی ہی میری خاک صبا دربدر لئے	اے چشم اشکبار یہ کیا تجکو ہو گیا

مثلِ نگین جو ہم سے ہوا کام رہگیا	ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا
یا رب یہ دل ہی یا کوئی مہمان سرائے ہی	غم رہگیا کبھو، کبھو آرام رہگیا
سو بار سوزِ عشق نے دی آگ پر ہنوز	دِل وہ کباب ہی کہ جگر خام رہگیا

دل بھی اے درد قطرۂ خون تھا	آنسوون مین کہین گرا ہو گا

وہ دن کدھر گئے کہ ہمین بھی فراغ تھا یعنی کبھو تو اپنے بھی دل تھا دماغ تھا

جایئے کس واسطے اے درد میخانہ کے بیچ اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ

صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو ہے کس کو زندگی کی توقع بہار تک

ہمارے پاس ہی کیا جو فدا کرین تجھپر مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہین

مدت تلک جہان مین ہنستے پھرا کیئے جی مین ہے خوب روئیے اب بیٹھکر کہین

جو اہل دید ہین انھین گلشن مین جا نہین نرگس کی گو کہ آنکھین ہین پر سوجھتا نہین

ہم تجھسے کس ہوس کی فلک جستجو کرین دل ہی نہین رہا ہی کہ کچھ آرزو کرین

نزع مین تو ہون و لے تیرا گلہ کرتا نہین دل مین ہی وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہین

نہین شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

کیا فرق داغ و گل مین اگر گل مین بو نہو کس کام کا وہ دل ہی کہ جس دل مین تو نہو

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو | پر نہ آ جائے کہین جی مین کہ آزاد کرو
نہ کہین عیش تمھارا بھی متغض ہو جائے | دوستو درد کو محفل مین نہ تم یاد کرو

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے | لوحِ مزار بھی مری چھاتی کا سنگ ہے

خدا جانے کیا ہوگا انجام اِس کا | مین بے صبر اتنا ہون وہ تندخو ہی

کس لیئے آئے تھے اور کیا کر چلے | تہمتِ چند اپنے ذمہ دھر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے | ہم تو اِس جینے کے ہاتھون مر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم مین | چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
ساقیا اب لگ رہا ہی چل چلاؤ | جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

اگلے معانقے کو اگر کیجیئے معاف | لگ جائیے گلے سے مکافات کے لیئے

اِس طرح سے یک بخت جو آنسو نہین تھمتے | معلوم ہوا درد کہین آنکھ لڑی ہے

تیری گلی مین، مین نہ چلون اور صبا چلے | یون ہی خدا جو چاہے تو بندہ کی کیا چلے

روندے ہی مثلِ نقشِ قدم خلق یان مجھے | اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہان مجھے

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجئے کیون کر ایک تو یار رہے اور تسپہ طرحدار بھی ہے

سلطنت پر نہین ہے کچھ موقوف جس کے ہاتھ آئے جام سو جم ہے

رباعی

اے درد یہ دروجی کا کھونا معلوم خون لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہان ہزار پھولے لیکن میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

سید محمد میر سوز

میر تخلص جوانے است بسیار اہل خوش طبع ہرچند طرز علحدہ دارو لیکن ارجو کردن تخلص من بصف دلم ازو خوش است از نکات الشعراء

بسیار بارک طبع، رو درنج نکتہ سنج مردے عجیب ہست شخصی غریب موسد طرز علحدہ شعرا ماوراے مادرکہ دست وچشم بلکہ تمام اعضا درحرکت می آید می خواند ومردمان ماہم را متوجہ جانب خود میکرواند از طبقات الشعراء

درعہد خود از جملہ اوا بداں ممتا[illegible] مایہ ملک اوست دعوای استعارش از زبان او میکو از خواندش چناں خوب می نماید کہ در گفتن نمی آید از تذکرہ میر حسن،

سید محمد میر نام سوز تخلص میر ضیاء الدین کے بیٹے اور قطب عالم گجراتی کی اولاد مین تھے، دہلی مین پیدا ہوئے وہین نشو و نما ہوا، تعجب ہے کہ گلشن بیخار مین ان کو لکھنوی لکھا ہے، ایک طرح سے یہ بھی سچ ہے کہ یہ لکھنؤ مین آکر پیوند خاک ہوئے ہین،

خط شفیعہ اور نستعلیق خوب لکھتے تھے، شہسواری اور تیراندازی مین بھی خوب ماہر تھے، ورزش کرتے تھے اور طاقت خداداد ایسی تھی کہ ہر ایک اون کی کمان کو چڑھا نہ سکتا، شعر و سخن کا شوق بچپنے سے تھا، پہلے میر تخلص کرتے تھے، جب میر تقی میر کی شہرت نے میر کو اپنے لیئے مخصوص کر لیا تو اونھون نے سوز اختیار کیا،

آزاد نے آبحیات مین لکھا ہی کہ میر صاحب نے ان کو پاؤ شاعر مانا ہی، ایک خود ایک مرزا رفیع آدھے خواجہ میر درد پاؤ میر سوز، یہ آزاد کی صرف بذلہ سنجی ہی، خواجہ میر درد کے حال مین اس کو مین لکھ چکا ہون،

ہان اس مین شبہہ نہین کہ میر سوز کی شاعری کو اوس زمانہ کے شعرا خاطر مین نہ لاتے تھے میر صاحب کا قول دیکھو ہر چند طرز علیحدہ دارد، میر حسن کی بھی سو وہ کیا کہتے ہین "از خواندنش چنان ... می نماید کہ در گفتن نمی آید"، شیفتہ نے کھلکر کہدیا ہی "کلامش از جادۂ مستقیمہ شعرا برکران" مگر انصاف یہ ہی کہ آزاد کی رائے اس مین بے لاگ ہی، وہ کہتے ہین کہ میر سوز کی زبان عجب میٹھی زبان ہی، اور حقیقت مین غزل کی جان ہی، ان کی انشاپردازی کا حسن تکلف اور صنائع مصنوعی سے بالکل پاک ہی، البتہ غزل میں دو تین شعر کے بعد ایک آدھ پرانا لفظ ضرور کھٹک جاتا ہی،

شاہ عالم کے زمانہ مین جب دلی پر تباہی آئی تو میر سوز بھی گھبرا گئے، سیدھے فرخ آباد آئے، اور نواب مہرباں خان رند کی سرکار مین کچھ دنون زندگی بسر کی اوس کے بعد لکھنؤ آئے مگر رنگ نہین جما، مرشد آباد گئے وہان بھی قسمت نے یاوری نہ کی، پھر لکھنؤ واپس آئے اب کی تقدیر چمکی نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوگئے چندروز آرام سے نگزری تھی کہ ۱۲۱۳ھ مین ستر برس جی کر دنیا سے گزر گئے،

اہل ایمان سوز کہتے ہین کہ کافر ہو گیا   آہ یارب راز دل اون پر بھی ظاہر ہو گیا

تڑپتی کیون نہ اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر — کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا

قتل سے یہ بیگنہ راضی ہے اپنے اِس لئے — ہاتھ مین اِک روز تو وامان قاتل ہوئے گا

کعبہ ہی کا قصد یہ گمراہ کرے گا — جو تم سے بتو ہو گا سو اللہ کرے گا

سوز کیون آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا مین تو — وہان تجھے کیا تھی کمی یہان تجکو کیا درکار تھا

یہ سب باتین ہین قاصد یار میرے گھر نہین آتا — نہ دیکھون جب تلک آنکھون سے کچھ باور نہین آتا

کہتا نہ تھا مین اے دل اِس کام سے تو باز آ — دیکھا مزا نہ تو نے نادان عاشقی کا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہین سکتا — تڑپنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہین سکتا

اور تو بس نہین چلتا ہے رقیبون کا مگر — سوز کے نام کو لکھ لکھ کے جلا دیتے ہین

لوگ کہتے ہین مجھے یہ شخص ہو عاشق کہین — عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

سر زانو پہ ہو اوس کے اور جان نکل جائے — مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

منھ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے — خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

اشک خون آنکھون مین آ کر جم گئے — دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا — پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

جون خضر ہوس عمر ابد کی نہین مجکو — اوس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس گزرے

پرکار کی روش بھرے ہم جتنے چل سکے — اِس گردشِ فلک سے نہ باہر نکل سکے

شیخ قیام الدین قائم

بسیار آدم بامزہ واہل درد، متواضع خلیق، مہذب صورت، پاکیزہ سیرت، خوش مقال

ودر سخنورے باکمال از خوش خیالان زمان وبلند نظران جہان فکر رسا دارد ودر نازک خیالے

ومعنی یابی داد سخنوری میدہد اھ طبقات الشعراء،

در پختگی کلام حیثیت مصراع غزل در ریختہ قصیدہ ومثنوی وغیرہ موافق زمانہ دوش بدوشِ

استاد راہ میرفت، بلکہ در بعضی مقام رجحان میجست اھ تذکرہ مصحفی،

قیام الدین علی نام تھا، قائم تخلص، چاندپور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے مگر ملازمت کے تعلق سے زندگی کا بیشتر حصہ دلی مین بسر ہوا، توپخانہ مین اسامی تھی تحصیلِ علم کا حال معلوم نہین مگر اسقدر استعداد ضرور تھی کہ اون کی انشا پردازی مین خلل نہین آنے دیتے اور یہ

جو ہر اوس زمانہ کے شریف خاندانون کیلئے عام تھا،

دلی اوس زمانہ مین آج کی سی دلی نہ تھی، خواجہ میر درد مرزا رفیع سودا، میر محمد تقی میر، سید محمد میر اثر، حکیم ہدایۃ اللہ وغیرہ جیسے اربابِ کمال کا جمگھٹا تھا اور شاعری کا ہنگامہ گرم تھا ان کو بھی شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا، خواجہ میر درد کی خدمت مین آنے جانے لگے چند روز اون سے فیضیاب ہوکر مرزا رفیع سودا کے شاگرد ہوگئے اور ایسی مشق بہم پہونچائی کہ ان کے طرز ادا کو دیکھکر سودا کے کلام کا دھوکا ہوتا ہی،

دلی کی تباہی کے بعد وطن واپس آئے اور کچھ دنون نواب محمد یار خان[1] کے ساتھ ٹانڈہ میں زندگی بسر کی جب اون کا بھی کام بگڑا تو رامپور چلے گئے اور احمد یار خان پسر نواب فیض اللہ خان نے اون کی تنخواہ مقرر کر دی کچھ دنون اسی پر قناعت کی جب تنگ حالی سے زیادہ

[1] نواب محمد یار خان امیر تخلص نواب علی محمد خان مورث نوابان رامپور کے چوتھے بیٹے اور نواب فیض اللہ خان رئیس رامپور کے بھائی تھے انولہ کے قریب ٹانڈہ ایک بستی ہی وہاں بودوباش تھی شعر و سخن و سیر و شکار کا شوق تھا میر سوز اور مرزا رفیع سودا کو فرخ آباد سے بلایا تھا وہ نہیں آئے تو شیخ قیام الدین قائم کو بلا کر سو روپیہ ماہوار اون کے کر دیئے اور اون سے مشق سخن کی، شیخ غلام ہمدانی مصحفی، ندوی لاہوری، میر محمد نعیم پروانہ، علی شاہ، میان عشرت، حکیم کبر علی سنبھلی وغیرہ شعرا بھی ملازم تھے اور رات دن شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا اون کے حکم سے عاقل خان مصور نے ایک مرقع تیار کیا تھا جس میں نواب اور اون کے حاشیہ نشین شاعروں کی تصویرین بنائی تھین،

مرہٹہ گردی میں یہ تمام لوگ بنات النعش کی طرح منتشر ہوگئے اور نواب کو فیض اللہ خان آکر رامپور لے گئے اور پچاس ہزار روپیہ سالانہ ان کی جیب خاص کے لئے مقرر کردیا ۱۱۸۸ھ میں وفات پائی،

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا — یا رب برا ہوا اس دل خانہ خراب کا

ساقی گزک کی کچھ نہین حاجت شراب سے — ہم دل جلوں میں آپ مزا ہے کباب کا

گر وقت ذبح نالہ کیا مینے کیا ہوا — پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلے

پریشان ہوئے تو لکھنؤ آئے اور مہاراجہ ٹکیت رائے کا شقہ اپنے وطن کے عامل کے نام لے گئے ،
یومیے اور ملکیتین جو ضبط ہو چکی تھین اون کو پھر بحال کرایا ،
اِس کے بعد پھر رامپور چلے گئے اور وہین ۱۲۱۰ھ مین انتقال کر گئے ،

قِسمت کو دیکھئے کہ کہان ٹوٹی جا کمند | دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

—— • ——

غیر سے مِلنا تمھارا سُن کے گو ہم چُپ رہے | پر سُنا ہو گا کہ تم کو اِک جہان نے کیا کہا

—— • ——

معاملہ ہی یہ دل کا اِسے کہے گا کون | پیا مبر کے ہمین ساتھ آپ جانا تھا

—— • ——

لے گیا خاک بھی ہمراہ دل اپنے قائم | شاید اِس جنس کا یان کوئی خریدار نہ تھا

—— • ——

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر | روٹھا تھا آپ ہی تجھ سے مین و آپ ہی من گیا

—— • ——

قائم ضرور کیا ہی اب اوس جنگجو سے صلح | مدت ہوئے کہ جان سے مین ہاتھ دھو چکا

—— • ——

طوفان گریہ کی ہی لے حد عمر نوح | دریا نہین کہ آج چڑھا کل اُتر گیا

—— • ——

درد دل کچھ کہا نہین جاتا | آہ چپ بھی رہا نہین جاتا

—— • ——

ہر دم آئے سے مین بھی ہون نادم　　کیا کرون پر رہا نہین جاتا

جلوہ ہر رنگ مین ہے اوس بت ہرجائی کا　　یہ پریشان نظری جرم ہے بینائی کا

قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری　　مرچکے ہین اِسی آزار مین بیمار بہت

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی　　اِس سے جو کوئی جیا تو مرکر

تم کو کیا قدر ہے اے دیدہ مرے رونے کی　　ایک بوند آئی ہے سو خونِ جگر سے باہر

جو سوزِ عشق کا چرچا وہان نہین قائم　　تو کیا مین جاؤن گا دینے بہشت مین آتش

مے کی توبہ کو تو مدت ہوئے قائم لیکن　　بے طلب اب بھی جو ملجائے تو انکار نہین

مجھ سا جہان مین کوئی بھی آشفتہ سر نہین　　ہے یون تو زلفِ یار بھی پر اسقدر نہین

تنگ تو ہم کو اے جیب کرے ہے لیکن　　اُٹھ گیا ہاتھ گر اپنا تو پھر اِک تار نہین

آگے مرے نہ غیر سے گو تم نے بات کی　　سرکار کی تو نظر دن کو پہچانتا ہون نہین

جور سپہر و درے یاران و روئے غیر — جو کچھ نہ دیکھنا تھا سو اب دیکھتا ہون مین

ایک مدت سے یہان وہ تو موا پھرتا تھا — آج تم مرنے کا عاشق کے عجب کرتے ہو

تھا بد و نیک جہان سے مین عدم مین آزاد — آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھکو

اس حسن نیرنگ کے صدقے کہ جس کے بیچ — ہلکی سی ایک شوخی کی تہ ہو حیا کے ساتھ

دامانِ گل تئین ہے کہان دسترس مجھے — تکلیف سیر باغ نکر اے ہوس مجھے

بعد خط آنے کے تھا اوس سے وفا کا احتمال — لیک وان تک عمر نے اپنے وفاداری نکی

دنیا مین ہم رہے تو کئی دن پر اِس طرح — دشمن کے گھر مین جیسے کوئی میہمان رہے

خدا نکردہ اوسے غیر سے نہین سروکار — تھی ایک بات ہمارے ہی یہ جلانے کی

کسی بلا مین پھنسے قید ہوئے جان سے جائے — پر آدمی کو خدا تجھسے مبتلا نہ کرے

بتون کی دید کو جاتا ہون دیر مین قائم — مجھے کچھ اور ارادہ نہین خدا نہ کرے

شیخ جی آیا نہ مسجد مین وہ کافر ورنہ ہم　　پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

—·—

دل ڈھونڈتا سینہ مین مرے بو العجبی ہی　　اک ڈھیر ہے یان راکھ کا اور آگ دبی ہی

—·—

گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے　　کہنے کو بات رہگئی اور دن گزر گئے

—·—

پھرے زمانہ جہانتک پہ ہم سے یا نہ پھرے　　کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

—·—

مر جائیے کسی سے پر الفت نہ کیجئے　　جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

انعام اللہ خان یقین

جوانے بود خوش رو و خوشگو خوش خلق و قابل منظور نظر و تربیت کردۂ مرزا مظہر موصوف

در عین عنفوان جوانی پدرش نسبت بقصرے کہ از یقین بوقوع آمدہ باشد کشت یقین است کہ

کہ مغفرتش شدہ باشد اھ طبقات الشعراء

بے اغراق ریختہ گوئی بر طاق بلند گذاشتہ و تخم معنی در زمین سخن کاشتہ و انچہ از طبعش سر

زدہ از فرط شیوع و حسن قبول در تمام ہندوستان بر افواہ و السنہ جاری است اھ تذکرہ فتح علیشاہ

در دورہ ایہام گویان اول کسے کہ ریختہ راشستہ و رفتہ گفتہ این جوان بود بعد از ان تتبعش

بدیگران رسیدہ چنانچہ خود میگوید،

حق کو یقین یار و برباد مت دو آجہ　　طرز سخن کے اوس کے تمنے اوڑائیاں ہیں

(تذکرہ مصحفی)

انعام اللہ خان نام تھا، یقین تخلص نواب اظہر الدین خان کے بیٹے حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کے پرپوتے اور جناب مرزا مظہرؒ کے شاگرد رشید تھے، معلوم ہوتا ہی کہ اپنے کلام کے زور مین وہ دوسرون کو خاطر مین نہ لاتے تھے، میر صاحب اون سے بہت خفا ہین، نکات الشعرا مین لکھتے ہین،

"القصہ ہر و یہ چہ چند کہ باقتہ است کہ ما و شما نیز توانیم بافت این قدر بر خود چیدہ ہست کہ رعونت فرعون بیشت دست بر زمین میگذارد بعد ملاقات این قدر معلوم شد کہ از الفقہ سخن بہی مطلق ندارد"

میر صاحب کی زبردستی دیکھو، یقین کا دیوان اون کی سخن گوئی کی زندہ شہادت ہے، ایسے سخنگو کی سخن فہمی کا انکار کرنا میر صاحب کی زبان سے اچھا نہین لگتا، اِس سے بھی زیادہ ستم ظریفی یہ ہی اون کے معاصرین مین سے کچھ لوگ سرے سے یقین کے کلام کو مرزا صاحب کی طرف منسوب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ یقین کو شعر کہنا ہی نہین آتا تھا، محمد حسین کلیم نے اِس شعر مین اِس کی طرف اشارہ کیا ہے،

یقین کے شعرون پہ ہیں بدگمان بعضے کہ اِسکے نہین غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جانجانان کو

مگر میر صاحب نے باوجود ناراضی کے اِس سے انکار کیا ہی وہ فرماتے ہین

"مردمان می گفتند کہ مرزا مظہر اورا شعر گفتہ می دہد و وارث شعرہائے ریختہ خود گردانیدہ ازقبول کردن این علش مدہ راحندہ می آید کہ ہمہ چیز لوارث میرسد الا شعر مثلاً کسے کہ بر شعر پدر خود یا مضمون او متصرف شود اورا از دخواہد گفت تا الشعر استاد چہ رسد"

مصحفی کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ۲۵ برس کے سِن مین یقین کا کام تمام ہوگیا، اگر جیتے رہتے تو میر ہوں یا مرزا ہون کسی کا چراغ اون کے سامنے نہین جل سکتا تھا،

کلام ملاحظہ ہو

ہر گھڑی صحرا نشینی پر نکر جراٗت یقین　　آگئی تھی راس مجنون کو بیابان کی ہوا

آشنا کوئی جہان مین کبھی بے وفا نہو　　ملتی ہے تیری مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا

جو کچھ کہین یہ تجھکو یقین ہی سزا تری　　بندہ جو تو بتون کا ہوا کیا خدا نہ تھا

تری الفت سے مرنا خوش نہین آتا مجھے ورنہ　　یہ ایسا کار آسان اسقدر دشوار کیون ہوتا

خفیف مجھ سے اُلجھکر عبث ہوا واعظ　　کہ مین تو مست تھا اوس کو بھی کیا شعور نہ تھا

فصلِ گل بھی آن پہونچی دیکھئے کیا ہو یقین　　اب کی چلتا ہی جنون پر جی ہمارا بے طرح

بہار آخر ہوئی ہی اب تو سینے دے گریبان کو　　یقین کرتا ہو کوئی اِسقدر دیوانہ پن بس کر

ناصح سے مجکو غم نے کیا شرمسار حیف　　سو بار پھٹ چکا یہ گریبان ہزار حیف

کعبہ سے ہم گئے نہ گیا پر بتون کا عشق　　اِس درد کی خدا کے بھی گھر مین دوا نہین

یہ سینۂ عشق سے محروم درد و داغ نہین ہزار شکر کہ یہ ملک بے چراغ نہین

یقین مار اگیا جرمِ محبت پر نہے طالع شہادت اِس کو کہتے ہین سعادت اِسکو کہتے ہین

فکر مرہم کی مرے واسطے مت کر ناصح خوب ہوتا نہین اِس عشق کا ناسور کبھو

رو داد محبت کی مت پوچھ یقین مجھ سے کچھ خوب نہین سننا افسون ہی یہ افسانہ

اگرچہ عشق مین آفت ہے اور بلا بھی ہے بُرا بُرا نہین یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

جور و جفا مین یار بہت ہو گیا دلیر کرنے کو کی پہ راس نہ آئی وفا مجھے

عشق مین ملتی نہین راحت اگر جون کوہکن جانِ شیرین دیجئے تب خواب شیرین کیجئے

اگر زنجیر میرے پیر مین ڈالی تو کیا ہو گا بہار آنے دو میرا ہاتھ ہی اور یہ گریبان ہی

یقین کے واقعے کی سُن خبر وہ بدگمان بولا یہ دیوانہ تو ایسا تو نہ تھا بیمار کیا کہئیے

نظر آتا نہین ثابت گریبان ایک غنچے کا چمن پر یہ ستم کرتا ہے اے بادِ صبا کو ئی

شب ہجران کی وحشت کو تو اے بیداد کیا جانے — جو دن پڑتے ہین آ تو ن کو مجھے تیری بلا جانے

گریبان چاک کرنے سے کسی کے کیا تجھے ناصح — ہمارے ہاتھ جانین اور ہمارا پیرہن جانے

خطا ہی مفت مر گر یار کیون دیجیے رقیبون کو — ہماری ہم سے پوچھو کوہکن کی کوہکن جانے

مفت کب آزاد کرتی ہو گرفتاری مجھے — جی ہی لیکر چھوڑی گی آخر یہ بیماری مجھے

یقین جاتا رہا گر بلبلون کے ساتھ جانے دو — کوئی اِس بے مروت دل کو اپنے پاس کیا رکھے

پڑین پتھر الٰہی اِس محبت پر کہ ہوئی کس — مرے فرہاد اور پرویز شیرین کو اُٹھا لائے

یقین ہوا مجھے قطرہ سے اشک کے معلوم — نہ اوٹھ سکے کوئی جو آنکھ سے گرا ہووے

حق مجھے باطل آشنا نکرے — مین بتون سے پھرون خدا نکرے

خواجہ احسن اللہ بیان

شاعر عذب البیان از خوشگویان زمان خواجہ احسن اللہ المتخلص بہ بیان از تلامذہ مرزا مظہر جانجانان مولدش شاہجہان آباد الحال معلوم نیست کہ کجا است ریختہ نامہ ازو مشہور است

بسیار خوب گفتہ رباعیات ولپذیر دارد اہ تذکرہ میرحسن

خواجہ احسن اللہ نام بیان تخلص، اصلی وطن اکبر آباد تھا، دلی مین پیدا ہوئے اور مرزا مظہر جانجانان علیہ الرحمہ کے آغوشِ تربیت مین اون کی شاعری نے ترقی کی، مولا فخرالدین دہلوی کے مرید تھے، آخر عمر مین حیدر آباد گئے اور نواب آصف جاہ ثانی کی سرکار مین عزت سے زندگی بسر کی،

خوش خلق، پاکیزہ سیرت، ظریف طبع اور لطیف مزاج تھے دوستون سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے اور جو ایک بار اون سے ملتا وہ ہمیشہ اون سے ملنے کا متمنی رہتا،

۱۲۱۳ھ مین وفات پائی اور حیدر آباد مین مدفون ہوئے، ان کے شاگرد رائے گلاب چند نے تاریخ کہی "اُستاد از جہان رفت"

ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ مین موجود ہی اور ہندوستان مین بھی کہین کہین پایا جاتا ہی

اِن کے کلام کے دیکھنے اور پرانے پرانے تذکرہ نویسون کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب اُصولِ شاعری سے باخبر خوشگو تیز طبع اور مشاق سخنور تھے، اِن کے کلام مین نمکینی اور رنگینی ایسے غضب کی ہی کہ شعر کو پڑھکر دل تڑپ جاتا ہی، دور از قیاس استعارون اور پیچیدہ بندشون سے کلام پاک وصاف ہی اور سادگی مین بھی اوس کا انداز ایسا ہی جس پر ہزارون بناوٹین قربان کردی جائیں،

کب تلک اوس کی شکایت ہو نہ لب سے آشنا — ایک بیگانہ ہے مجھ سے اور سب سے آشنا

کوئی کسی کا بیان آشنا نہین دیکھا — سوائے اِس کے ان آنکھون نے کیا نہین دیکھا

مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح! — لیک یہ ہم سے ہو نہین سکتا

کیون آج سماتا نہین سینہ مین خوشی سے — پہنچا ہے مگر دل تجھے پیغام کسی کا

سامان کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن بیان — اب یہی در ہے، یہی گھر خانۂ الفت خراب

تو بزم سے اُٹھا تو ہوئی تلخ مے کشی — مین سچ کہون شراب کو سمجھا حرام آج

کہتا نہین مین عرش پہ اے نالہ جا پہنچ — کانون تلک تو اوس کے تو اے نارسا پہنچ

ہمارا ضعفِ بصارت ہی مانعِ دیدار — وگرنہ سامنے آنکھون کے یار ہی موجود

عرش تک جاتی تھی اب لب تک بھی آ سکتی نہین — رحم آتا ہے بیان اب مجکو اپنی آہ پر

ہم سرگزشت کیا کہین اپنی کہ مثلِ خار — پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

صاف منہ پر مین نہیں کہتا کہ ہوگا اوس کے پاس — ورنہ کیا واقف نہین مین دل ہی میرا جس کے پاس

جانے دے مجکو اے ہوس سیرِ گلستان — اب اِس چمن سے اپنے غم آباد کی طرف

ہووے گا ذوق حسرتِ دیدار مین خلل
شیرین اگذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

ہوئی آہ اب اسقدر نارسا
کہ سینے سے آتی نہین لب تلک

تمنا بادشاہی کی کسی سفلہ کو ہووے گی
مرے دل مین خدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہون

کافر ہو جس کے دل مین کچھ اور آرزو ہو
اک مختصر سی چاہ ہو نہین ہون اور تو ہو

قمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے
اوسے کہتے ہین جیتا جو کوئی یان نقد جان ہارے

رسوا ابھی سے کرتی ہے اے چشمِ تر مجھے
آنا ہے اوس کی بزم مین بار دگر مجھے
آیا ہون اوس گلی سے ابھی دم نہین لیا
پھر لیچلا ہے یہ دلِ وحشی اودھر مجھے

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز گزر جائیگی شب بھی
اب ہجر مین کہتا ہون کہ تھا وصل مین آرام
نالان ہی یہان بیٹے تو دیکھا تجھے جب بھی

ہزار دن قصرِ جنت کے برابر مین سمجھتا ہون
اگر گردون دون آسودہ زیرِ خاک رہنے دے
فرشتون کی عبادت کا مصلّیٰ ہے مرا دامن
اگر آلودگی دنیا کی اِس کو پاک رہنے دے

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے	یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بتا آن منھ سے بول لے	اے بے نصیب مانع گفتار کون ہے

خدا تجھے مرے آغوش سے جدا نکرے	یہ بات کہتے ہی دھڑکے ہے دل خدا نکرے

کیجئے عرض حال گو کچھ ہو	نہین رہتی زبان پہ آئی

کیا ہوا سرکش پر گیا نالہ	دل مین اوس شوخ کے توراہ نہ کی

میر محمد باقر حزین

میر محمد باقر حزین تخلص شاعر ریختہ است صاحب دیوان از نصیریان مرزا جانجانان
مظہر شمردہ می شود کہ بہ بنگالہ رفت اہ نکات الشعرا

طبع رسا و فکرے والا داشت و در ملک سخنورے علم شاہی می افراشت غنچۂ استعدادش
از نسیم انفاس مرزا مظہر شگفتہ اہ تذکرہ فتح علی شاہ

میر محمد باقر نام تھا حزین تخلص دلی کے رہنے والے اور جناب مرزا مظہر علیہ الرحمہ کے شاگردون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے، مرزا صاحب کو بھی ان سے بیحد لطف تھا، دیوان مین جہان کہین اُستاد کا ذکر کرتے ہین اوس سے اون کے اخلاص و عقیدت اور مرزا صاحب کے لطف و کرم کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہین ؎

جس طرح جی چاہتا ہی ہو نہین سکتی حزین   حضرتِ اُستاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

ایک اور موقع پر فرماتے ہین،

اے حزین شکر کہ ہے مصحفِ اربابِ جنون   فیض سے حضرتِ اُستاد کے دیوان میرا

افسوس ہی کہ مصائبِ روزگار سے تنگ آکر اِنھین آخر کار دلی چھوڑنا پڑا،

عظیم آباد پہونچے وہان نواب صولت جنگ نے اِن کی قدر دانی کی اور اِنھین کی سرکار مین فراغت کے ساتھ زندگی بسر کی، ابتک کِسی تذکرے مین اِن کا سنہ وفات میری نظر سے نہین گزرا، دیوان اِن کا کہین کہین پایا جاتا ہی، جس مین قصائد اور غزلین ردیف وار موجود ہین،

غزلون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ طبیعت معنی یاب و فکر رنگین رکھتے تھے اور سوز و گداز کی چاشنی اوس مین کسی سے کم نہین،

خوب سوجھا ہی مزا عشق مین رسوائی کا   معتقد دل سے ہون اِس دل کی مین دانائی کا

یہ کہکر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت   لکھا تھا یون کہ فصلِ گل مین چھوڑین آشیان اپنا

گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جور یار آخر   ہمین رنج و الم سے ہو گئی صحبت بر آر آخر

نہو اے باغبان بلبل کو مانع گل کے مِلنے سے   نہین رہنے کی گلشن مین بہار آخر سدا ہرگز

آتی ہی، لو بہار دھڑکتا ہے دل کہ ہائے   پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل

فصل گل آخر ہوئی کیا دیکھ ہونگے شاد ہم
کچھ کراے صبا واب ہونگے نہین آزاد ہم

بیوفائی دیکھکر ان خوش نگاہون کی حزین
اب کسی سے اِس طرح ملنے کو میرا دل نہین

آرزو مین عشق کی ہوتی نہ دیکھین سر براہ
کوہکن بھی سر پٹک کر مر رہا آخر وہین

جس دن سے مین سُنا ہے کہ آخر ہوئی بہار
اوس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہین
ویران ہوا خزان سے چمن یان تلک کہ اب
چاہین کہ جل مرین تو کہین خار و خس نہین

نہ وصل مین اوسے راحت نہ ہجر مین آرام
کسی طرح سے حزین دل کے تئین قرار نہین

کچھ کہا شاید اوس نے قاصد سے
دل پہ میرے وہ اضطراب نہین

حال اے قاصد مرا جو کچھ کہ تو جاتا ہی دیکھ
اِس طرح سے اوس سے مت کہیو کہ وہ محجوب ہو

کچھ کٹے ہجر مین کچھ وصل مین گریان گزرے
کیا مری عمر کے اوقات پریشان گزرے

ہر نصیحت مین تری مانون گا اے ناصح پر ایک
دلبرون کے دیکھنے مین جی مرا نا چار ہے

مین چاہتا ہون عشق چھپاؤن پہ کیا کرون   رسوا کرے ہی خلق مین یہ چشم تر مجھے

راحت مین دل کے ہاتھ نپاؤن گا ایکدم   جبتک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے

حزین مین درد دل کا کس طرح ظاہر کرون وسے   مجھے کہتا ہی تیری بات مجکو خوش نہین آتی

وفا میری اگر جور و جفا تجکو نہ سکھلاتی   تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

حکیم ہدایتہ اللہ خان ہدایت

ہدایت تخلص از دہلی است ریختہ را بطرز میگوید از یاران خواجہ میر است اگرچہ در ظاہر بعجز و انکساریش می آید اما کمیت خامہ او در عرصہ میدان سخن بال بستہ راہ میرود او سکات اشعرا مشاق قدیم معاصر و ہمطرح محمد قائم شریک دون میر و مرزا شاگرد بلکہ مرید خواجہ میر درد نور اللہ مرقدہ تخلصے است بسیار حلیم و سلیم شعر را بسیار بفصاحت میگوید عمرش از شصت متجاوز خواہد بود صاحب دیوان است اھ تذکرہ مصحفی،

ہدایۃ اللہ نام ہدایت تخلص تھا خواجہ میر درد کے فیضان صحبت سے دل کو روشن کیا اور شعر و سخن کی مشق بھی انھین سے کی، طبابت مین نام برآوردہ تھے، میر قدرۃ اللہ خان قاسم ان کے شاگرد رشید تھے ۱۲۱۵ھ مین داصل بحق ہوئے، علاوہ دیوان ریختہ کے بقول مرزا لطف ایک مثنوی بنارس کی تعریف مین بہت خوب لکھی ہی،

نہ رحم اوس کے ہی جی مین نہ دل مین اپنے صبر   ہماری گزرے گی کیون کر الہی کیا ہوگا

دیکھ اوس کی چشمِ مست کو دل تو بہک گیا — بس میری جان وہی پیالون مین چھک گیا
دیکھا نہین ہے ہم نے ہدایت کو اندنون — شاید کسی جگہ پہ دل اوس کا اٹک گیا

ہے آدمی کو بھی قیدِ حیات اِک زندان — کِسی نے خوب کہا ہو موا سو چھوٹ گیا

آیا ہون تنگ کشمکشِ دامِ زلف مین — یارو مین کِس بلا مین گرفتار ہو گیا
بوسہ طلب کیا تھا فقط اور کچھ نہین — مین اتنی بات کہہ کے گنہگار ہو گیا

اِک دن بھی مہربان نہ وہ بے وفا ہوا — اے آہ و نالہ سحری تم کو کیا ہوا

کوئی پھرا نہ ملکِ عدم سے تو اب تلک — پایا جہان کِسو نے کچھ آرام رہگیا

رہا مرتے مرتے مجھے غم اِسی کا — نہین بعد میرے کوئی بیکسی کا
کیا تیغِ قاتل نے جب کام اپنا — مین منہ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا

کس دل جلے کی خاک سے گزرے چمن مین آج — دیکھا عرق فشان مین نسیمِ بہار کو

تجھ بن تو چاہتا نہین جی سیرِ باغ کو — لگتی ہے ٹھیس نکہتِ گل سے دماغ کو

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغان سنتے ہو　　اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہان سنتے ہو

کرتا نہین ہے جانے کو دل کوئے یار سے　　گو اس مین جی رہے نہ رہے ہم تو یان رہے

کیا کہون مین کہ ترے ہجر مین کیونکر گزرے　　وہی جانے ہے مری جان کہ جس پر گزرے

دن جو گزرا تو مجھے روزِ قیامت سے دراز　　رات گزری تو شبِ ہجر سے بدتر گزری

میر محمد بیدار

قریب چہار دہ سال شدہ باشد کہ فقیر او را در لباسِ درویشی در شاہجہان آباد دیدہ بود طبع در دمند داشت باریک و منحنی بزیورِ حلم و حیا آراستہ معلوم نیست کہ الحال کجا است اھ

تذکرہ میر حسن،

میر محمد علی نام تھا، بیدار تخلص مگر شہرت میر محمدی کے نام سے ہوئی، دلی وطن تھا، وہین نشو و نما بھی ہوا، مرتضیٰ قلی بیگ فراق سے فارسی، اور حضرت خواجہ میر درد سے اُردو مین مشق سخن کی، پھر مولانا فخر الدین دہلوی کے فیضانِ صحبت سے بہرور ہوئے اور طریقۂ چشتیہ کے اذکار و اشغال کی ورزش کرنے کے بعد خرقۂ خلافت پہنا، جب تک دلی مین رہے عرب سرا مین قیام تھا، ہر روز اپنے مرشد کی خدمت مین آتے جاتے تھے، آخر عمر مین دلی سے آگرہ چلے گئے اور وہین کٹرہ دندان فیل مین سکونت اختیار کر لی، دو دیوان یادگار چھوڑ کر ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۴ء مین وفات پائی، اور آگرہ مین مدفون ہوئے، میر و مرزا کے ہمعصر تھے،

جب اونھون نے رعایت لفظی کے ناپسندیدہ رنگ کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اِس مین کوشش
کی اور صفائی کے ساتھ تصوف کا رنگ بقدر مناسب شامل کرکے اپنے طرز کلام کو علحدہ کرلیا
اُس کے اشعار دلاویزی کے باعث ابتک لوگون کی زبانون پر چڑھے ہوئے ہین۔ ع

قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

واہ وا اے دلبرِ کج فہم یون ہی چاہیئے	ہم سے ہونا آشنا غیرون سے ہونا آشنا

ترے رخسار و قد و چشم کے ہین عاشقِ زار	گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

کس کس کا دل نہ شاد کیا تو نے اے فلک	اِک مین ہی غمزدہ ہون کہ ناشاد رہ گیا
بیدار راہِ عشق کسی سے نہ طے ہوئی	صحرا مین قیس کوہ مین فرہاد رہ گیا

کرد ہون شاد دل اپنا ترے تصور سے	اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا ہوتا

اے شانہ کھولیو گرہ زلف دیکھکر	دل سیکڑون ہین اِس مین گرفتار دیکھنا

چھوڑکر کوئے بتان جاتا ہے تو کعبے کو	جلد پھر یو تجھے بیدار خدا کو سونپا

ہم خاک بھی ہوگئے پر ابتک	دل سے نہ ترے غبار نکلا

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجیۓ گا　　ایک ملنے کو نہ کم کیجیۓ گا

دامن کو ترے نہ پہونچے اب تک　　ہر چند غبار ہو گئے ہم

نے پر پروازہے بیدار نے فصلِ بہار　　کس توقع پر قفس سے ہووین اب آزاد ہم

یہ بھی کوئی وضع ہی آنے کی جو آتے ہو تم　　ایک دم آئے نہین گزرا کہ پھر جاتے ہو تم

صورت اوس کی سما گئی دِل مین　　آہ کیا آن بھا گئی دِل مین

ہم تری خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہین　　ورنہ یہ نالے تو پتھر مین اثر کرتے ہین

شکوۂ کم نگہی آنکھون سے اوس کی نہ کرو　　گفتگو خوب نہین مردمِ بیمار کے ساتھ

اب تک مرے احوال سے وان بےخبری ہی　　اے نالۂ جان سوز یہ کیا بے اثری ہے

کس باغ سے آتی ہے بتا مجھکو کہ یہ آج　　کچھ اور ہی بو تجھ مین نسیم سحری ہے

ربط جو چاہیۓ بیدار سو اوس سے معلوم　　مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے

مردمِ چشم سے پوچھ اے مہِ تابان تجھ بن　　کون سی شب نہین گزری مجھے روتے روتے

کس کے آگے میں کروں چاک گریبان کہہ تو
جو ترے ہاتھ سے ناصح مرا دامان چھوٹے

جام و مینا دمے و مطرب و ساقی ہمراہ
اِس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

بیدار کیونکر آتشِ دل رشک سے بجھے
ظاہر کی رگ جو ہووے تو پانی بجھا سکے

نے میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا
محوِ خیالِ یار رہے ہم جہاں رہے

میر قدرۃ اللہ قدرت

مرویست از متوسلان میر شمس الدین فقیر درویش وضع خلیق طبع رتبہ قدرش رفیع
و شیوۂ معانیش بدیع سمندِ نطقش در میدان فارسی و ہندی چالاک و چست و تصویر بے نظیر
معانیش در استخوان بندی الفاظ درست بندہ وے را یک بار در مشاعرۂ لکھنؤ دیدہ ام'
(تذکرہ میر حسن)

میر قدرۃ اللہ نام، قدرت تخلص میر شمس الدین فقیر کے عزیز قریب اور شاگرد رشید تھے'
دلی وطن تھا، اوس کی تباہی کے بعد چندے اِدھر اودھر پھرے، آخر کار مرشد آباد میں سکونت
اختیار کرلی، وہاں کے امرا و شرفا نے اعزاز و اکرام سے اِن کا خیر مقدم کیا اور بہت
فارغ البالی سے زندگی بسر کی،

میر تقی میر شاید ان سے ناخوش ہیں فرماتے ہیں" او عاجز سخن است لیکن برائے خاطر
عارف کہ از یاران درست فقیر است نوشتہ شد،" اِس کے بعد ایک شعر اون کا نکات الشعرا میں

درج کیا ہی، ممکن ہی کہ قدرت کا بہترین کلام میر صاحب تک نہ پہونچا ہو، یا اُن کی کسی بات پر چڑھ گئے ہون اور اون کو یاران بزم مین شریک کرنا پسند نہ کرتے ہون، قدرت کے قادر الکلام ہونے مین کچھ شک نہین، ایسے شخص کو عاجز سخن کہنا میر صاحب کی زبردستی ہی، قدرت نے غالباً ۱۲۰۵ھ مین وفات پائی اور مرشد آباد مین مدفون ہوئے،

کچھ دیر ہوئے اشک نہین آنکھون سے گرتے	شاید تہِ مژگان کوئی لختِ جگر آیا
جب مسیحا دشمنِ جان ہو تو کب ہو زندگی	کون رہ بتلا سکے جب خضر بہکانے لگا
مجکو غفلت نے خبر ایام فرصت کی نہ دی	آہ جب جاتے رہے دن تب مین پچھتانے لگا
اوپر سے زخم گرچہ ہرے ہو چلے ولے	ناسور تھا جگر مین سو ناسور رہ گیا
یہ دلِ شوریدہ جب سے ساتھ ہی زیرِ زمین	شورِ محشر ہی رہا قدرت کی مشتِ خاک پر
ناآشنائے دنیا نہ سزاوار ہون دہر کا	ہے وائے مین قدرت نہ ادھر ہون نہ ادھر ہون
زخم پر زخم لگے تب ہو تسلی دل کی	حوصلے پر مرے اِک زخم کچھ افزود نہین
تو بھی کم ابرِ بہاری سے نہین اے چشمِ تر	کر دے اب رشکِ چمن خونِ جگر سے آستین

تو کیا سامان پوچھے ہو کہ تجھ بن کیونکہ گزرے ہی　　یہ سر ہے اور زانو آستین اور چشم پرخون ہے

حسرت اے صبح چمن ہم سے چمن چھوٹے ہی　　مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہی

سینہ اوسکا ہی دل اوسکا ہی جگر اوسکا ہے　　تیر بیداد جدھر رُخ کرے گھر اوس کا ہی

قطعہ

کل ہوس اِس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے　　کیا ہی ملک روم و کیا ہی سرزمینِ طوس ہی
سنتے ہی عبرت یہ بولی اِک تماشا میں تجھے　　چل دکھاؤں تو کہ قیدِ آز کا محبوس ہی
لے گئی ایکبارگی گورِ غریبان کی طرف　　جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہی
مرقدین دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے　　یہ سکندر ہی، یہ دارا ہی، یہ کیکاؤس ہی
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و تمکنت دنیا سے آج　　کچھ بھی اِن کے ہاتھ غیر از حسرت و افسوس ہی
کل تو قدرت پائے خم رکھتے تھے تسبیحِ ریا　　آج رہن جام مے پھر خرقۂ سالوس ہی

میر ضیاالدین ضیا

ضیا تخلص متوطن دہلی جوانے است مهذب مودب متواضع با فقیر ربطے بسیار دارد

از نکات الشعرا

شعر پر درد ش بر جگر عاشقان نشتر رازے است و برائے سوختگان عشق شیر از ہی اکثر

غزل در زمین سنگلاخ گفتن و الفاظ نا معقول را معقول دلہا ساختن کار او ست از تذکرہ میر حسن

ضیاالدین نام تھا، ضیا تخلص، دلی کے رہنے والے اور مرزا رفیع سودا کے ہمعصر تھے
مگر معلوم نہین مشق کس سے کی تھی،

دلی کی تباہی کے بعد یہ فیض آباد چلے آئے تھے کچھ دنون وہان رہے اور کچھ دنون لکھنؤ مین
اوس کے بعد عظیم آباد پٹنہ مین جا کر بیٹھ رہے، گوشۂ عزلت کے زیادہ ولدادہ تھے، آشنا پرست
دردمند، رنج و راحت مین ہمیشہ خوش رہتے، اصنافِ سخن مین سے غزل کو پسند کیا تھا، قصیدہ
اور مثنوی کی طرف طبیعت نہین مائل ہوئی، سنگلاخ زمینون مین غزل کہنے کا شوق تھا، جسمین
شعر کا سرسبز کرنا ہر کسی کا کام نہین،

عظیم آباد مین راجہ شتاب رائے کا بیٹا اون کی زندگی کا متکفل رہا، وہ ان سے
مشقِ سخن بھی کرتا تھا، سنہ وفات کا پتہ نہین چلا،

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگِ خلق　　اوس کے کوچہ مین ضیا تو آج پھر جانے لگا

برس اے ابر جتنا چاہے تو اب تیری باری ہے　　کبھی دل تھا تو مین بھی۔ درواِک دریا بہاتا تھا

روویں ہم بزمون کو کیا اپنے دنون کے پھیر ہین　　شمعِ محفل تھے جو کل سو راکھ کے اب ڈھیر ہین

رسوائیون کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہین　　ناصح پہ کیا کرون کہ مرا دل پہ بس نہین

آہستہ پانون رکھیو اے بوئے گل زمین پر　　سوتے ہین اِس زمین مین نازک مزاج کتنے

کسی دشمن کی بھی یارب نہ گزرے شب جدائی کی — کہ جیسے اوس سے میرے وصل کا یہ دن گزرتا ہی

رازِ دل ہین پوچھتے اور بولنے دیتے نہین — بات منھ پر آرہی ہی اور لب ہلانا منع ہے

اے آہ بچ نکل نہ کہین دل تھلک پڑے — یہ جام بھر رہا ہے مبادا چھلک پڑے

کون سے زخم کا کھلا ٹانکا — آج پھر دل مین درد ہوتا ہے

رباعی

کیا عیش ونشاط وشادمانی کرتے — کیا ناز ونیاز جاودانی کرتے
گر یار رکھے مین اپنے ہوتا تو ہم — کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے

دوسرا دَور

متوسطین شعرائے اُردو کا

سیّد محمدؐ میر اثر

درویشے است موقر صاحب سخنے است موثر عالم و فاضل رتبۂ قدرش بغایت بلند و گوہر صدرش نہایت ارجمند در خدمت برادر بزرگوار خود گوشہ نشینی اختیار کردہ و قدم بر جادۂ بزرگان خود نہادہ بسر می برد — تذکرہ میر حسن،

دیوان قلیل الحجم دارد ملاحظہ شد بعض خیالات ایشان بتصوفی غایت دردمندانہ و دلپذیر و مطبوع واقع شدہ مثنوی ایشان شہرت تمام دارد کہ بنائے آں بر محاورۂ مستورات است — گلشن بیخار،

سید محمد میر نام تھا، اثر تخلص خواجہ محمد ناصر عندلیب کے بیٹے تھے، اور خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی، بڑے بھائی کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی تھی، اور اونھین کے نقشِ قدم پر چلتے تھے، علوم و فنون اساتذۂ دہلی سے حاصل کیے تھے، تصوف، موسیقی، حساب اور دیگر فنون ریاضیہ مین اِن کا جواب نہ تھا،

فنون ریاضیہ کی تعلیم خواجہ احمد دہلوی سے پائی تھی جو مرزا خیر اللہ مہندس کے شاگرد تھے، یہ وہی مرزا خیر اللہ ہین جن کے اہتمام سے دلی مین محمد شاہی رصد قائم ہوئی تھی، اور زیج محمد شاہی کے مصنف ہونے کی حیثیت سے وہ دنیا مین کافی شہرت رکھتے ہین،

میر اثر نے اپنے بڑے بھائی خواجہ میر درد کے بعد آبائی سجادہ کو زینت بخشی، اور مدت دراز تک اپنے ظاہری و باطنی کمالون سے لوگون کو فیضیاب کرتے رہے، تقویٰ، توکل، زہد و قناعت مین یہ کسی طرح اپنے باپ اور بھائی سے پیچھے نہین رہے، تصوف و شاعری مین جو رنگ بڑے بھائی کا ہے وہی ان کا بھی ہی،

تصنیفات مین ایک دیوان غزلون کا ہی ایک مثنوی جو اپنے رنگ کی اُردو مین پہلی مثنوی ہی اِس کا نام خواب وخیال رکھا ہی، کہا جاتا ہی کہ نواب مرزا شوق نے زہر عشق بہار عشق وغیرہ مثنویون مین اسی مثنوی کا تتبع کیا ہی، افسوس ہی کہ یہ مثنوی میری نظر سے نہین گزری، مرزا لطف اللہ کچھ اشعار اِس کے اپنے تذکرے مین نقل کیے ہین، مگر صحیح اندازہ کسی مثنوی کے حُسن و قبح کا اوس وقت ہو سکتا ہی جبتک کہ اوس کی ایک پوری داستان پیش نظر نہ ہو، خواجہ محمد میر کی تاریخ وفات مجھے نہین معلوم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۰ھ سے پہلے انھون نے رحلت کی ہی،

منتخب اشعار

میرے تئین تو کام نہ تھا کچھ بتون سے آہ | پر دل کے ساتھ مفت مین بدنام ہو گیا
دیکھین گے اوس کی سنگدلی کو ہم اے اثر | گر کوئی نالہ ہم سے سرانجام ہو گیا

اوس سنگدل کے دل مین تو نالے نے جا نہ کی | کیا فائدہ جو اور کے جی مین اثر کیا

بے وفا تیری کچھ نہین تقصیر | مجکو میری وفا ہی راس نہین
تو ہی بہتر ہے ہم سے آئینہ | ہم تو اتنے بھی روشناس نہین

یون خدائی کی خدائی برحق ہے پر اثر کی تو ہم کو آس نہین

عاشقی اور عشق کی باتین سب جہان سے اثر کے ساتھ گئین

مر تو چلے کہان تلک اب در گزر کرین یا ہم نہین اِس آہ مین یا آسمان نہین

جی مین ہے از سر نو جور ترے یاد کرین تو سُنے یا نہ سُنے نالہ و فریاد کرین
ہم اسیرون کی اوسے چاہیئے خاطرداری اور اولٹے نہ کہ ہم خاطر صیاد کرین

یان تغافل مین اپنا کام ہوا تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہین

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہین

وہی مین ہون وہی اثر دل ہے اب خدا جانے کیا ہوا مجکو

ہر دم فزون ہین کجروِیان روزگار کی کچھ سیکھتا چلا ہے روش میرے یار کی

غرض آئینہ داریٔ دل سے تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے

اور تو کوئی نہین دام و قفس دامنگیر
تنگ آیا ہون بہت دل کی گرفتاری سے

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

آپ ہی نہ جل بجھے نہ کچھ اوس ملین راہ کی
اس پر کہین گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی

چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے سب یہ اٹھ گئے
معلوم ہون گے جو کبھی اوس نے نگاہ کی

کبھی دوستی ہے کبھی دشمنی
تری کون سی بات پر جائیے

ہمین حیرت ہے آپ ہی تجکو دیون کیا جواب سکا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح ہم نے زندگانی کی

آپ مین کہنے لگون سو یہ کہان میری مجال
پوچھے تو احوال میرا ایسی تجکو کیا پڑی

کب گلی مین تیرے ہم بیقرار آئے
سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے
ہر چند جی یہ ٹھہری پھر ہم اودھر نہ آئین
آخر نہ رہ سکے ہم بے اختیار آئے

تیرے کوچہ مین دو بارہ خوب ہم ہو کر چلے
ڈھونڈھنے کو دل کے آئے جان بھی کھو کر چلے

کلیجا پک گیا مین کیا کھون اِس دل کے ہاتھون سے　　ہمیشہ کچھ نہ کچھ اِس مین خیالِ خام رہتا ہی

شیخ بقاء اللہ بقا

جوان سراپا خلق وظریف مزاج وقایع وش طبع رنگین لطف ہجونیر مائل افتادہ، در شاہجہان آباد با میر و در لکھنؤ با مرزا رفیع معرکہ گیری ہا کردہ وقت طبع خود را ظاہر نمود اھ تذکرۂ مصحفی، در مراتب نظم طبعی شگفتہ ورنگین وطرزے بامزہ وشیرین داشتہ کہ رک بفصد یا رسی ہم کام دہان را حلاوت آگین نمودہ بپارسی شاگرد مرزا فاخر مکین ودر ریختہ از تلامذۂ شاہ حاتم و خواجہ میر درد بودہ است اھ گلشن بیخار،

بقاء اللہ نام، بقا تخلص، حافظ لطف اللہ خوشنویس کے بیٹے اور اکبرآباد کے رہنے والے تھے، دلی مین پیدا ہوئے اور لکھنؤ مین جا بسے، اسی وجہ سے ان کا وطن بعضون نے لکھنؤ کو قرار دیا ہے طبیعت فن شعر کے لیے بہت مناسب تھی، فارسی مین مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے، اور غمگین تخلص کرتے تھے، جب ریختہ کی طرف طبیعت مائل ہوئی تو شاہ حاتم کی خدمت مین پہونچے اور شاہ صاحب کے ارشاد سے بقا تخلص اختیار کیا، شاہ حاتم نے اِن کو اپنے شاگردون مین شمار کیا ہے اور فتح علی شاہ حسینی نے اپنے تذکرہ مین خود انھین کی زبانی نقل کیا ہو کہ وہ خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے، ممکن ہو کہ دونون سے مشق سخن کی ہو، میر و سودا دونون کو خاطر مین نہ لاتے تھے، دلی مین میر صاحب سے اُلجھے اور لکھنؤ مین سودا سے،

بقا کا شعر ہے،

سیلاب سے آنکھون کے رہتے ہین خرابے مین　　ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہین دوآبے مین

میر صاحب نے خدا جانے سُن کر کہا یا توارد ہوا سے

وے دن گئے کہ آنکھین دریاسے بہتیان تھین | سوکھا ہی پڑا ہی اب تومدت سے یہ دوآبہ

اِس پر بگڑ کر بقانے یہ قطعہ کہا ؎

میرنے گرترا مضمون دوآبہ کا لیا | اے بقا توبھی دعاے جودعا دینی ہو
یا خدا میر کی آنکھون کو دوآبہ کرؔے | اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تر بینی ہو

ایک اور موقع پر کہا ہے ؎

پگڑی اپنی سنبھالیئے گا میر | اور بستی نہین یہ دلی ہے

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

میر و مرزا کی شعرخوانی نے | بسکہ عالم مین دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونون صاحب کے | اے بقا ہم نے جب زیارت کی
کچھ نہ پایا سوائے اس کے سخن | ایک تو توکہے ہو اِک ہے ہے

بقانے زندگی بہت بے مزہ گزاری، افلاس سے تنگ آکرکسی کی رہنمائی سے تسخیرکواکب کے اعمال شروع کیئے تھے اوس نے سودائی بنادیا جب ہرطرف سے مایوس ہوئے تو ۱۲۰۶ھ مین عتبات عالیات کی زیارت کو چلے راستہ مین موت نے اِس ارمان کو بھی نکلنے نہ دیا،

ہم نفس کوئی نہ دیکھا بیکسی کے دن اے بقا | آشنا صورت مگر معنی مین وہ بیگانہ تھا

یار کو پہونچی خبر نالۂ تنہائی کی | مدعی کون کھڑا تھا پسِ دیوار لگا

ساقی کو دو نوید بہار آئی باغ مین | سودے نے پھر خلل سا کیا ہو دماغ مین

اے عشق تو ہرچند مرا دشمنِ جان ہو
مرنے کو نہین نام کا اپنے مین بقا ہون

دیکھئے منصب مجنون پہ یہ لیلی صفتان
خاک مین ہم کو ملا کس کو سرافراز کرین

تونے اِس طرح سے اے چرخ گرایا ہم کو
کہ موئے پر بھی کِسی نے نہ اُٹھایا ہم کو

پنہان ہی بھلا ہے خونِ عاشق
جانے دو اب اِس پہ خاک ڈالو

تیرے بیمار کو کیا ہووے شفا جسکے طبیب
نہ تو کچھ درد کو پہونچے نہ دوا ہی جانے

ناتوان ہم ہوئے اتنے کہ تری محفل تک
ڈر سے آتے ہوئے سو بار چلے بیٹھ گئے

رہروان کہتے ہین جس کو جرسِ محمل ہے
محنتِ راہ سے نالان وہ ہمارا دل ہے
موج سے بیش نہین ہستی وہمی کی نمود
صفحۂ دہر پہ گویا یہ خطِ باطل ہے
کچھ تعلق نہین اِس راہ مین جون ریگ روان
جس جگہ بیٹھ گئے اپنی وہی منزل ہے
آستین حشر کے دن خون سے تر ہو جس کی
یہ یقین جانیو اوس کو کہ مرا قاتل ہے

یہ رخِ یار نہین زلفِ پریشان کے تلے
ہے نہان صبح وطن شامِ غریبان کے تلے
کیا کرون سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ پھرون
داغ سے داغ ہین کچھ میرے گریبان کے تلے

نہین ملنے کی بقا ہم کو بجز کنج مراد ۔ جائے آسودگی اِس گنبد گردان کے تلے

تہی کف آئے تھے ہم عدم سے چلے یہان سے تو دست خالی ۔ نہ توشہ وان سے یہان تھا آیا نہ ساتھ یان سے وہم اُٹھائے

بقا جو راہی ہوئے عدم کے تو وقفہ ہرگز کرو نہ دم کا ۔ یہ راہ ہستی کی پُرخطر ہے چلو یہان سے قدم ہٹائے

مرزا جعفر علی حسرت

جوان خوش خلق و حلیم و سلیم واقع شدہ از مدت مدید مشق سخن میکند شاگردان بسیار

بہم رسانیدہ نقیر او را در مشاعرۂ لکھنؤ دیدہ در قصیدہ و غزل ید طولی دارد ۔ اقتذکرہ مصحفی،

جعفر علی نام، حسرت تخلص، ابو الخیر عطار کے بیٹے، جن کی عطاری کی دکان لکھنؤ مین

اکبری دروازے کے پاس تھی،

تحصیل علمی کا حال معلوم نہین غالبًا رواج زمانہ کے موافق فارسی کی درسی کتابین سب

پڑھی ہون گی، شعر و سخن سے خداداد مناسبت تھی، رائے سرب سنگھ دیوانہ سے مشق سخن کی مگر

اخیر مین اون سے منحرف ہو گئے تھے،

جب تک والد زندہ رہے شاعری کی بدولت امرا اور شاہزادون کی مصاحبت

مین مزے سے زندگی بسر کی، پہلے مرزا حسن علی خان بہادر کی سرکار سے تعلق رہا اوس کے

بعد صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ کی مصاحبت مین رہے، جب والد کا انتقال ہوا تو ترک

ملازمت کر کے اون کی دکان پر بیٹھ گئے، مگر عطاری کرتے ہوئے زیادہ زمانہ نہین گزرا تھا

کہ کسی درویش کی صحبت مین ترک لباس کر کے گوشہ نشین ہو گئے،

تصنیفات مین ایک کلیات ہے جس مین ساقی نامہ، مثنوی، واسوخت، ترجیع بند،

ترکیب بند، مسدس، مخمس، قصیدے، رباعیان اور دو دیوان غزلون کے ہین، غرضکہ اصنافِ سخن مین سے ہر قسم کے نمونے اوس مین پائے جاتے ہین،

حسرت کے کلام مین ترکیبون کی موزونیت الفاظ کی برجستگی اور خیالات کی پاکیزگی اون کے پیشرو شعرا کی طرح بہت نمایان ہی، یہ صحیح ہی کہ سارا کلام اون کا ایک طرح کا نہین ہی، تاہم آزاد کی اِس رائے سے مجھے اتفاق نہین کہ اون کے دیوان مین پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے،

حسرت کا خاص انداز یہ بھی ہی کہ وہ اکثر غزل کو قطعہ پر ختم کرتے ہین اور کبھی پوری غزل ایک ہی مضمون پر لکھتے ہین،

اِن کو جس قدر شاگرد نصیب ہوئے بہت کم شاعرون کو ملے ہون گے، میر حسن اپنے تذکرہ مین فرماتے ہین" کہ کثرت شاگردانش چنانست کہ درصورت شناسی خود ہم حیرانست" اِن سب شاگردون مین شیخ قلندر بخش، جرأت، نواب محبت خان، خواجہ حسن بہت نامور شاعر ہوئے ہوئے ہین، حسرت نے ۱۲۰۷ھ مین وفات پائی اور لکھنؤ مین مدفون ہوئے،

دل مین سو بات تھی پر اوس نے جو پوچھا احوال — مجھ سے کچھ دردِ دل اظہار ہوا کچھ نہ ہوا
ساری ہستی کے بکھیڑے ہین وگرنہ دمِ مرگ — کچھ سرانجام بھی درکار ہوا کچھ نہ ہوا
کاش کے عشق جتاتا مین نہ اوس کو حسرت — میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہوا

خدا حافظ ہی کیون محفل مین اوس کا نام آیا تھا — تڑپنے سے ابھی دلکو مرے آرام آیا تھا
بہارین ہم کو بھولین یاد ہی اتنا کہ گلشن مین — گریبان چاک کرنے کا بھی اِک ہنگام آیا تھا

روتے ہی اوس کو گزرے ہی ہجر مین ترے رات دن
حال مین کیا بیان کرون حسرتِ بیقرار کا

ایک سے ایک اِس زمانے مین ہی اوس سے خوب تر
کوئی خوش آتا نہین میری نظر کو کیا ہوا

آشیان چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو
تو ہی لیجائیو سر پہ یہ گلستان اُٹھا

کیا مجال اس کی کہان تو اور کہان میرا غبار
لگ چلا دامن سے تیرے مہربانی کے سبب

مانند گل کرون مین گریبان کو چاک چاک
آتا ہی میرے دل مین یہی بار بار جوش

کل کب تھے ہم سے خوش کہ نہین ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نپایا مزاج خوش

سخت بیدردی ہی بیدردون سے کہنا دردِ دل
منتِ مرہم نہ لیجیے کھینچیے ایذائے داغ

کسے منظور تھا یون تلخ کیجیے زندگانی کو
ولے کیا کیجیے حسرت بلائے ناگہانی کو
بصد خونِ جگر یک قطرہ مژگان تک پہونچتا ہی
ندے برباد یون اے چشم اشکِ ارغوانی کو

تصور نے ترے ظالم یہان تک تفرقہ ڈالا
کہ مِلنا ہو گیا دشوار اب مژگان سے مژگان کو

ہوئے ہین اِس قدر آفت زدے ہم تو اب ہم مین — نہ کیفیت ہی ہنسنے کی نہ کچھ لذت ہی رونے کی

کِس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے — لو ہم تمھین دل دیتے ہین کیا یاد کروگے

مثالِ نقش قدم یان سے اوٹھ نہین سکتے — تری گلی مین نجانا بھلا تھا جانے سے

تمھین غیرون سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی — چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

گر کہے تو رات تو دن کو کہون مین رات ہے — کفر کچھ اِس مین نہین یہ دل ملے کی بات ہی

یہ بھی اِک ستم تھا کہ خواب مین مجھے اپنی شکل دکھا گئے — کبھی نیند برسون مین آئی تھی سو اسطرح سے جگا گئے

ابتو یہ دل اِک بتِ ناآشنا کے ہاتھ ہے — اوس کے ہاتھون چھوٹنا اسکا خدا کے ہاتھ ہی

شیخ غلام ہمدانی مصحفی

از آغازِ شباب بمقتضائے موزونیِ طبع مصروفِ تحصیل علم بود، چنانچہ بفیضِ صحبت بزرگان اول تکمیلِ نظم و نثر فارسی و تحقیق محاورہ و اصطلاحات آں فراغت حاصل کردہ بمقتضائے رواج زمانہ خود را مصروف ریختہ گوئی واستہ برائے آنکہ رواج فارسی در ہندوستان بہ نسبت ریختہ کم است و ریختہ فی زماننا بپایہ اعلائے فارسی رسیدہ بلکہ از و سیر آمدہ چنداں مصروف فارسی نماست ۱۰ھ
(تذکرہ مصحفی)

غلام ہمدانی نام مصحفی تخلص شیخ ولی محمد کے بیٹے اور امروہہ کے رہنے والے تھے عنفوانِ شباب مین دلی آئے اور مولوی مستقیم گوپاموی سے عربی صرف ونحو کی کتابین پڑہین طبیعت مین موزونیت خداداد تھی شعر وسخن کی طرف مائل ہوئے اور بزرگانِ دلی کی صحبتون مین شریک ہونے لگے چند روز مین مشق بڑھ گئی تو اپنے مکان پر مشاعرہ قائم کیا اور جب تک دلی مین رہے اون کے گھر مشاعرے برابر ہوتے رہے،

مزاج مین غربت مسکینی اور ادب کی پابندی تھی اِس وجہ سے دلی کے سب شاعر اور معزز اشخاص ان کے ساتھ لطف ومروت سے پیش آتے، یہ بھی دلی کو اپنا وطن سمجھتے تھے اور شاید اوس زمانے مین فارغ البال بھی تھے نواب نجف خان کا زمانہ تھا، یہ کبھی اون کے سلام کو نہین گئے، اور نہ نوکری کی جستجو کی، جب تک دلی مین رہے اِسی شاعری کی دہن مین لگے رہے مگر ایک سا زمانہ ہمیشہ نہین رہتا، دلی تباہ ہوئی اہل کمال کا وہ مجمع منتشر ہوا یہ بھی ناچار دلی سے نکلے مگر مرتے مرتے دلی کی یاد دل سے نہین نکالی، ایک موقع پر کہتے ہین،

دلی کہین ہین جس کو زمانہ مین مصحفی — مین رہنے والا ہون اوسی اُجڑے دیار کا

دلی سے نکلکر یہ پہلے کیٹھر آئے، شیخ قیام الدین قائم، نواب محمد یار خان کی سرکار مین ملازم تھے، اونھون نے ان کا قصیدہ پیش کرکے تنخواہ مقرر کرا دی، چند روز یہ ٹانڈہ مین نہایت خوشی اور فارغ البالی کے ساتھ رہے، تذکرۂ شعرا مین وہان رہنے کا حال کئی جگہ بیان کیا ہی اور لکھا ہی کہ جس خوشی سے چند روز وہان بسر ہوئے ہین اب تک اوس کی یاد تازہ ہی،

نواب محمد یار خان کا جب کھیل بگڑا تو لکھنؤ چلے آئے، یہان تھوڑے دنون رہکر پھر دلی چلے گئے اور چاہا کہ پاؤن توڑ کر بیٹھ رہین، مگر کچھ دنون کے بعد آب ودانہ کی کشش پھر ان کو لکھنؤ کھینچ لائی، اِس مرتبہ مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار مین ملازم ہوگئے، محنت وکاوش کے ساتھ

مشق سخن جاری رہی، چیندر وز مین اون کی اوستادی کو خاص و عام نے تسلیم کر لیا،

اِن کی ہمہ گیر طبیعت نے کسی خاص رنگ پر قناعت نہین کی، اِن کے کلام مین کہین میر کا درد ہی، کہین سودا کا انداز کہین سوز کی سادگی اور، جہان کہین اون کی کہنہ مشقی اور اوستادی اپنے پیشرو اساتذہ کی خوبیون کو یکجا کر دیتی ہی تو وہ اُردو شاعری کے بہترین نمونے قرار دیئے جا سکتے ہین، اِس مجموعی حیثیت سے بقول حسرت موہانی میر و مرزا کے بعد کوئی اُستاد اِن کے مقابلہ مین نہین پہنچا، اور یہ اپنے ہمعصرون مین سب سے برتر اور سب سے فائق نظر آتے ہین،

آزاد نے بھی آبحیات مین اِس کو تسلیم کیا ہی کہ "یہ اُصول فن سے بال برابر بھی سَرکتے نہ تھے کلام پر قدرت کامل پائی تھی، الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کر کے اِس در و بست سے شعر مین کھپاتے تھے کہ جو حق استادی کا ہی ادا ہو جاتا تھا ساتھ اِس کے اصل محاورہ کو بھی ہاتھ سے نجانے دیتے تھے ایسے موقع پر کچھ سودا کا سایہ پڑتا ہی، جہان سادگی ہی وہان معلوم ہوتا ہی کہ میر سوز کے انداز پر چلتے ہین"

مگر باوجود اِس کے افسوس ہی کہ آزاد نے انشا کو جابجا مصحفی پر ترجیح دینے کی کوشش کی ہی انشا کی ذہانت اور طباعی مین کچھ شک نہین، مگر سخن سنجی اور مشاقی کے لحاظ سے انشا کو مصحفی کے مقابلہ مین لانا ہی مصحفی کی سخت توہین کرنا ہے،

بذلہ سنجی اور ظرافت کے زور سے شاہ و وزیر کے دربار مین رسوخ حاصل کر لینا یا زبان آوری اور طباعی کی مدد سے مجلسون کو گرما دینا اور چیز ہے اور اُصول فن کو لیے ہوئے اصناف سخن مین سے ہر صنف پر قدرت کامل رکھنا اور سخن سنجی کا حق پورا پورا ادا کرنا اور بات ہی، یہی وجہ ہے کہ انشا کی گرم بازاری اِنھین کے ساتھ ختم ہو گئی، اور مصحفی کے کمال کا سکہ اب تک رائج ہی،

اِس سے بڑھ کر ثبوت مصحفی کے کمالِ فن کا کیا ہو سکتا ہی کہ جتنے اُستاد اِن کے شاگردوں اور عقیدتمندوں مین سے نکلے اتنے آج تک کسی شاعر کو نصیب نہین ہوئے، اور سچ پوچھو تو شعرائے لکھنؤ کے جتنے بھی سلسلے ہین وہ سب حضرت مصحفی کے منت پذیر ہین، شیخ امام بخش ناسخ کو گو انکار ہو مگر اس مین کچھ شک نہین کہ وہ بھی بواسطہ یا بلا واسطہ اِنھین کے مائدۂ سخن کے ریزہ چین تھے، خواجہ حیدر علی آتش، میر مستحسن خلیق، میر مظفر حسین ضمیر، میر مظفر علی اسیر وغیرہ اس پائے کے لوگ ہین، جن کے دامنِ تربیت مین پرورش پاکر سینکڑون اُستاد بن گئے، سب کو جانے دو میر خلیق کے فرزند میر ببر علی انیس اور میر ضمیر کے شاگرد مرزا سلامت علی دبیر کو لو جنھون نے ہندوستان مین سخنوری کے ڈنکے بجائے ہین اور اُردو شاعری کو معراجِ کمال تک پہونچا دیا ہی،

دوسرا ثبوت ان کی مشاقی اور اوستادی کا خود ان کا کلام ہی جو آٹھ دیوانون مین مشکل سے سما سکا ہے اگر یہ سچ ہی کہ مصحفی اپنی غزلین بیچا کرتے تھے تو جتنا موجود ہی اِس کا سوایا اور رہا ہوگا، پھر اگر ان کے سارے دیوانون مین صرف وہی اشعار چھانٹے جائین جو ہر طرح سے بلند رتبہ ہین تو مین سمجھتا ہون کہ انشا کے مجموعۂ ہزل و غزل کے برابر ایک مجموعہ ان کے منتخب اشعار کا تیار ہو سکتا ہی،

اِس بات کا سخت افسوس ہی کہ مصحفی جیسے باکمال شاعر کی جتنی قدر ہونی چاہیے تھی لکھنؤ مین نہین ہوئی، مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار سے اِن کو صرف پچیس روپیہ ماہوار ملتے تھے، جب میر انشاء اللہ خان کو باریابی ہوئی اور وہ شاہزادہ کی غزلین بنانے لگے تو اِس پچیس روپیہ مین بھی تخفیف ہوگئی جیسا کہ خود مصحفی نے بھی اِس کی شکایت کی ہی،

اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہین اپنے　　ہم بھی تھے کبھی روزون مین پچیس کے لائق
اُستاد کا کرتے ہین امیر اب کے مقرر　　ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

اب تم خود غور کر سکتے ہو کہ اِس حالت مین اِس غریب پر کیا گزرتی ہوگی، وہ اگر غزلین بیچ بیچ کر پیٹ نہ پالتے تو کیا کرتے، سوا شاعری کے اون کے پاس دھرا کیا تھا، جس کو ذریعۂ معاش قرار دیتے،

اِسی مردِ معمر کا دل گردہ تھا کہ وہ اِس تنگ حالی اور دل شکستگی کی حالت مین بھی وقتاً فوقتاً درباروں مین جاتے اور مشاعرون مین غزلین پڑھتے اور حریف کی نونک جھونک برداشت کرتے تھے،

انشا مین خدا بخشے یہ بُری عادت تھی کہ وہ اپنی گرمیِ بازار کے لیئے ایک نہ ایک ہنگامہ برپا کرتے رہتے تھے، دلّی مین اپنی ذکاوت اور طباعی کے زور پر مرزا عظیم بیگ کی مٹی خراب کی، مگر وہ دلّی تھی، کتنی ہی مٹ گئی ہو پھر بھی ایسے لوگ وہان موجود تھے جنھون نے اِس کو رفع دفع کر دیا،

یہان آکر انھون نے مصحفی کو آگے دھر لیا، پہلے تو اس غریب کے پچیس سے پانچ رہگئے، پھر روز کی چھیڑ چھاڑ، ایک دن مشاعرہ مین مصحفی نے حسب معمول غزل پڑھی اور چلے آئے، اوس غزل کا مقطع تھا ؎

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ — تھی اوس کی دھری چشم پہ تابوت مین اُنگلی

اِن کے چلے آنے پر یارون نے اون کی لے دے شروع کی اور غزل کو اُلٹ کر بڈھے بیچارے کے کلام کو خوب خراب کیا، جس کا مقطع یہ ہی،

تھا مصحفی کانا جو چھپانے کو پس از مرگ — رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت کی انگلی

اس غزل کی خبر مصحفی کو پہونچی، وہ پرانے مشاق لکھنؤ بھر کے اوستاد کوئی معمولی آدمی نہ تھے بگڑ گئے اور یہ غزل لکھی جس مین متانت کی پابندی کو ہاتھ سے نہین دیا مگر افسوس ہی کہ آزاد اِسکو

بڑھاپے کی سستی یا طبیعت کے امروہے پن سے تعبیر کرتے ہین ؎

مدت سے ہون مین سرخوشِ صہبائے شاعری | نادان ہو جس کو مجھ سے ہو دعوائے شاعری
مین لکھنؤ مین زمزمہ سنجانِ شعر کو | برسون دکھا چکا ہون تماشائے شاعری
پھبتا نہین ہے بزم امیرانِ دہر مین | شاعر کو میرے سامنے غوغائے شاعری
اک طرفہ خر سے کام پڑا ہے مجھے کہ ہائے | سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعری
ہو شاعرون کی اب کے زمانے کی یہ معاش | پھرتے ہین بیچتے ہوئے کالائے شاعری
لیتا نہین جو مول کوئی مفت بھی ادسے | خفت اُٹھا کے آتے ہین گھر وائے شاعری
اے مصحفی ز گوشۂ خلوت برون خرام | خالی است از برائے تو خود جائے شاعری
ہر سفلہ را ز بان و بیان تو کے رسد | آری توئی نغانی و باباے شاعری
مجنون منم چرا دگرے رنج می برد | در حصۂ من آمدہ لیلائے شاعری

پھر کیا تھا سید انشا آئین تو جائین کہان، وہ خاکہ اُڑا کہ بقول آزاد شائستگی نے کبھی آنکھین بند کر لین اور کبھی کانون مین اُنگلیان دے لین، جب نوبت حد سے گزر گئی تو مصحفی کے شاگردون مین منتظر اور گرم اُٹھ کھڑے ہوئے، ایک دن شہدون کا سوانگ بھر کر ہجو کے اشعار پڑھتے ہوئے انشاء اللہ خان کی طرف چلے، اون کو بھی خبر ہو گئی یہ اپنے یارانِ صحبت کو ہمراہ لیکر استقبال کو نکلے اور اپنے مکان پر لائے سب کو بٹھایا اور وہ اشعار دوبارہ پڑھوا کر سُنے پھر خاطر تواضع کر کے سب کو رخصت کیا،

لیکن اِس کا جواب سید انشا نے جو دیا وہ قیامت کا تھا ایک انبوہ کثیر برات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب و غریب ہجوین تیار کر کے لوگون کو دین، کچھ ڈنڈون پڑھتے جاتے تھے کچھ ہاتھیون پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھ مین گڈا اور ایک مین گڑیا، دونون کو لڑاتے تھے اور

اشعار پڑھتے جاتے تھے، جس کا ایک شعر یہ ہے،

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخ کہن لڑتے ہوئے آئے ہین مصحفی و مصحفن

آزاد کہتے ہین کہ ان معرکون مین مرزا سلیمان شکوہ نے سید انشا کا ساتھ دیا، اور حریف کے سوانگ کو کوتوال سے کہکر رکوا دیا، اِس بات نے مصحفی کو بہت شکستہ خاطر کر دیا چنانچہ اکثر غزلون مین اِس کا رنگ جھلکتا ہی، ان مین سے ایک غزل کا مقطع ہی،

اے مصحفی بے لطف ہی اِس شہر مین رہنا سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہین یان

اِن سب پر تازیانۂ غضب یہ ہوا کہ سید انشا کے سمجھانے سے یا خود مرزا سلیمان شکوہ کو یہ شبہہ پیدا ہو گیا کہ مصحفی نے اپنی ہجوون مین ہم پر بھی چوٹ کی ہی، اِس کے عذر مین مصحفی نے ایک قصیدہ بطور معذرت کے پیش کیا ہے، جس سے بہت سے واقعات پر روشنی پڑتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی بیچارہ کی طرف سے سوانگ نکالنے کی ابتدا نہین ہوئی، مین اِس قصیدہ کو اِس نظر سے نقل کرتا ہون کہ ناظرین اِس بات کا اندازہ کرین کہ مصحفی کو شعر و سخن پر کتنی قدرت حاصل تھی،

قسم بذات خدا ے کہ ہی سمیع و بصیر کہ مجھ سے حضرتِ شہ مین نہین ہوئی تقصیر

سوائے اِس کے کہ حال اپنا کچھ کیا تھا عرض سو وہ بطور شکایت تھی اند کے تقریر

گر اس سے خاطر اقدس پہ کچھ ملال آیا اور اِس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر

عوض ریون کے ملین مجکو گالیان لاکھون عوض دو شالہ کے خلعت بشکل نقشِ حریر

سلف مین تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب جو ہی تو شاہ سلیمان شکوہ عرش سریر

مزاج مین یہ صفائی کہ کر لیا باور کسی کے حق مین کسی نے جو کچھ کہ کی تقریر

مصاحب ایسے کہ گر کچھ کسی سے لغزش ہو تو اوس کے رفع کی ہرگز نہ کر سکین تدبیر

وگر کرین تو پھر ایسی کہ نارِ طیش و غضب / مزاجِ شاہ مین ہو مشتعل بصد تشویر

سو تابِ ذرہ کہان نورِ آفتاب کہان / کہان وہ سطوتِ شاہی کہان غرورِ فقیر

مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہئیے / کہان دبیقی و دیبا کہان پلاسِ حصیر

مین اک فقیر غریب الوطن مسافر نام / سہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کی تدبیر

مرا دہن ہے کہ مدحِ حضورِ اقدس کو / اُلٹ کے پھیر بحرفِ ذمیمہ دون تعبیر

یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشا کا / کہ بزم و رزم مین ہی پایۂ تخت کا وہ مشیر

مزاجِ شاہ ہو یون منحرف تو مجکو بھی / یہ چاہئیے کہ کرون شکوہ اِس کا پیشِ وزیر

اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی / تو جاؤن پیشِ محمدؐ کہ ہے بشیر و نذیر

شفیعِ روزِ جزا بادشاہِ آؤ ادنے / نہ کرو وہ جرم پہ جس نے نہین لکھی تعزیر

کہون یہ اوس سے کہ اے جرم بخش پر گنہان / تری غلامی مین آیا ہے داد خواہ فقیر

خطا ہو میری جو پہلے تو کر اسیر مجھے / وگر عدو کی پنہا اسکو طوق اور زنجیر

اگرچہ بازیِ انشاے بے حمیت کو / رہا خموش سمجھکر مین بازیِ تقدیر

ولے غضب ہی بڑا یہ کہ اب وہ چاہے ہے / خیال مین بھی نہ کھینچون مین ہجو کی تصویر

سو مین ملک نہین ایسا بشر ہون تا کے و چند / کہے سے اوس کے کرون گا نہ ماجرا تحریر

کیا مین فرض کہ مین آپ اِس سے درگزرا / پھرے گا مجھ سے کوئی گرم و منتظر کا ضمیر

اور ان پہ بھی جو کیا مینے تازیانۂ منع / تو ہو سکے ہے کوئی ان کی وضع کی تدبیر

ہزار شہدون مین بیٹھین ہزار جا پہ پلین / پھرین ہمیشہ لیئے جمع ساتھ اپنے کثیر

نہ مانین تیغِ سیاست نہ قہرِ سلطانی / نہ سمجھین قتل کا وعدہ نہ ضربتِ شمشیر

مزاج ان کا ٹھٹھول اِس قدر پڑا ہے کہ وہ / ہنسی سمجھتے ہین اِس بات کو نہ جرم کبیر

پھر اس پہ یہ بھی ہی یعنی کہ اِس مقام کے بیچ — جو ہووے منشی تو کچھ نثر مین کرے تسطیر
فکیف جن کو خدا نے کیا ہو موزون طبع — اور اپنے فضل سے بخشی ہو شعر مین توقیر
یہ کوئی بات ہی سو سن کے وہ خموش رہین — ہوا ہے مصلحتہً گو کہ تصفیہ یہ اخیر
اگر یہ بات مین مانی کہ سوانگ کا بانی — اگر مین ہون تو مجھے دیجیے بدترین تعزیر
مین آپ فاقہ کش اتنا مجھے کہان مقدور — کہ فکر اور کرون کچھ بغیر آشِ شعیر
مرے حواس پریشان باین پریشانی — ہو جیسے لشکر شکستہ کی خراب بھیر
اگر اِس پہ صلح کی ٹھہری رہے تو صلح سہی — اگر ہو پھیر شرارت بشر ہون مین بھی شریر
جواب ایک کے یان دس ہین ور دس کے سو — نگاہ کرتے تھے اول باین قلیل و کثیر
حصول یہ ہے کہ جب کو تو ال تک تصفیہ — گیا ہوا زپئے تہدید شاعرانِ شریر
تو کوتوال ہی بس ان سے اب سمجھ لے گا — یہ دمبدم کی شکایت کی ہی عبث تحریر
یہ وہ مثل ہے کہ جس طرح سارے شہر کے بیچ — بلند قامتی اپنے سے متہم ہو بعیر
سو متہم مجھے نادان نے ہجو شہ سے کیا — قباحت اسکے جو سمجھے تو شہ اوس کو دے تعزیر
ولے مزاج مقدس جو لاابالی ہے — نہین خیال مین آتا خیال حرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا مصحفی بس اب چپ رہ — زیادہ کر نہ صداقت کا ماجرا تحریر
خدا پہ چھوڑ دے اِس بات کو وہ مالک ہی — کرے جو چاہے جو چاہا کیا بہ حکم قدیر

مصحفی کی تصنیفات کی تفصیل یہ ہی کہ آٹھ دیوان اونھون نے ریختہ کے ترتیب دیئے ایک دیوان فارسی مین لکھا، دو تذکرے لکھے ایک تذکرہ فارسی کے شاعرون کا، ایک تذکرہ اُردو شعرا کا جو پیش نظر ہے اور اوس کا مسودہ ندوۃ العلما کے کتب خانہ مین موجود ہی،
دیوانون مین تمام اصنافِ سخن ہین، قصائد قطعات، غزلین، تاریخین، مستزاد،

مخمس، رباعیان، وغیرہ سنگلاخ زمینون مین قصائد اور غزلین کاوشِ فکر کا بہترین نمونہ ہین،
مگر سب دیوان اِن کے ملتے نہین، کئی دیوان نواب کلب علیخان مرحوم کے کتب خانہ مین تھے، نواب کے حکم سے اسیر و امیر نے اون کی تصحیح کی اور سب کا خلاصہ کر کے ایک دیوان تیار کیا، جس کو نواب نے چھپوا دیا ہی مصحفی نے چھہتر برس کی عمر پا کر ۱۲۴۰ھ مین انتقال کیا اور لکھنؤ مین مدفون ہوئے،

غزلون کے منتخب اشعار ملاحظہ ہون،

کرین گے خواب راحت یا یہی جنجال ہووے گا　　خدا جانے کہ بعد از مرگ کیا احوال ہووے گا

اِن ادائون کا کوئی مارا جیئے کس طرح ہائے　　یا ہے اب یہ گرم جوشی یا کہ وہ پرہیز تھا

مرضِ عشق سے گر اب کی سنبھل جاؤن گا　　تو مین دو چار برس کے لئے کہین ٹل جاؤنگا

تھا اگر روزِ قیامت تو بھی ہم شادان رہے　　وہ جو اِک دن اوس کے ملنے کا مقرر ہو گیا

شوخی تو دیکھو تیر کو سینہ سے کھینچ کر　　کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم　　تیرے دل مین تو بہت کام رفو کا نکلا

مت میرے رنگ زرد کا چرچا کرد کہ یان　　رنگ ایک سا ہمیشہ کسی کا نہین رہا

ترے کوچہ مین اِس بہانے مجھے دن کو رات کرنا — کبھی اِس سے بات کرنا کبھی اوس سے بات کرنا

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے — دل ہے گویا چراغ مفلس کا

تلوار کو کھینچ ہنس پڑے وہ — ہے مصحفی کشتہ اِس ادا کا

درد و غم کو بھی ہے نصیبہ شرط — یہ بھی قسمت سوا نہین ملتا

افتادگانِ وادیِ غربت کی سرگزشت — کرتا ہو خود بیان لبِ خاموش نقش پا

گلی کو یار کی سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ — یہ مصحفی سے نہ پوچھو کدھر ہو سجدہ درست

اے مصحفی اوس کوچہ مین دل بسکہ لگا ہے — جاتے نہین اور کرتے ہین ہم عزمِ سفر دز

چھیڑ مت ہردم نہ آئینہ دکھا — اپنی صورت سے خفا بیٹھے ہین ہم

آنے دو اُسے جس کے لیئے چاک کیا ہے — ناصح سے گریبان کو سلانے کے نہین ہم

ہردم کو سمجھتے ہین دمِ بازپسین ہم — غافل تو ہوا ہم سے ذرا بھی تو نہین ہم

وہی دشت اور وہی گریبان چاک جب تلک ہاتھ پاؤن چلتے ہین

ہان وہ دل کہ جسے سینے بغل مین پالا اب اوسے یون ہدفِ ناوکِ مژگان دیکھون

فلک گر ہنساتا ہے مجھ پر کیسی کو مین ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہون

کھانے نہین دیتے ہین مجھے خونِ جگر بھی نالے تو مرے حلق کے دربان ہوئے ہین

وان چشمِ فسون ساز نے باتون مین لگایا دے پیچ اودھر زلف اڑا لے گئی دل کو

وعدۂ قتل سے رکھتا ہون دل اپنے کو مین شاد کہ اسی وعدہ پہ اِک وعدۂ دیدار بھی ہی

یار کا صبح تک ہی وعدۂ وصل ایک شب اور بھی جیے ہے ہے

غم کھاتا ہون جتنا مری نیت نہین بھرتی کیا غم ہے مرنے کا کہ طبیعت نہین بھرتی

مصحفی سود نصیحت کا نہین عاشق کو مین نہ سمجھون تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے

کنجِ قفس مین ہم تو رہے مصحفی اسیر فصلِ بہار باغ مین دھومین مچا گئی

تو آکے بیٹھے دمِ نزع جس کی بالین پر — وہ مر بھی جائے تو آنکھین کبھی نہ بند کرے

دل کے دھڑکون کا یہ عالم ہو کہ بے منتِ دست — پرزے ہو ہو کے گریبان اُڑا جاتا ہے

حسرت پہ اوس مسافر بیکس کے روئیے — جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

ہین وہ نہین ہون کہ اوس بت سے دل مرا پھر جائے — پھردن جو اوس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

راہ مین کشتہ پڑے ہین کئی ارمان بھرے — نکلے چلیو نہ ترا خون سے دامان بھرے

ہے غریبی مین خبر کس کو وطن والون کی — کیا گرفتار سے پوچھو ہو چمن والون کی

شیخ غلام علی راسخ

شیخ غلام علی راسخ عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے ہین، میر تقی میر سے مشقِ سخن کی ہو، ان کے حالات پرانے تذکرون مین جو اِس وقت پیشِ نظر ہین نہین ملتے، گلشن بیخار مین کچھ معمولی سا ان کا ذکر ہے اور چند اشعار ان کے درج ہین، باوجودیکہ ان کا کلیات اچھی خاصی ضخامت رکھتا ہو،

کلیات مین بہت سے قصیدے ہین، غزلون کا دیوان اور چھوٹی بڑی چودہ مثنویان ہین، زبان بہت پاکیزہ اور طرزِ بیان نہایت صاف و سادہ ہے، کلام مین رطب و یابس

نہونے کے برابر ہے، تصوف کا مذاق بہت اُبھرا ہوا نظر آتا ہی، جس کو بہت سادہ طریقہ سے ادا کرتے ہین، تشبیہ اور استعارون کی چاشنی کم ہے، جس سے کسی قدر پھیکا پن ظاہر ہوتا ہی، تاہم رنگین شعرون کی کمی بھی نہین ہی، سینکڑون شعر ایسے انتخاب کیے جا سکتے ہین جو دلنشین ہونے کے قابل ہین،

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ مین اِن کا قیام زیادہ رہا ہے، چند قصیدے نواب آصف الدولہ اور غازی الدین حیدر کی تعریف مین بھی ہین، مگر غازی الدین حیدر کی تعریف کا قصیدہ اوس زمانہ کا ہے جب وہ نواب وزیر تھے، بعض غزلین ناسخ و آتش کی طرحی زمین مین ہین مگر وہ بھی اپنے رنگ کی ہین،

مقطعون مین میر کی شاگردی کا اکثر ذکر کرتے ہین اور کہین کہین شفائی اور نظیری کی ہمسری کا بھی دعویٰ ہی، میرے نزدیک اِن کے معاصرین مین سے کسی کا بھی کلام زبان کی پاکیزگی اور بیان کی خوش ادائی مین اِن کا جیسا صاف وستھرا نہین ہی، یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو چار دیوانون سے چھانٹ کر یہ دیوان تیار کیا گیا ہی اور بڑی بڑی غزلون مین سے دس دس پانچ پانچ شعر انتخاب کر کے جمع کر دیئے ہین، مگر اِس کو کیا کہیئے کہ جو زبان غزلون کی ہی وہی قصیدون اور مثنویون کی بھی ہی،

اِس قدر لکھ لینے کے بعد خمخانۂ جاوید نظر سے گزرا، اوس مین نوائے وطن سے اون کا کسیقدر تفصیلی حال نقل کیا ہی، لکھا ہی کہ راسخ ۱۱۶۲ھ مین پیدا ہوئے کوئی کہتا ہی کہ پٹنہ مین کسی کا بیان ہی کہ موضع سائین جو پٹنہ سے دس کوس فاصلہ پر ایک گانون ہی اون کی ولادت ہوئی، ۱۲۲۱ھ تک کلکتہ، غازی پور، لکھنؤ اور دلی کی سیاحت مین مصروف رہے ۱۲۲۲ھ مین اپنے وطن مالوف کو واپس آئے، اوس زمانے مین پٹنہ مرجعِ اربابِ کمال تھا اور شاعری کا

گھر گھر چرچا تھا، ان کی عمر کا بقیہ حصہ یہین گزرا، مشاعرون مین شریک ہوتے تو دوزانو بیٹھے رہتے اور جب شعرا غزلین پڑھتے تھے تو یہ آنکھین بند کیئے جھوما کرتے تھے، اپنی غزلین پڑھتے وقت آنسوون کا تار بندھ جاتا تھا،

چہتر برس کی عمر پاکر ۲۲ رجمادی الاخری ۱۲۳۸ھ کو وفات پائی، گلشن بیخار مین ہی کہ ۱۲۴۰ھ مین واصل بحق ہوئے، مگر قرینہ یہ ہے کہ خمخانۂ جاوید مین نوائے وطن سے جو سنہ وفات نقل کیا گیا ہے وہی صحیح ہوگا،

تمھارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہین آمیزش | انھین تو آپ سے بھی ہم نے بیگانہ سدا پایا
دلِ بلبل نہ تنہا چاک ہی اس عشق کے ہاتھون | یہ وہ ہی جس سے گل کے بھی گریبان کو قبا پایا

جب تجھے خود آپ سے بیگانگی ہو جائے گی | آشنا تب تجھ سے وہ دیر آشنا ہو جائیگا

لاگ اوس پلک کی اتنی ہی معلوم ہی کہ آہ | کانٹا سا کچھ جگر مین ہے اپنے چبھا ہوا

شہادت گاہ خون ریز محبت طرفہ جا دیکھی | کہ جو مقتول تھا یان خنجر قاتل کا ممنون تھا

جوانی ہنس کے کاٹی اب پلک پر اشک چمکے ہی | جو رات آخر ہوئی نکلا ستارہ صبح پیری کا

تھا جی مین کہ شوار ہی ہجر اوس سے کہین گے | پر جب سے کچھ رنج و محن یاد نہ آیا

کیا بیان ہو صاحبانِ ظرف کی تاثیرِ قرب — آب کا قطرہ صدف تک آن کر گوہر ہوا

بے مدعا ہون یہ بھی ہے اک مدعاے دل — اس قید مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

انتہاے عاشقی ہے شان معشوقی کہ ہم — صید جس صیاد کے تھے وہ شکار اپنا ہوا

دور مین اوس کی مست آنکھون کے — محتسب بھی شراب خوار ہوا

بگڑی جب سب سے تب کچھ اون سے — اسلوب بنا موافقت کا
دل نے کھویا ہمین کہ تھا آہ — دیوانہ شریک مشورت کا

صورت ہمارے حال کی بگڑی سی دیکھکر — قاصد نے اون کے آنے کی دل سے بنائی بات

اپنا بھی ماجراے دل اک مرثیہ سا ہے — بے اختیار روتے ہین لوگ اِس بیان پر

ضبط گریہ تو ہی پر دل پہ جو اک چوٹ سی ہو — قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہین دوچار ہنوز
شیخ اِس بت شکنی پر نہو اتنا مغرور — تو نے توڑا نہین اپنا بتِ پندار ہنوز

بازار جہان مین کوئی خواہان نہین تیرا — لیجائین کہان اب تجھے اے جنس وفا ہم

گھر سے کھو کر دریہ اپنے بیٹھنے دیتے نہین — تم جو کہتے ہو کہ جایان سے مین اب جاؤن کہان

معکوس ہی نگین کی طرح میری سرنوشت — یاد آنے سے مقید نام و نشان ہون مین

اس کا ہر برگ آئینہ روے چمن آرا کا ہے — دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کرین
غم تمھارے درپئے تخریب چشم و دل مین آہ — ہی قریب یہ اسے دریا اوسے صحرا کرین
باوجودِ دل نظر آؤ نہ تم حیرت ہے یہ — آئینہ پاس اور ہم دیدار کو ترسا کرین
کچھ بھی کیفیت گر ان مین ہو تو یہ سب خرقہ پوش — سبحہ و سجادہ رہنِ ساغر و صہبا کرین

ہوئے مغلوب شوق کارفرما آخر آخر ہم — ہمین تھا اختیار آگے پر اب بے اختیاری ہے
اُٹھا سکتے نہین بے طاقتی کا بار بھی اب ہم — ہوئے ہین ناتوان ایسے کہ جینا تک بھی بھاری ہے

اگر بابِ اجابت تک رسا اپنی دعا ہوتی — تو جی مین تھا کہ خواہانِ دلِ بے مدعا ہوتے

میر غلام حسن حسن

از اوائل عمرش طبیعتش موزون بود اکثر خود را مصروف و مشغول این شغل خطیر مید اشت و شعر خود را از نظر میر ضیاء الدین ضیا کہ دران ایام از مشہوران زمانہ درین دیار بود میگذرانید بعد ازانکہ دور دور مرزا رفیع السودا شد و زبان ریختہ چنانکہ بود زیادہ درین دیار رواج یافت بحکم قوت ممیزہ بر جادۂ مستقیم اساتذۂ مسلم الثبوت یعنی خواجہ میر درد و مرزا رفیع السودا و میر محمد تقی میر

ومیان محمد قائم وگذاشتۂ زبان خود بمرتبہ پاکیزگی وشستگی رسانیدہ دیوان ضخیم ومثنوی ہائے متعددہ

در سلک نظم کشیدہ خصوصاً در مثنوی اخیر کہ سحرالبیان نام دارد ید بیضا نمودہ اہ تذکرۂ مصحفی،

میر غلام حسن نام حسن تخلص میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے تھے دلی مین پیدا ہوئے بارہ برس کے سن مین والد کے ساتھ فیض آباد آئے، کچھ مدت وہان رہکر لکھنؤ مین آبسے، شعر وسخن کا ذوق موروثی تھا، اور طبیعت اس کے مناسب پائی تھی،

اودھ مین آکر میر ضیاالدین ضیا کے شاگرد ہوئے، مگر اون کی روش پر چل نہین سکے، خواجہ میر درد، مرزا رفیع اور میر تقی میر کے کلام کا تتبع کیا ایک تذکرہ شعرائے ریختہ کا ایک دیوان اور گیارہ مثنویان تصنیف کین، جس مین سحرالبیان کی سی قبولیت اردو مین کسی مثنوی کو نصیب نہین ہوئی،

آزاد نے آبحیات مین لکھا ہی کہ جب تک دلی مین رہے اپنے والد اور خواجہ میر درد سے اصلاح لیتے رہے، اودھ مین جاکر میر ضیاالدین ضیا کے شاگرد ہوئے اور مرزا رفیع سودا کو بھی غزل دکھائی، اسی بنا پر آزاد نے اون کو جا بجا خواجہ میر درد اور مرزا رفیع کا شاگرد بیان کیا ہی، مگر خود میر حسن نے تذکرہ مین اپنے آپ کو میر ضیا کا شاگرد لکھا ہی اور یہ صحیح بھی ہی، بارہ برس کے سن مین انھون نے دلی چھوڑی، خواجہ میر درد مرحوم سے اصلاح لینے کا کون سا موقع تھا، اگر سودا کو غزل دکھائی ہوتی تو وہ اس کا تذکرہ ضرور کرتے، دیکھو تذکرہ،

"اصلاح سخن از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ ام لیکن طرز او شان از من کما حقہ سرانجام نیافت بر قدم دیگر بزرگان مثل خواجہ میر درد، ومرزا رفیع سودا ومیر تقی پیروی نمودم"

۱۲۰۱ھ مین ان کی وفات ہوئی، مصحفی نے شاعر شیرین زبان سے تاریخ وفات نکالکر حق آشنائی ادا کیا ہی، تذکرہ شعرا اور اون کی دوسری مثنوی گلزار ارم کا قلمی نسخہ نہایت خوشخط

ندوۃ العلما کے کتبخانہ مین موجود ہی،

گلزار ارم مین لکھنؤ کی ہجو اور فیض آباد کی تعریف جی کھولکر کی ہی، شاید اسی وجہ سے اس مثنوی کو قبولیت حاصل نہین ہوئی،

میر حسن قصیدے کے مرد میدان نہین تھے، البتہ غزل مین ان کا درجہ بہت بلند ہی اور مثنوی مین تو یکتائے زمانہ تھے جس سے کسی کو بھی انکار نہین ہو سکتا، بے نظیر و بدر منیر کے قصہ مین جو سحر بیانی کی ہی اوس کا آجتک جواب نہین ہو سکا،

اوس کی زبان کی صفائی محاورہ کا لطف، مضمون کی شوخی، طرز ادا کی نزاکت اور سوال وجواب کی نوک جھونک حد توصیف سے باہر ہے، باوجود اس کے کہ سحر البیان کی تصنیف کو ڈیڑھ سو برس ہونے کو آئے ہین، لیکن اوس کی زبان قریب قریب وہی ہے جو آجکل بولی جاتی ہی یہی ایک امر اس بات کا کافی ثبوت ہی کہ میر حسن کا مذاق سخن کتنا لطیف و پاکیزہ تھا،

سر دیوے گا جس دن تو حسن تیغ کو اوس کے ۔۔۔ اسرار کھلے گا جبھی اس سر نہان کا

وہ دن گئے کہ گلشن تھا بود و باش اپنا ۔۔۔ اب تو قفس مین بھولے نقشہ بھی گلستان کا

نہ رہتی تھین آہین نہ تھمتے تھے آنسو ۔۔۔ حسن تجکو کیا رات غم تھا کسی کا

دس تو رخ کے جانے سے عجب حال ہی میرا ۔۔۔ جیسے کوئی بھولا ہوا پھرتا ہے کچھ اپنا

مین حشر کو کیا رؤن کہ اُٹھ جانے سے تیرے ۔۔۔ برپا ہوئی اِک مجھپہ قیامت تو ہین اور

دامنِ صحرا سے اُٹھنے کو حسن کا جی نہین　　پانوٗن دیوانے نے پھیلائے بیابان دیکھکر

آرزو دل کی بر آئی نہ حسن وصل مین اور　　لذتِ ہجر کو بھی مفت مین کھو بیٹھے ہم

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ　　بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

دل کو کھویا ہے کل جہان جا کر　　جی مین ہے آج جی بھی کھو آؤن

ناز سے عشوہ سے غمزہ سے لگا لیتے ہین　　وہ جسے چاہتے ہین اپنا بنا لیتے ہین

ترے بن باغ مین جس وقت غنچے گل کے کھِلتے ہین　　خراشِ ناخنِ غم سے جگر کے زخم چھِلتے ہین

سمان تھا کل عجب ہونے سے تیرے شوخ محفل مین　　کہ سو سو آرزوئین مضطرب پھرتی تھین گرد دل مین

وہ اور زمانہ تھا کہ خوبان مین تھی اُلفت　　ایسا نظر آتا نہین اب ایک بھی وس مین

پہونچے نہ حسن منزلِ مقصود کو ہم اور　　آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر مین

مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے　　یون ہی گزر گئے افسوس دن جوانی کے

حسن دیتا ہے تو کیون جی تون پہ — ملا دینگے تجھے یہ کیا خدا ہے

اوس بت کی بندگی سے نہ آزاد ہو حسن — یہ بات بھی کہین نہ خدا کو بری لگے

رہے جس مین خطرہ سدا نیستی کا — بس اے زندگی ایسی ہستی سے گزرے

آرزو اور تو کچھ ہم کو نہین دنیا مین — ہان مگر ایک ترے ملنے کا ارمان تو ہے

کیا ملے اب کوئی اور کیا رو سکے — دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

نغمۂ عشق سے ہین سبحہ و زنار ملے — ایک آواز پہ دو ساز کے ہین تار ملے

عیش و وصال و صحبت یاران فراغ دل — اس ایک جان کے لئے کیا کیا نچاہیئے

آغاز محبت مین دیکھا تو یہ کچھ دیکھا — کیا جانئے کیا ہوگا انجام مرے دل کا

کیا جانے اوس کے جی پہ کیا کچھ خیال گزرا — کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پہ ملال گزرا

جس عالم ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ — آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم ہی خزان کا

نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہون | لگتے لگتے جی قفس مین بھی مرا لگ جائیگا

اظہارِ خموشی مین ہی سو طرح کی فریاد | ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

سحر البیان کا نمونہ

بے نظیر فلک سیر گھوڑے پر سوار ہو کر بدر منیر کے باغ مین پہونچتی ہے اور ایک دوسرے کو دیکھکر فریفتہ ہوتے ہین

ہوا ناگہان اوس کا اک جا گزر | سہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھی عمارت بلند | کہ تھی نور مین چاندنی سے دوچند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا | وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا

یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ | اُتر اپنے گھوڑے سے اور سر جھکا
لگا جھانکنے اوس مکان کے تئین | کہ دیکھون یہان کوئی ہی یا نہین
جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر | کہ سب کچھ گیا اوسکے جی سے گزر

تھے اِک طرف گنجان باہم درخت | کہ لپٹے ہون جس طرح مشتاق سخت
لگا وان سے چھپ چھپ کے کرنے نظر | درختون سے جون ماہ ہو جلوہ گر
جو دیکھی تو صحبت عجب ہی وہان | عجب چاندنی ہی عجب ہے سمان
عجب صورتین اور طرفہ محل | چلا دیکھتے ہی دل اوس کا نکل

لبِ نہر پر صاف جو غور کی | تو پڑی تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اوس مین فوارے چھٹتے ہوئے | ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے

کھڑا ایک نمگیرۂ زر نگار | کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار
مغرق بچھی مسند اِک جگمگی | کہ تھی چاندنی جس کے قدمون لگی
نہ پھولے سماتے تھے تکیے دھرے | کہ تھے وہ فقط حُسن ہی سے بھرے

وہ مسند جو تھی موج دریائے حُسن | وہان دیکھی اِک مسند آرائے حُسن
برس پندرہ ایک کا سن وسال | نہایت حسین اور صاحب جمال
دیئے کُہنی تکیے پہ اِک ناز سے | سرِ نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصین کھڑی ادھر اودھر تمام | ستارون کا جون ماہ پر اژدحام
وہ بیٹھی تھی سج وھج بنائے ہوئے | دل اس چاندنی پر لگائے ہوئے
اُدھر آسمان پر وہ رخشندہ مہ | اِدھر یہ زمین پر مہ چاردہ
پڑا عکس دونون کا جو نہر مین | لگے لوٹنے چاند ہر لہر مین
نظر آئے اتنے جو اِک بار چاند | زمانے کو منہ کو لگے چار چاند

وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے | وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے
جو کچھ چاہیئے ٹھیک نِک سِک سے رنگ | نزاکت بھرا سیو تی کا سا رنگ
کچھ اِک تمکنت اور کچھ اِک بانکپن | غرض ہر طرح مین انوکھی پھبن

وہ ابرو کہ محرابِ ایوانِ حسن | جھکی شاخ نخلِ گلستانِ حسن
نگہ آفت و چشم عینِ بلا | مژہ دین صفون کو اُلٹ برملا

وہ بینی کہ جس کی نہین کچھ نظیر | ہے انگشت قدرت کی سیدھی لکیر
وہ رخسارِ نازک کہ ہو جائے لال | اگر اوس پہ بوسے کا گزرے خیال

وہ ساقین بلورین وہ انداز پا | پھرے ہر سحر چشمِ دل مین سدا
قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام | قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

یہ قدرت کا دیکھا جو اوس نے خیال | کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال
درختون سے وہ دیکھتا تھا نہان | کسی کی نظر جا پڑی ناگہان
جو دیکھین تو ہے اک جوانِ حسین | درختون کی ہے اوٹ ماہِ مبین

کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا | کسی نے کہا چاند ہیان چھپا
کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن | کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
کسی نے کہا دیکھیو لے بُوا | کھڑا ہے کوئی صاف یہ مرد وا
یہ آپس مین باتین جو ہونے لگین | اشارون سے گھاتین جو ہونے لگین
گئی بات یہ شاہزادی کے گوش | یہ سنتے ہی جاتا رہا اوس کا ہوش
کہا مین تو دیکھون یہ کہکر اوٹھی | گیا سنسنا جی تو رہ کر اوٹھی

خواصون کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

کئی ہمدمین تھین جو کچھ پڑھتین
دعائین وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھین

جو دیکھین تو ہے اک جوان حسین
کھڑا ہے وہ آئینہ سان مہ جبین

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادون کی راتین جوانی کے دن

نئی پشت لب سے مسون کی نمود
جسے دیکھ نیلا ہو چرخ کبود

عیان چستی و چابکی گات سے
نمود جوانی ہر اک بات سے

بدن آئینہ سا دمکتا ہوا
گل باغ خوبی لہکتا ہوا

اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل
جوانی کی شب کا سمان برمحل

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبین پر برستا شجاعت کا نور

گئی اوس جگہ جب یہ بدر منیر
اور اوس نے جو دیکھا شہ بینظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس مین مل
نظر سے نظر جی سے جی دل سے دل

غرض بے نظیر اور بدر منیر
گرے دونون آپس مین ہو کر اسیر

رہی کچھ نہ تن من کی سدھ بدھ اوسے
نہ کچھ اپنے تن کی رہی سدھ اوسے

تھی ہمراہ اک اوس کے دخت وزیر
نہایت حسین اور قیامت شریر

زبس تھی ستارہ سی وہ دلربا
اوسے لوگ کہتے تھے نجم النسا

شتابی سے لا اوس نے چھڑکا گلاب
تب آئی تنون مین ذرا اون کے تاب

وہ شہزادہ دل شدہ تو ٹھٹھک
وہین رہ گیا نقش پا سا بھچک

کہ وہ نازنین کچھ جھجک منہ چھپا — کمر اور چوٹی کا عالم دکھا
یہ چلی اوس کے آگے سے منہ موڑ کر — وہین نیم بسمل اوسے چھوڑ کر

ادائین سب اپنی دکھاتی چلی — چھپا منہ کو اور مسکراتی چلی
غضب منہ پہ ظاہر وے دل مین چاہ — نہان آہ آہ اور عیان واہ واہ
یہ ہے کون کمبخت آیا یہان — مین اب چھوڑ گھر اپنا جاؤن کہان
یہ کہتی ہوئی آن کی آن مین — چھپی جاکے وہ اپنے دالان مین

کہ اتنے مین آئی وہ دختِ وزیر — لگی ہنس کے کہنے کہ بدرِ منیر
مجھے چوچلے تو خوش آتے نہین — ترے ناز بیجا یہ بھاتے نہین
کیا ہے اگر تونے گھائل اوسے — تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اوسے
ٹک اِک حظ اُٹھا زندگانی کا تو — مزہ دیکھ اپنی جوانی کا تو
یہ حسن و جوانی یہ جوش و خروش — غفور است ایزد تو ساغر بنوش
سدا عیش دوران دکھاتا نہین — گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہین

یہ سن سن کے وہ نازنین مسکرا — لگی کہنے اچھا بھلا ری بھلا
مین سمجھی ترا دل گیا ہی ادھر — بہانے تو کرتی ہی کیون مجھ پہ دھر
لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہ وش — ہوئی تھی اوسے دیکھ مین ہی تو غش
تمھین نے تو چھیڑا تھا مجھ پر گلاب — بھلا میری خاطر بلا تو شتاب

یہ آپس مین رمزون کی باتین ہوئین | اشارون کی باہم جو گھاتین ہوئین
بُلا لائی جا اوس جوان کے تئین | کیا میزبان میہمان کے تئین

بزور اوس کو لا کر بٹھایا جو وان | نہ پوچھ اوس گھڑی کی ادا کا بیان
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے | بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منھ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے | لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینے پسینے ہوا سب بدن | کہ جون شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب | رہے شرم سے پائے بندِ حجاب

جب آپس مین چلنے لگے جامِ مِل | مثل غنچہ سان دل کھلے مثل گل
کھلا بند جس دم درِ گفتگو | جوان نے حقیقت کہی مو بمو
پری کا بھی احوال ظاہر کیا | چھپے راز سے اوس کو ماہر کیا
کہا اک پہر کی ہے رخصت مجھے | زیادہ نہین اس سے فرصت مجھے
یہ سُن دل ہی دل پیچ کھا پیچ و تاب | دیا شاہزادی نے اوس کو جواب
مرو تم پری پر وہ تم پر مرے | بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے
مین اس طرح کا دل لگاتی نہین | یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہین
عبث تم سے کیون دل لگائے کوئی | بھلے چنگے دل کو جلائے کوئی
یہ سُن پانون پر گر پڑا بے نظیر | کہا کیا کرون آہ بدرِ منیر
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پر فدا | مین تجھ پر فدا ہون مجھے اوس سے کیا

کہا چل سراپنا قدم پرنہ دھر | کسی کے مجھے دل سے ہو کیا خبر
یہ رمز و کنائے جو ہونے لگے | تو آپس مین ہنس ہنس کے رونے لگے
رہی دل ہی دل مین غرض دل کی بات | پھر بھر گئی اتنے عرصے مین رات
خبر رات کی سن اٹھا بے نظیر | کہا اب مین جاتا ہون بدر منیر
اگر قید سے چھوٹنے پاؤن گا | تو پھر آج کے وقت کل آؤن گا

جس پری نے بے نظیر کو اوڑایا تھا اور صرف سیر کرنے کو فلک سیر گھوڑا دیا تھا اس کو خبر ہو گئی کہ یہ کسی اور پر دیوانے ہو گئے ہین، اوس نے چاہ زندان مین قید کر دیا ان کے نہ آنے سے بدر منیر کی بیقراری ملاحظہ ہو،

پھنسا اس طرح سے جو وہ بے نظیر | پڑی بیقراری مین بدر منیر
بہم دو دلون مین جو ہوتی ہے چاہ | تو ہوتی ہے دل کے تئین دل سے راہ
قلق وان جو گزرا تو یان غم ہوا | رکا جی وہان یان خفا دم ہوا
کئی دن جو آیا نہ وہ رشک ماہ | نظر مین ہوا اس کے عالم سیاہ

گئے اسپہ جب دن کئی اور بھی | بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی | درختون مین جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان مین اضطراب | لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل مین کرنے لگی | دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی | بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ | اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ

نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا ۔ نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہان بیٹھنا پھر نہ اوٹھنا اوسے ۔ محبت مین دن رات گھٹنا اوسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو ۔ تو اُٹھنا اوسے کہہ کے ہانجی چلو
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی ۔ یہ دن کی جو پوچھو کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے ۔ کہا خیر بہتر ہے منگوائیے
جو پانی پلایا تو پینا اوسے ۔ غرض غیر کے ہاتھ جینا اوسے
نہ کھانے کی سدھ اور نہ پینے کا ہوش ۔ بھرا دل مین اوس کے محبت کا جوش
چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر ۔ وہی سامنے صورت آٹھون پہر
غزل یا رباعی و یا کوئی فرد ۔ اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس مین درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہین ۔ نہین کچھ تو اسکی بھی خواہش نہین
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل ۔ کہان کی رباعی کہان کی غزل

زبان پر تو باتین مگر دل اداس ۔ پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس
نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر ۔ نہ سر کی خبر نے بدن کی خبر
جو مسّی ہے دو دن کی تو ہے وہی ۔ جو کنگھی نہین ہے تو یون ہی سہی
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام ۔ نظر مین وہی تیرہ بختی کی شام
و لیکن یہ خوبان کا دیکھا سو بھاؤ ۔ کہ بگڑے سے دونا ہو ان کا بناؤ
نہین حُسن کی اس طرح بھی کمی ۔ جو بیٹھی ہے بگڑی تو گویا بنی
غرض بے ادائی ہے یان کی ادا ۔ بھلون کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا

شیخ قلندر بخش جرأت

اگرچہ پایہ در علم موسیقی و ستارنوازی نیز دستے ہم رسانید، لیکن آنچہ گویند دیوانِ شعر است

کہ گاہے بے فکری نماید بسیار درد و گداز است (تذکرۂ میر حسن)

از اصول و قواعد این فن بہرہ نداشتہ نغمہائے خارج از آہنگ می سرود معہذا بعض

ابیاتش بغایت خوش و دلربا آمدہ، (گلشنِ بیخار)

قلندر بخش جرأت اصل مین دہلی کے رہنے والے تھے، باپ کا نام حافظ امان تھا، ان کے بزرگ دربار شاہی مین دربانی کی خدمت رکھتے تھے، اور لوگون کی طرح ان کا کنبہ بھی فیض آباد آبسا تھا، چنانچہ جرأت کا نشو و نما فیض آباد مین ہوا، ابھی جوان بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آنکھون سے معذور ہو گئے،

طبیعت چلبلی تھی، موسیقی اور ستارنوازی کی طرف مائل ہوئی، اور شعر و سخن کا چسکا پڑا، جعفر علی حسرت سے مشق سخن کی، شعر و سخن کے ساتھ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی مین بھی نام پیدا کیا، اول اول نواب محبت خان[۱] کی سرکار مین نوکر ہوئے اوس کے بعد مرزا سلیمان شکوہ کے دربار تک رسائی ہو گئی، میر انشاء اللہ خان کی اور ان کی صحبتین خوب گرم رہتی تھین،

[۱] نواب محبت خان حافظ الملک حافظ رحمت خان کے بیٹے تھے، حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد نواب شجاع الدولہ نے ان کے سب بیٹوں کو الہ آباد میں نظربند رکھا، آصف الدولہ کے وقت مین رہائی ہوئی اور انھون نے لکھنؤ میں بود و باش اختیار کی، نواب نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، خوش رو و خوشخو جوان تھے، میر حسن و مصحفی وغیرہ ان کی مروت، اہلیت اور خوش اخلاقی کے مدح و ثناخوان ہین، ان کو شعر و سخن سے بے حد ذوق تھا، فارسی اور اردو مین فکر کرتے تھے، اور جعفر علی حسرت سے مشق سخن کی تھی، مسٹر جانسن کی فرمائش سے سسی پنو کا قصہ نظم کر کے اوس کا نام اسرارِ محبت رکھا تھا، دیوان ان کا تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے، (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

دیوان اِن کا چھپ گیا ہو اس مین ہر طرح کی غزلین، رباعیان مخمس، مستزاد، واسوخت ہجوین اور تاریخین ہین، دیوان مین رطب و یابس بہت نہین ہی،

آزاد نے ٹھیک لکھا ہی کہ جو اُستادون کے طریقے پائے ہین اونھین سلیقے سے کام مین لائے ہین، اِس پر کثرت مشق نے رنگ دیا ہے، کہ سب کوتاہیون کا پردہ ہوگیا اور ان کو خود صاحب طرز مشہور کردیا،

آخر عمر تک لکھنؤ مین رہے اور وہین ۱۲۲۵ھ مین فوت ہوئے، ناسخ نے تاریخ لکھی ع

ہائے ہندوستان کا شاعر موا

(نقیہ ما شعر معر از قسمت)

دیر سے مجکو نہ کچھ کام نہ کعبہ سے غرض — کیون گلہ کرتے ہو لے گبر و مسلمان میرا

حسن کو تری آنکھوں سے سروکار رہے گا — بالفرض حیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

بیکسوں کی خاک پر جوشش سے آتا ہی جو ابر — اے فلک آنے دے وہ بھی آن کر رو جائیگا

درد کس کا مرے پہلو مین خلش کرتا ہے — یا الٰہی مجھے کیون رات دن آرام نہین

عاشقی کا تو تری نام ہر اِک لیتا ہی — پر محبت سا کوئی عشق مین بدنام نہین

الفت مین حس کو اشک بہانے کی خو نہو — اوس کو خدا کرے کہ کہین آبرو نہو

جو چاہے ہوش تو بیہوش ہو جامِ محبت سے — یہ بیہوشی ہی ایسی جس سے ہشیاری نہین جاتی

یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہون گھبرایا ہوا — چنپئی رنگ اوس کا اور جوبن وہ گدرایا ہوا
بات ہی اول تو وہ کرتا نہین مجھ سے کبھی — اور جو بولے بھی ہو کچھ منھ سے تو شرمایا ہوا

مرے اور اوس کے جو پوچھو ربط کیا کیا کچھ نہ تھا — پر دل اوس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

آئے جو مرے پاس تو منھ پھیر کے بیٹھے — یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا

تجکو ہم اسلیئے کہتے تھے کوئی دم مت جا — چل بسے ہم نہ ترے چلتے ہی چلتے دیکھا
اس کا بیمار نہ نکلا کبھی گھر سے جرأت — گھر سے تابوت ہی آخر کو نکلتے دیکھا

جستجو مین دل کے بہلانے کے جی کھونا پڑا — جو ہنسی کی بات تھی اوس کا ہمین رونا پڑا

تشبیہ کس مزے سے مین لذت کو اوسکی دون — کچھ دل ہی جانتا ہے مرا دل کی چاہ کا

فصل گل گرچہ ہزار آئی پر اپنا جرأت — دلِ پژمردہ نہ جون غنچۂ تصویر کھِلا

اور تو کیا مشغلے ہین ہجر مین تیرے مگر — دل کی بیتابی سے سو سو بار اوٹھنا بیٹھنا

ہم اسیرانِ قفس کیا کہین خاموش ہین کیون — راہ لگ اپنی چل لے بادِ صبا تجکو کیا

نزع مین بھی تری صورت کو نہ دیکھا افسوس　　مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا

خدا جانے کرے گا چاک کِس کِس کے گریبان کو　　ادا سے اون کا چلنے مین اٹھا لینا یہ دامان کا

چین کیا ہوگا نہ ہستی مین خاک　　جو یہان آیا مکدر ہی گیا

سر دیجے راہِ عشق مین پر منہ نہ موڑئیے　　پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

گیا وہ دل ہی پہلو سے کہ جس کو　　کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر

دل ہی اوس کافر کا پتھر ہو تو کوئی کیا کرے　　ورنہ ایسی آہِ سوزان بے اثر میری نہین

قیس و فرہاد کی تھی ایک ہی منزل لیکن　　وہ بیابان کی گیا راہ وہ کہسار کی راہ

تو نے اس باغ مین دم بھرنے کی مہلت پائی　　اے صبا ہم نے تو اتنی بھی نہ مہلت پائی

وصل کے دن مین بھی ہین کانپ دیتا ہون بیٹھے بیٹھے　　یاد آتے ہین وہ صدمے جو شبِ ہجران کے

نہ سامان اون کے رہنے کا نہ کچھ امید طالع سے　　دلِ بیتاب سے کِس منہ سے کہیئے ٹک تحمل کر

دور سے کل ہم نے اوس کے آستان کو دیکھکر　　رو دیا کن حسرتون سے آسمان کو دیکھکر

ہم اسیرون کو ملا ہے تنگ یان ایسا قفس　　زیرِ گردون ٹک زمین پر تلملا سکتے نہین

جو دیکھا مضطرب مجکو تو محفل مین کسی سے وہ　　یہ کہتا تھا کہ ہی لطفِ محبت رازدارون مین

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کرین　　تو کرے غیرون سے باتین اور ہم دیکھا کرین

دلِ وحشی کو خواہش ہی تمھارے در پہ آنے کی　　دیوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہی ٹھکانے کی

ناصح مین اور ہم مین ہین طرفہ صحبتین　　ہم کچھ نہین سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے

پوچھا یہان تلک کہ ہوا تنگ نامہ بر　　لذت ملی جو یار کے دشنام سے مجھے

کیا کہون جرأت مین اوس صیاد قاتل کا گلہ　　دام سے چھوڑا تو چھوڑا توڑ کر بازو مجھے

جوشِ گل چاکِ قفس سے دمبدم دیکھا کیے　　سب نے لوٹی ہین بہارین اور ہم دیکھا کیے

مستزاد دو رنگ ملاحظہ ہو،

جادو ہی نگہ حجیب ہے غضب قہر ہے مکھڑا - اور قد ہے قیامت

غارتگر دین وہ بت کافر ہے سراپا۔ اللہ کی قدرت
اٹکھیلی ہے رفتار مین گفتار کی کیا بات - ہر بات جگت ہی
اور رنگ رخ یار ہے گویا کہ بھبوکا۔ پھر تسپہ ملاحت
ہین بال یہ بکھرے ہوئے مکھڑے پہ دھوان دھار جون دود شعلہ
حُسنِ بُتِ کافر ہے خدائی کا جھمکڑا۔ ٹک دیکھو صورت
ابرو فنِ خونریزی مین اوس کے ہین غضب طاق۔ شمشیر برہنہ
آنکھون کا یہ عالم ہے کہ آنکھون سے نہ دیکھا۔ افسون ہی اشارت
کان ایسے کہ کانون سے سُنے ویسے نہ اب تک۔ نے آنکھون سے دیکھے
بالے کہ تصور مین مجھے گھیرے ہے گویا - اِک حلقۂ حیرت
بینی یہ خوش اسلوب کہ نتھنون کی پھڑک دیکھ تڑپے ہی دو عالم
ہے اوس کو لب یار کے بوسہ کی تمنا - ارمان ہی حسرت
دانتون کی صفا کیا کہون موتی کی لڑی ہے لب لعل کے ٹکڑے
مسّی ہے بلا تسپہ رکھے پان کا بیڑا - سو شوخی کی رنگت
دل خون کرے وہ دستِ حنابستہ بھرا اوسمین۔ سمرن کی پھبن ہائے
ہے وضع تو سادی سی یہ کیا کیا نہین پیدا۔ شوخی و شرارت
اس اُبھرے ہوئے گات کی کیا بات جسے دیکھ سب ہاتھ ملین ہین
اور ہائے ری ہر بات مین گردن کا وہ ڈورا۔ ہے دامِ محبت
ہے عشوہ و انداز و ادا ناز و کرشمہ - اور گرمی و شوخی
ہر عضو پہ آنکھ اٹکے وہ کافر ہے سراپا۔ اِک موہنی مورت

میر انشا اللہ خان انشا

یہ انشاء اللہ خان خلف میر ماشا اللہ خان نجفی الاصل مرشد آبادی المولد لکھنوی الدفن دیوانی دارد مشتمل بر اصناف سخن و ہیچ صنف را بطریقہ راسخہ شعر انگفتہ اما در شوخی طبع وجودت ذہن او سخنی نیست اھ گلشن بیخار۔

غزلوں کا دیوان عجب طلسمات کا عالم ہی، زبان پہ قدرت کامل میاں کا لطف محاورہ کی نمکینی ترکیبوں کی خوشنما تراشیں دیکھنے کے قابل ہیں، مگر یہ عالم ہی کہ ابھی کچھ ہیں ابھی کچھ ہیں، جو غزلیں یا غزلوں کے اشعار با اصول ہوگئے وہ ایسے ہیں کہ جواب نہیں اور جہاں طبیعت اور طرف جا پڑی وہاں ٹھکانا نہیں اھ آبحیات،

نواب مصطفیٰ خان مرحوم کا بھی یہی مطلب ہی کہ جو آزاد نے سمجھا ہے، پھر معلوم نہیں کہ ایک دوسری جگہ یہ کیا لکھ دیا ہے کہ " نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کا گلشن بیخار جب دیکھتا ہوں تو خار نہیں کٹار کا زخم دل پہ لگتا ہی، سید موصوف کے حال میں " ہیچ صنف را بطریقہ راسخہ شعر انگفتہ"

میر انشا اللہ خان کی ولادت مرشد آباد میں ہوئی، ان کے والد میر ماشا اللہ خان فضیلت علمی کے ساتھ شاعر بھی تھے، انھوں نے بیٹے کی تعلیم میں اپنی طرف سے کوتاہی نہیں کی، یہ بھی بلا کے ذہین و ذکی تھے، تھوڑے دنوں میں فارسی اوس کے بعد عربی میں خاصی استعداد پیدا کر لی، طبابت کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ اون کی خاندانی چیز تھی، شاعری کی طرف آئے تو آندھی کی طرح آئے عربی فارسی اور ریختہ تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کی بہار الدین عاملی کی نان و حلوا کے جواب میں شیر و برنج تیار کی حقیقت میں جو بہت مزیدار ہے، نواب سعادت علیخان کے تسکار کا حال ایک مثنوی میں لکھا ہے وہ بھی اچھی ہی،

مگر زیادہ توجہ ریختہ کی طرف رہی اور اخیر اخیر مین اسی کو اپنے فضل و کمال کا جولانگاہ قرار دیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان مین تباہی کا سیلاب ہر طرف آیا ہوا تھا یہ مرشد آباد سے دلی آئے، بقول آزاد اوس وقت دلی کا دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ اور سجادہ نشین اوس کے شاہ عالم[1] بادشاہ تھے، شاہ عالم نے شفقت کا ہاتھ اون کی طرف بڑھایا، یہ دربار مین داخل ہوئے اور چند روز دلی مین ہنسی خوشی رہے،

---

[1] شاہ عالم کا نام عالی گوہر تھا والد عزیز الدین عالمگیر ثانی عماد الملک وزیر کے ہاتھون شاہ شطرنج بنے ہوئے بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے، عالی گوہر سے باپ کی مجبوری اور اپنی تباہی دیکھی نہ گئی، کسی بہانے سے نکل کھڑے ہوئے، کچھ دنون نواب نجیب الدولہ سے ساز باز کرنے مین لگے رہے، اوس کے بعد نواب شجاع الدولہ کے مشورے سے نواب محمد قلی خان صوبہ دار الہ آباد نے ان کو بلایا اور ان کے جھنڈے تلے فوجین فراہم کر کے عظیم آباد پر چڑھائی کر دی، وہان راجہ رام نرائن ناظم بنگالہ کی حیثیت سے صوبہ بہار کا حاکم تھا، اوس نے قلعہ مین محصور ہو کر یہ مشہور کیا کہ نواب جعفر علیخان کرنل کلف کو لئے ہوئے مدد کو آرہے ہین، محمد قلی خان عظیم آباد تک پہونچ چکے تھے اور مورچے قائم کر لئے تھے، مگر اس خبر سے اون کی ہمت جاتی رہی، عالی گوہر کا دائرہ دولت کرم ناسہ ندی کو عبور کر کے صوبۂ بہار مین داخل ہوا ہی تھا کہ باپ کے قتل کیئے جانے کی خبر آئی، وہین کے وہین ۱۱۷۳ھ مین شاہ عالم کا لقب اختیار کر کے بادشاہ ہو گئے،

نواب شجاع الدولہ کو قلمدان وزارت نواب نجیب الدولہ کو امیر الامرائی کا خلعت روانہ کیا، نواب منیر الدولہ کو سفارت کے عہدہ پر نامزد کر کے احمد شاہ درانی کے دربار مین بھیجا اور خود بدولت ایک مدت تک صوبہ بہار کے لیئے ہاتھ پاؤن مارتے رہے کبھی فتح اور کبھی شکست ہوتی رہی، اور نواب شجاع الدولہ دور سے بیٹھے میٹھے گھاتین بتاتے رہے،

جب نواب قاسم علی خان عالیجاہ کی انگریزون سے بگڑ گئی اور وہ شکست کھا کر (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

نوجوانی مین جو امنگین انسان کو ہوا کرتی ہین وہ اون کو بھی تھین، مگر اوس وقت
دلی مین کیا دھرا کیا تھا، جی اُچاٹ ہوا تو لکھنؤ پہونچے اور مرزا سلیمان شکوہ کے دربار مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شجاع الدولہ کے پاس چلے آئے تو شجاع الدولہ نے اون کے زر وجواہر پر قبضہ کیا، اوس کے
بعد شاہ عالم کو آگے رکھکر انگریزون سے لڑنے کو نکلے جس کا انجام یہ ہوا کہ بکسر کے مقام پر ان کو شکست فاش ہوئی
شجاع الدولہ بھاگ کر روہیلکھنڈ آئے اور انگریزون نے شاہ عالم سے دیوانی سرسہ صوبہ بنگال کی سند حاصل کرکے
چھبیس لاکھ روپیہ نقد اور صوبہ الہ آباد و چکلہ کوڑا پر بادشاہ سے فیصلہ کر لیا،

شاہ عالم وہان سے الہ آباد آئے اور سات برس یہان رہے اوس کے بعد نواب منیر الدولہ کو یہان کا
انتظام سپرد کرکے ۱۱۸۵ھ مین دلی تشریف لے گئے، وہان پہونچکر مرہٹون کی مدد سے نواب ضابطہ خان خلف
نواب نجیب الدولہ پر فوج کشی کردی اور مرہٹون نے اوس کا سارا ملک دبا لیا، ضابطہ خان نے بھاگ کر شجاع الدولہ
کے پاس پناہ لی اور چند دنون کے بعد تکوجی راو ہولکر کی سفارش سے دربار شاہی مین باریابی حاصل کی،

صوبہ الہ آباد کا یہ انجام ہوا کہ نواب منیر الدولہ کے مرنے کے بعد شجاع الدولہ نے اوس پر قبضہ کر لیا اور
چند سال تک وہان کی آمدنی بادشاہ کو بھیجتے رہے اوس کے بعد یہ بھی بند کردی،

ضابطہ خان کا بیٹا غلام قادر بادشاہ سے دلی عناد رکھتا تھا، اوس نے ۱۲۰۲ھ مین ایک دن موقع
پاکر بادشاہ کو تخت سے کھینچکر پچھاڑ دیا اور پیش قبض سے اون کی دونون آنکھین نکال لین اور بیدار بخت پسر احمد شاہ
کو تخت پر بٹھا دیا، شاہ عالم سلطنت کے ساتھ نور بصارت سے بھی محروم ہوگئے، مہاراجہ سندھیا کو خبر ہوئی، اونھون نے
فوج بھیجی جس نے قلعہ پر قبضہ کرکے شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا اور غلام قادر کو بھاگتے ہوئے پکڑ کر ہاتھ پاؤن
کاٹ کاٹ کر بڑے عذاب سے مارا، مگر اس سے کیا ہوتا جو ہونا تھا ہوچکا، شاہ عالم نے خود اس واقعہ کو ایک قطعہ میں
نظم کیا ہی جو نہایت درد انگیز ہے، چند اشعار اوس کے ملاحظہ ہون،

(بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

رسائی پیدا کی، وہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے اونھوں نے کچھ تو باپ کا نکھوار سمجھکر اور کچھ ان کی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کی وجہ سے اِن کی سرپرستی کی اور اپنی غزلین اصلاح کے لیئے ان کو دینے لگے، یہ دوسری فکرین بھی لگے رہے، آخر کار تفضل حسین خان علامہ کی سفارش سے نواب سعادت علیخان کے دربار مین رسائی حاصل ہوئی، اور اِن کا ستارۂ اقبال چمکا، پھر تو ایسے شیر و شکر ہوئے کہ نواب کو ان کے سوا کسی کی بات مین مزا ہی نہ آتا تھا،

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما | داد بر باد سر و برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعتِ شاہی بودیم | بردو در شام زوال آمسیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از دست فلک تیرہ شد | تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغان بچۂ شوکت شاہی بر باد | کیست جز ذات مبراکہ کند یاری ما

(شاہ عالم بادشاہ)

اس واقعہ کے بعد بڑی بے لطفی سے شاہ عالم نے زندگی بسر کی، برائے نام وہ تخت پر تھے اور حقیقت میں مرہٹون کا راج تھا، چارون طرف لوٹ مار جاری تھی، کوئی متنفس ایک گھڑی بھی چین سے سانس لینے کی قدرت نہین رکھتا تھا، بادشاہ شعر و سخن سے اپنا دل بہلا بہلا کر رہتے تھے، یہانتک ۱۲۲۱ھ مین اِس مخمصہ سے اون کو نجات ملی، اُردو کا کلام اون کا ملاحظہ ہو،

کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا | ہم تو بندے اوس کے ہوں وہ یار ہو غیار کا
خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اوس نے آہ | ہو جیو یارب بُرا اِس چشم آتشبار کا
دیکھکر کل نبض میری یون لگا کہنے طبیب | کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اِس آزار کا

صبح اودھم سے گزرتی ہے | شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے | ابتو آرام سے گزرتی ہے

مگر نواب کا مزاج قدرتی طور پر متین و سنجیدہ واقع ہوا تھا، پھر امور ملکی و مالی کا سرانجام وہ اپنے ہاتھون سے کرنا چاہتے تھے، اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو حصۂ ملک اونھون نے شوق حکمرانی کی گھبراہٹ مین اپنے ہاتھ سے کھو دیا تھا، اوس کا کانٹا ہر وقت اون کے دل مین چبھتا رہتا تھا، میر انشا اعتدال سے بڑھکر ہنسوڑ تھے اور ضرورت سے زیادہ ان مین تمسخر تھا، اِس وجہ سے نواب کے ساتھ زیادہ دنون تک نبہ نہ سکی ۱۲۲۵ھ مین اقبال نے منہ موڑا یہ دربار سے نکالے گئے،

آزاد کہتے ہین کہ ایک نواب سعادت علیخان نے انھین بلا بھیجا، گھر پر نہین ملے، خفا ہوکر حکم دیا کہ ہمارے سوا اور کسی کے یہان نہ جایا کرو، اِس قید بے زنجیر نے اِنھین دق کیا، تازہ مصیبت یہ ہوئی کہ تعالی اللہ خان جوان بیٹا مرگیا، اِس صدمہ سے حواس مین فرق آگیا، یہانتک کہ ایک دن سعادت علیخان اِن کے مکان کی طرف سے نکلے، کچھ غم و غصہ کچھ دل کے بے قابو ہوجانے سے سرِراہ کھڑے ہوکر سخت سست کہا نواب نے جاکر تنخواہ بند کردی،

اِس کے بعد سعادت یار خان رنگین سے نقل کیا ہی کہ لکھنؤ مین انشا کے وہ وہ رنگ دیکھے جن کا خیال کرکے دنیا سے جی بیزار ہوتا ہے، ایک تو وہ اوج کا زمانہ تھا کہ نواب کی ناک کے بال تھے دروازے پر گھوڑے ہاتھی پالکی نالکی کے ہجوم سے رستہ نہ ملتا تھا، دوسری وہ حالت کہ ظاہر درست تھا مگر درختِ اقبال کی جڑ کو دیمک لگ گئی تھی، نواب کا حکم تھا کہ سوا دربار کے گھر سے نہ نکلین، تیسری بار گیا تو اون کو ایک مشاعرہ مین اِس طرح دیکھا کہ ایک میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پھینٹا، گھٹنا پائون مین گلے مین پکیون کا توبڑا اوڑھے ایک لکڑ کا حقہ ہاتھ مین لئے آئے توبڑے مین سے ایک کاغذ نکالا، غزل پڑھی اور کاغذ پھینکر چلدئیے[1]، چوتھی بار

[1] آزاد نے انشا کی وہ مشہور غزل اِس جگہ نقل کی ہی جو اِس موقع کے لئے نہایت موزون ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

جو گیا تو پوچھتا ہوا گھر پہنچا، ڈیوڑھی پر دستک دی، اندر سے کسی بڑھیا نے پوچھا کون ہی، مینے نام بتایا، وہ ہٹ گئی مین اندر گیا، دیکھا کہ ایک کونے مین بیٹھے ہین، تن برہنہ ہی دونون زانوون پہ سر دھرا ہی آگے راکھ کے ڈھیر ہین، ایک ٹوٹا ساحقہ پاس رکھا ہی، یہ دیکھکر بے اختیار دل بھر آیا مین بھی وہین زمین پر بیٹھ گیا اور دیر تک رویا، جب جی ہلکا ہوا تو مینے پکارا سید انشا سید انشا سر اُٹھاکر اس نظر حسرت سے دیکھا جو کہتی تھی کہ کیا کرون آنکھ مین آنسو نہین مینے کہا کیا حال ہے، ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ شکر ہے، پھر اوسی طرح سر گھٹنون پر رکھ لیا کہ نہ اُٹھایا،

آزاد نے انشا کے مجنون ہوجانے اور ایڑیان رگڑ رگڑ کر مرنے کی ایسی دردانگیز تصویر کھینچی ہی کہ اوس کو اونھین کے الفاظ مین پڑھو تو دل بے قابو ہوجاتا ہی، اور حقیقت مین دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہ آزاد کی نری جادو طرازی ہی، حیات وبیر کے مصنف نے مرزا اوج کی زبانی لکھا ہی جو میر انشا اللہ خان کے نواسے تھے کہ سید انشا نہ مجنون ہوئے نہ اون کی تنخواہ بند ہوئی صرف اتنا صحیح ہی کہ نواب سعادت علیخان نے حکم دیدیا تھا کہ وہ سوار دربار کے اور کہین نہ آئین جائین اور دربار مین بھی اوس وقت حاضر ہون جب اون کو بلایا جائے، انشا نے اسی حبس بیجا کی طرف اس شعر مین اشارہ کیا ہی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور اوس کا ایک شعر یہ ہی،

تجھے اٹھکھیلیان سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہین ... یکھیڑا نے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی

مگر واضح رہے کہ یہ غزل انشا کی اوس زمانے کی تصنیف نہین ہی جو ان کے حزن اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہی، مینے اس غزل کے چند اشعار تذکرۂ مصحفی میں پڑھے ہیں جو اوس زمانہ مین لکھا گیا ہی، جس وقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی تھے، مصحفی نے تذکرہ میں وہان تک کا حال لکھا ہو کہ وہ مرشد آباد سے دلی آچکے ہین اور مرزا عظیم وغیرہ شعرائے دلی سے معرکے در پیش تھے (ع)،

بدولت حکم وزیر الممالک اے آغا   چسپیدل دولت نوکری است یا بازی

تذکرہ خازن الشعرا مصنفہ سید میر نجان الہ آبادی کے چند اقتباس اُردوی معلی کی تیرھوین جلدین شائع ہوئے ہین، اون مین سید انشا کا بھی تذکرہ نظر سے گزرا اور ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ جس زمانے مین انشا اور مصحفی مین جھگڑا ہوا اور ہجو تک نوبت پہونچی تو نواب وزیر نے انشا کو لکھنؤ سے چلے جانے کا حکم دیدیا تھا، وہ حیدرآباد گئے اور اثنائے راہ سے ایک عریضہ شاہ محمد اجمل الہ آبادی کی خدمت مین بھیجا، اون کی درخواست پر شاہ صاحب نے اپنے خاندانی اعمال اون کو لکھ بھیجے، چند دنون کے بعد نواب وزیر نے اون کو پھر لکھنؤ بلوالیا، یہان پہونچکر شاہ صاحب کی خدمت مین انشا نے شکریہ کا خط بھیجا جو سید میر نجان کو لکھتے وقت دستیاب نہین ہوا،

ہنگامے کہ فیما بین میر و میان مصحفی مناقشہ واقع شد و نوبت ہجو یکدگر کشید وزیر الملک میر را از لکھنؤ رخصت انصراف داد و ایشان بحیدرآباد رفتند. از اثنائے راہ عریضہ بخدمت جد امجد علیہ الرحمۃ ارسال نمودند و دران یک بیت ہم بود ے

یون ہی بے شغل ہمارا کوئی دل رہتا ہے   ایک قاتل اُسے ہر آن مین مل رہتا ہے

حضرت مرحوم بحواش تحریر فرمودند ے

خوش باش ولت جرا خراشد

انشا اللہ خیر باشد و چیزے از ادعیہ و اعمال مجرب بحسب طلب میر نیز ارسال فرمودند بعد عرصہ قلیلے نواب وزیر میر را بہ لکھنؤ طلب فرمود، میر بلکھنؤ رسیدہ خط شکر گزاری بحضرت جد مرحوم نوشت ہنگام جمع این ترجمہ آن خط با وجود تلاش بسیار بدست نیامد،

بہرحال اس مین شبہہ نہین کہ آخر مین نواب وزیر انشا سے ناخوش ہوگئے تھے، تنخواہ جاری رہی مگر آزادی سے محروم ہو کر ۱۲۳۳ھ مین دنیا کے مخمصون سے نجات پائی،

کلیات ان کا چھپ گیا ہے اوس مین دیوان فارسی کا ہے ایک اُردو کا جس مین قصیدے غزلین، قطعے، خطوط منظوم، رباعیان، پہیلیان، چیستانین، ہجوین اور چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین، فارسی اُردو کے سوا ہندوستان کی مختلف زبانون مین کچھ کچھ کہا ہے، بقول آزاد ابھی پنجاب مین کھڑے ہین ابھی پورب مین بیٹھے باتین کر رہے ہین، ابھی برج بھاشی ہین ابھی مرہٹے ابھی افغان ابھی کشمیری، چند ساعت بھی اپنے رفیق تمسخر سے جدا نہین ہوتے،

آزاد نے بطور معذرت کے میان بیتاب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "سید انشا کے فضل وکمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علیخان کی مصاحبت نے ڈبویا"، مگر مین اس کو تسلیم نہین کرتا، وہ یہ کہتے کہ اون کی شاعری کو تمسخر نے ڈبویا تو یہ بات ماننے کے قابل ہوتی،

میر انشا کو نواب تک رسائی نہین ہوئی تھی، جب بھی تو یہی میر انشا تھے جو مرزا سلیمان شکوہ کے مکان کے پاس لب دریا ایک مہنت وحرم مورت بنکر جا بیٹھے، اور خوب زور شور سے اشلوک پڑھنے اور منتر جپنے شروع کر دئیے جو لوگ اشنان کے لیئے آتے وہ الغرض خواہ مخواہ مرد آدمی دیکھکر انہین کی طرف جھکتے، تھوڑی دیر مین اناج آٹا پیسے کوڑیون کے ڈھیر لگ گئے وہ بھی اس قدر اور سب سے زیادہ (دیکھو آبحیات صفحہ ۲۹۲)

اصل بات وہی ہے جس کو آزاد نے کتاب مین نہین حاشیے مین بیان کی ہے کہ "ان کے بزرگون کو سرکار سے شہدون کے تقسیم وظائف کی خدمت سپرد تھی، ان کے بھائی جب دلی مین آئے تو وہ بھی ایک پاؤ بھر کا کنٹھا گلے مین پہنے تھے، چنانچہ میر انشا اللہ خان نے آزادون کے انداز مین مستزاد کہہ کر دادِ زباندانی کی دی ہے"، سید انشا کی ذکاوت اور جودت ذہن مین کچھ شبہہ نہین، بچپن مین انسان کی طبیعت اخاذ ہوتی ہے، شہدون کی باتین بچپن سے اون کے کانون مین پڑی ہون گی، اون کے ہنسانے والی باتون نے غیر محسوس طریقہ پر اون کی طبیعت پر

قابو پالیا اور انھین باتون کا جلوہ ان کی زندگی کے تمام کارنامون مین نمایان ہو،
سعادت علیخان جیسے خشک مزاج کو اس مین مطلق دخل نہین،

میرا تو یہ خیال ہو کہ سید انشا جیسا ذہین و ذکی آدمی اگر اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہوتا
تو سعادت علیخان کے مزاج مین درخور ہو جانے پر وہ کوئی اور چیز بن جاتا، اور اوس کا
دیوان لطائف وظرائف سے مالامال ہونے کی جگہ ملک کے سامنے آج ایک نیا نمونہ پیش کرتا،

وہ قصیدے دیکھو جو بیاہ سوم کی تہنیت جشن مین کہا ہو، اس کو نواب سعادت علیخان
کی مصاحبت کا ثمرہ کہو تو بجا ہے، اسی کے ساتھ اس کا بھی انسوس کرنا چاہیئے کہ ایسا قادر الکلام
اگر اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہوتا تو ملک کے لیئے کس قدر مفید ثابت ہوتا،

نکیان پھولون کی تیار کرا کے بوئے سمن
کہ ہوا کھانے کو نکلین گے حوا ان چمن

عالم اطفال نباتات پہ ہوگا کچھ اور
گورے کالے سبھی بٹھین گے نئے کپڑے پہن

کوئی شبنم سے چھڑک بالون پر اپنے پوڈر
کرسیٔ ناز پہ جلوہ کے دکھاوے گا پھبن

شاخ نازک سے کوئی ہاتھ مین لیکر اک بیت
ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن

نسترن بھی نئی صورت کا دکھا ویگا رنگ
کوچ پر ناز کے جب پانون رکھے گا بن ٹھن

اپنے گیلاس شگوفہ بھی کرین گے حاضر
آگے سب غنچے کھولین گے بوتل کے ڈہن

اہل نظارہ کی آنکھون مین نظر آوین گے
باغ مین نرگس شہلا کے ہوائے چتون

اور ہی جلوے نگاہون کو لگین گے دینے
اودہی بانات کی کرتی سے شکوہ سوسن

پتے ہل ہل کے بجاوینگے فرنگی طنبور
لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن

کھینچ کر تار رگ ابر بہاری سے کئی
خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن

اپنی سنگینین چمکتی ہوئی دکھلا وینگے
آپڑے گی جو کہین نہر پہ سورج کی کرن

نے نوازی ہے لیئے کھول کر اپنی منقار — آکے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہو اوسکا فن

اردلی ہے جو کر ان ڈیل ہین ہونگے سب جمع — آن کر اپنا بگل پھونکے گا جب سکھدرشن

آئے کاندر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب — یاسمین پتون کی پہنیں ہین چلے گی بن ٹھن

نکہت آدیگی نکل کھول کلی کا کمرا — ساتھ ہووے گی نزاکت بھی جو اوسکی بہن

حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ہون گے — اوس مین ہو وینگے پریزادبھی سب عکس فگن

ایک جگہ گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین،

ہو اس آفت کا سبک سیر کہ راکب اوسکا — حاضری کھائے جو کلکتہ تو لندن مین ٹِپن

غزلون کے منتخب اشعار

لگاکے برف مین ساقی صراحیِ مے لا — جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

یہ عجب مزا ہی یارو کہ بروز عیدِ قربان — وہی ذبح بھی کرے ہی وہی لے ثواب اُلٹا

دل لگایا ہے کہین انشا نے شاید دوستو — اندنون آتا نظر ہے سخت گھبرایا ہوا

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہے مینے ساقی — بھول جاتا ہون ولے تیری مدارات کے وقت

نچھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی — تجھے اٹکھیلیان سوجھی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین

تصور عرش پر ہی اور سر ہی پائے ساقی پر — غرض کچھ اور دُھن مین اِس گھڑی میخوار بیٹھے ہین

بسانِ نقشِ پائے رہروان کوئے تمنا مین — نہین اُٹھنے کی طاقت کیا کرین لاچار بیٹھے ہین
بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہی کسے انشا — غنیمت ہی کہ ہم صحبت یہان دو چار بیٹھے ہین

ہے نہان لطف و کرم چین جبین کی تہ مین — ہان چھپی صاف ہی اِک دلگی نہین کی تہ مین

گر یار مے پلائے تو پھر کیون نہ پیجیئے — زاہد نہین مین شیخ نہین کچھ ولی نہین

جی کیا آ گیا انشا کے یہ بیٹھے بیٹھے — کہ پسند اُس نے کیا عالم تنہائی کو

چند مدت کو فراقِ صنم دیر تو ہے — چلو پھر کعبہ ہی ہو آئین ذرا سیر تو ہے

غصے مین تیرے ہم نے بڑا لطف اُٹھایا — اب تو عمداً اور ہی تقصیر کرین گے

رونے سے اپنے دل کی تپش گرد ہو گئی — دو چار بوند یون مین ہوا سرد ہو گئی

عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ مین ہی — کہان ملاپ مین وہ بات جو بگاڑ مین ہے

ہوئے ہین خاک سرِ راہ اوس کی ہم انشا — بڑا غضب ہی جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

مرزا سعادت یار خان رنگین

در نشست الفاظ و چسپیدگی کلمات و درستی عبارت و ایزاد الفاظ مقابلہ و صحت محاورہ چنان مد ہد کہ ہرچہ کملائے ہم عہدش از ایزاد بعض الفاظ رکیکہ ہندی و تنگی نشست آن بعد رفع کلمات ثقیلہ قدما جائز نبید استند و در شعر خود ہا درج کردند آن ہم از اشعار رنگین و برانداختہ بہرحال تاب

سعادت یار خان نام رنگین تخلص تھا، ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ خان توران سے آکر چند روز لاہور مین نواب حسین الملک میر منو خان کی سرکار مین ملازم رہے، اوس کے بعد دلی مین نواب ضابطہ خان اور نواب نجف خان وغیرہ امرائے دربار کے ساتھ نوبت بہ نوبت آسودگی سے زندگی بسر کی،

رنگین کی ولادت سرہند مین ہوئی مگر نشو و نما دلی مین پایا، سپاہی کے بیٹے تھے شہسواری اور تیراندازی مین خوب کمال پیدا کیا، گھوڑون کے پہچاننے اور اون کے معالجہ مین اپنے زمانہ مین بے نظیر تھے،

ان کی عمر کا بیشتر حصہ شاہزادون کی مصاحبت مین بسر ہوا کبھی کبھی تجارت کا مشغلہ بھی کر لیتے تھے، اسی تقریب سے لکھنؤ کئی بار آئے اور شاہزادہ سلیمان شکوہ[1] کی سرکار مین عزت

---

[1] مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم بادشاہ دہلی بڑے علم دوست اور ہر دلعزیز شاہزادے تھے، باپ کے سایۂ عاطفت مین پرورش پائی جس وقت شاہ عالم سلطنت کے ساتھ غلام قادر کی نمک حرامی سے نور بصارت بھی کھو بیٹھے اوس کے دوسرے برس کسی بہانہ سے قلعہ معلی سے نہایت بے سروسامانی کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے، رامپور میں نواب فیض اللہ خان نے اپنی حیثیت کے مواقف پیشکش نذر گزرانی جس سے کچھ سامان درست کیا اور ۱۲۰۵ھ لکھنؤ پہونچکر یہین کو سس نرخیمہ کیا، اس سے پہلے مرزا جوان بخت آچکے تھے اور نواب آصف الدولہ نے اون کی بڑی آؤبھگت کی تھی (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

واحترام سے عرصہ تک رہے، آخر عمر مین تجارت اور ملازمت سے سبکدوش ہوکر دلی مین گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی، اور وہین ۱۲۵۱ھ مین اسی برس کی عمر پاکر وفات پائی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مگر صحبت برابر ہونے سے اون کو بنارس جانے کی تکلیف دی گئی اسی بنا پر اس مرتبہ نواب نے حاضری سے معذرت کی اور نواب گورنر جنرل پر ٹالا، تین مہینے تک مرزا سلیمان شکوہ پانچہزار سوار و پیدل و شاگرد پیشہ کی جمعیت سے لکھنؤ سے تین کوس پر ڈیرے ڈالے ہوئے پڑے رہے تین مہینے کے بعد لارڈ کارنوالس کی تحریک سے نواب وزیر استقبال کو نکلے اور شہزادہ کو ہاتھی پر سوار کرکے خود خواصی مین چنور لیکر بیٹھے اور نہایت تجمل کے ساتھ شہر مین لاکر اوتارا، اور چھ ہزار روپیہ ماہوار اون کی جیب خرچ کے لیے مقرر کردیئے، کچھ دنوں شہزادے نے ریذیڈنسی کے قریب مرزا خلیل کے بنگلہ مین لب دریا قیام کیا اوس کے بعد جنرل مارٹن کی ٹیڑھی کوٹھی خرید کرکے اوس مین مستقل سکونت اختیار کی اور عرصہ دراز تک لکھنؤ مین عزت واحترام سے رہے نواب وزیر عہد بعہد اون سے مودبانہ سلوک کرتے رہتے تھے خود نواب آصف الدولہ باوجود تنعم و مالداری وہی پانچون ہتھیار لگائے ایک ایک الائچی اور گلوری کی نوازش پر آداب گاہ جاکر بار بار آداب بجا لاتے تھے، جب نواب غازی الدین حیدر نے لارڈ ماٹرا کے زمانے مین گورنمنٹ انگریزی کے اشارے سے خطاب بادشاہی قبول کیا تو اون کو خواہش ہوئی کہ مرزا سلیمان شکوہ مساویانہ حیثیت سے ملاقات کریں، جان سٹ ریذیڈنٹ لکھنؤ نے شاہزادہ سے کہلا بھیجا کہ اب تک نواب وزیر تھے وہ آداب وزارت حاضر ہوکر نذر دیا کرتے تھے اور خلعت پہنتے تھے اب بحکم گورنمنٹ انگریزی وہ بادشاہ ہوئے ہیں لہذا اون سے حضور مساویانہ حیثیت سے ملین، شاہزادے نے کہلا بھیجا کہ بہتر ہی مین ملاقات کرون گا تو اسی طرح سے کرون گا، پھر رزیڈنٹ نے کہلا بھیجا کہ کل بادشاہ اور فدوی ملنے کو آئین گے، ملاقات کے وقت اس کا لحاظ رکھا جائے، شاہزادہ کو ناگوار ہوا اگر مجبور ہو دوسرے روز صبح کو بادشاہ اور رزیڈنٹ مع اُمرا و ارکان دولت شاہزادہ کے خلوتخانہ مین تشریف لائے نواب ناظر نے چلمن اُٹھائی اور حسب دستور آواز دی اہل دربار خبردار ہوجاؤ حضور برآمد ہوتے ہیں، شاہ اودھ نے موافق اپنی عادت قدیم کے دوخم ہوکے سلام کیا اور ہر چوبدار نے آواز دی صاحب عالم و عالم پناہ سلامت، شاہزادے نے سلام کا جواب بطریقۂ اسلام دیا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

شعر و سخن کا شوق عنفوان شباب سے تھا، شاہ حاتم سے مشق سخن کی اور چند دنون کی
محنت و جانکاہی مین اپنے بہت سے ہمعصرون سے آگے نکل گئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نقطہ یہ کیا کہ دہنے ہاتھ مین شاہ اودھ کا ہاتھ بائین مین رزیڈنٹ کا ہاتھ لیکر دیوان خاص مین
ایک دنگل پر ایسے پاس شاہ اودھ کو بٹھالیا، رزیڈنٹ سامنے کرسی پر بیٹھے، فرمایا کہ سرکار کمپنی کی خوشی ہوگئی، مختار
محل قریب المرگ ہیں اوس کو سکرات میں چھوڑ آیا ہون اس وقت فرصت نہین ہے پھر ملاقات ہوگی یہ کہکر اُٹھ کھڑے
ہوئے کشتیاں آئین شاہ اودھ نے ایک شالی رومال اُٹھاکر اپنے کاندھے پر ڈال لیا، اور اسی طرح مکان خاص تک
آکر رخصت کیا، دل میں بہت کبیدہ ہوئے، اوس دن سے پھر نصیرالدین حیدر کی شادی تک ملاقات نہین ہوئی، بادشاہ کو
یہ دھن تھی کہ میں بادشاہ ہوا ہوں تو میرے بیٹے کی شادی تیموریہ خاندان میں ہونی چاہیئے، جوڑ توڑ لگاکر اور روپے دلاکر
شاہزادہ کے مصاحبوں کو ہموار کرکے نصیرالدین حیدر کی شادی مرزا سلیمان شکوہ کی بیٹی سے کرلی، چھ ہزار پہلے سے تھے
ایک ہزار روپیہ ماہوار شادی کے وقت اور پانچہزار مساویانہ ملاقات کے وقت جملہ بارہ ہزار ماہانہ پیشکش مقرر ہوگیا جب
نصیرالدین حیدر بادشاہ ہوئے اور اونھوں نے ہاتھ پاؤن نکالے تو ایک لڑکی پر ڈورے ڈالے جس کو تھراوی بیگم نے پرورش
کیا تھا اور اوس کا نام قمر چہرہ تھا، پہلے تو گفت و شنید رہی اوس کے بعد کٹنی کو بھیج محل سے اُڑوا لیا، شاہزادہ کو سخت
ناگوار ہوا، رزیڈنٹ تک بات پہونچی اوس نے بادشاہ کو سمجھا بجھاکر قمر چہرہ کو واپس کرادیا، مگر شاہزادے ایسے دل برداشتہ
ہوئے کہ کرنل کارن رئیس کاسگنج کو بلوا بھیجا اوس کی پوتی شاہزادے کے بیٹے سے منسوب تھی، اُسی کے ساتھ کاسگنج چلے گئے
پانچہزار روپیہ جو غازی الدین حیدر نے وقتِ ملاقات مساویانہ مقرر کیئے تھے وہ بند ہوکر سات ہزار میں سے ایک ہزار خزانہ
شاہی سے اور چھ ہزار بتوسط رزیڈنٹ شاہزادہ کو ملتے رہے، وہاں یہ گل کھلا کہ کرنل صاحب کے بیٹے قمر چہرہ کو لے اُڑے
اور الور جاکر عیش کرنے لگے، اِس سے شاہزادے وہاں سے بھی دل برداشتہ ہوگئے، اور اکبر آباد جاکر بود و باش اختیار کی
آخر کار ماہ ذی قعدہ ۱۲۵۴ھ میں مرکر سکندرہ مقبرہ اکبر شاہ تیموری میں مدفون ہوئے،

شاہزادہ کو شعر و سخن کا بہت ذوق تھا، جب تک دلی مین رہے شاہ حاتم کو کلام دکھاتے تھے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

شوخی اور بذلہ سنجی کے ساتھ رنگین کی طبیعت ایجاد پسند واقع ہوئی تھی، اسی بناپر ریختہ سے ریختی نکالی جس کو اون کے لنگوٹیے یار میر انشا اللہ خان نے چمکایا اور لکھنؤ مین یہ رنگ خوب مقبول ہوا،

رنگین ہمہ گیر طبیعت رکھتے تھے ہر رنگ مین اونھون نے اپنے جوہر دکھائے ہین جو اون کے مجموعہ تصنیفات کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہی،

رنگین کے مجموعہ تصانیف کا نام نورتن ہی جس مین چار دیوان اُردو کے ہین ریختہ، بیختہ آمیختہ، انگیختہ ان مین سے تیسرا دیوان ہزلیات کا ہی جس مین ایک قصیدہ شیطان کی مدح مین بھی ہے چوتھا دیوان ریختی کا ہی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لکھنؤ مین ولی اللہ محبت شاگرد مرزا رفیع سودا پھر شیخ غلام ہمدانی مصحفی پھر انشا اللہ خان کو سرفراز فرمایا،

رہ گئے ہوش و حواس و خرد و طاقت سب — یوں ترے کوچہ سے مین بے سروساماں نکلا

تیرے بیمار کی سنتے ہیں یہ حالت ہی کہ اب — ہوگیا اوس کی خبر کو سو وہ گریاں نکلا

جاں وہی راہ محبت میں الٰہی صد شکر — بات جو ہم نے کہی تھی سو نباہی صد شکر

غیر کا نام جو تم پیار سے لیتے ہو تو بس — ایک برچھی ہے کہ پہلو میں چبھو دیتے ہو

جبہ سائی کا نشاں جائے حسین سے کیونکر — کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہین

تاج و تخت اپنے سلیمان کو یا شاہ نجف — آپ چاہین تو ابھی پل مین دلا سکتے ہین

علاوہ ازین ان کی پانچ کتابین اور بھی ہین ایجاد رنگین، فرس نامہ، رنگین نامہ،
مجالس رنگین، مثنوی دلپذیر، جو زبان کی صفائی و پاکیزگی مین سحرالبیان کے بعد اوس زمانہ کی
بہترین تصنیفات مین شمار ہونے کے قابل ہے،

وہ آیا تھا یہان اے حضرت دل بھول کر شب کو — جو تم اوس وقت پہلو سے نہ چلاتے تو کیا ہوتا
وہان اپنی ہی اپنی پڑگئی اے ہمدمو جا کر — کوئی مطلب کی میری بات فرماتے تو کیا ہوتا
نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو ناحق تم — اوسے بھی ایک دن تم جاکے سمجھاتے تو کیا ہوتا

کھینچ لائی ہے اوسے اے کشش دل یہان تک — بارے صد شکر کہ تجکو بھی یہ مقدور ہوا

جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا — تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

آج جو آنا ہے نہین آتا تو وے مجکو جو اب — بھیج کر پیغام جھوٹے روز مت حیران کر
دل بغل سے لے گئی رنگین وہ دزدیدہ نگاہ — ورنہ دل دیتا ہے کون اپنا کسی کو جان کر

دل تھا جو بساط اپنی سو گزران چکے ہین — جی نذر کرین جی مین یہ اب ٹھان چکے ہین

نرگس کو وہ چمن مین کیا بھر نگاہ دیکھے — وہ انکھڑیان نشیلی جس کو خوش آئیان ہون

نبھے گی صحبت اوس سے کس طرح کچھ کہہ نہین سکتے — وہ ہرجائی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہین سکتے

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکان رہتا ہو ۔۔۔ مجکو تنہائی مین پہرون خفقان رہتا ہے
جو ترے پاس سے آتا ہے مین پوچھون ہون یہی ۔۔۔ کیون جی کچھ ذکر ہمارا بھی وہان رہتا ہے

جو کوچے مین اوس نازنین کے نہ ٹھہرے ۔۔۔ تو پھر یہ کہو ہم کہین کیے نہ ٹھہرے

وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگین ۔۔۔ اس مین کیا تیری شان جاتی ہو

دمبدم بسکہ ترا حسن فزون ہے ظالم ۔۔۔ روز جی مین ہو کہ کھینچوائیے تصویر نئی

حکیم ثناء اللہ خان فراق

جوان حلیم و سلیم و خوش فکر و شیرین گفتار استفادہ شعر از خواجہ میر دردؒ بلکہ ذات شریف را ہمیشہ از کاملین قیاس میکرد آخر آخر پیش چشم فقیر تحصیل علم طب کردہ نام بطبابت بر آورد ولیا [illegible] آتش شست [illegible] میر [illegible] با ہمہ آشنا و بود رابطۂ دوستی او روز بروز ترقی داشت تذکرۂ مصحفی،

ثناء اللہ خان نام فراق تخلص حکیم ہدایت اللہ خان کے بھتیجے تھے دہلی مین پیدا ہوئے اور وہین حضرت خواجہ میر دردؒ اور اون کے شاگردون کے دامن تربیت مین پرورش پائی،

حکیم قدرت اللہ خان قاسمؔ (متوفی ؁۱۲۴۶ھ) سے طب کی درسی کتابین پڑھکر

١؎ حکیم قدرت اللہ خان [illegible] [illegible] [illegible] شمار کیے جاتے تھے القیہ [illegible] صفحہ آئندہ پر)

اونھین کے مطب مین نسخہ نویسی کی اور اِس فن مین ایسی استعداد بہم پہونچائی کہ چند روز کے بعد اون کا شمار دلی کے مشہور اور نامور طبیبون مین ہونے لگا اور دلی جیسے شہر مین یہ مرجع اور مقصد بن گئے،

شعر و سخن سے اون کو خداداد مناسبت ہو حضرت خواجہ میر دردؒ کی فیض صحبت سے اوسمین ترقی ہوئی اور چند روز کی مشق مین اونھون نے قدرت کاملہ بہم پہونچائی،

خبر دیتا تھا کس کے وصل سے شوقِ ہم آغوشی | کہ میرا رات کو کچھ خود بخود بازو پھڑکتا تھا

جون ریگ روان خانہ نشین ہون مین ازل سے | نہ قصد وطن کا نہ ارادہ ہے سفر کا

دل تھامتا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ | ساغر کو دیکھتا کہ مین شیشہ سنبھالتا

صاف دل کو کیا اور داغِ جگر کو دھویا | کام کیا کیا نہ مرے دیدۂ تر سے نکلا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ سے بیعت تھی، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا شعرائے اردو کا ایک بسیط تذکرہ لکھا ہو جو میری نظر سے نہین گزرا دیوان بھی دیکھنے مین نہین آیا گلشن بیخار مین جو شعر نواب مصطفیٰ خاں نے نقل کیے ہین اون مین سے،

ہمیں بھی رخصتِ سیرِ چمن ہو ٹک صیاد | کہ اس کی شور ہے ظالم بہار آنے کا

وہ آئے بغل مین کہیں یا جی ہی نکل جائے | مٹ جائے کسو طرح تو یارب خلش دل

جاں جاوے یا رہے قاسم یہ دیکھیں گے اوسے | ہے ارادہ یہ مصمم دیکھئے کیسی بنے

بعد مرنے کے بھی اک گردش رہی ہم کو مدام
مشت خاک اپنی رہی تھی کچھ سو پیمانہ بنا

اُنگلیان گھس گئین یان ہاتھون کو ملتے ملتے
لیکن افسوس نوشتہ نہ مٹا قسمت کا

حسرت ذرا بھی دل کی نہ نکلی ہزار حیف
نکلا اودھر وہ گھر سے ادھر جی نکل گیا

سمجھے تھے دام زلف سیہ ہو بلائے جان
پر کیا کرین کہ لے گئی تقدیر کھینچ کر

خوش آتی ہین پانؤن کی تری ٹھوکرین ظالم
سر کو کبھو قدمون سے اُٹھانے کے نہین ہم

کس زلف کا شیدا ہی مرا دل نہین معلوم
کس چشم کا زخمی ہے یہ بسمل نہین معلوم

ہر غنچہ مین بو ہے تری ہر گل مین ترا رنگ
جس پر بھی تری شکل و شمائل نہین معلوم

سمجھائے کسی کے بھی سمجھتے نہین دوانے
کیون پانؤن مین پڑتی ہین سلاسل نہین معلوم

مجنون کے سوا دیکھئے اب دشت جنون مین
ہو کون فراق اپنے مقابل نہین معلوم

آنا یہ ہچکیون کا مجھے بے سبب نہین
بھولے سے اوس نے یاد کیا ہو عجب نہین

آنکھ اوس شوخ ستم گر سے لڑا بیٹھے ہین
بس چلے یا نہ چلے جی تو چلا بیٹھے ہین

تم گالیان جو دو تو مین چٹکی بھی کیا نہ لون
پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلے

دورِ سوم

از طبقۂ متوسطین

شاہ نصیر الدین نصیر

پیرزادہ میر صدر جہان است جوان خوشگو فقیر در ایامی کہ در شاہجہان آباد بود اکثر در مشاعرہ می آمد در ہمان عالم بو مشقی در طبعش روانی بود حالا میگویند کہ قوت شاعری بسیار پیدا کردہ (تذکرہ مصحفی)

از مدت شصت سال بر سر عشق ریختہ است باکثر معمورہ ہائے مشہور مثل لکھنؤ و حیدرآباد دکن رفتہ و با شعرائے مشتہر ہر دیار برخوردہ و مطارحہ و مشاعرہ کردہ و ماستادی نام بر آوردہ (گلشن بیخار)

شاہ نصیر الدین دلی کے رہنے والے تھے، اِن کے والد شاہ غریب نے تعلیم و تربیت مین پوری کوشش کی مگر اون کی قسمت مین شاعری کے سوا اور کچھ نہ تھا، طبیعت کا رجحان اِدھر پا کر شاہ محمدی مائل[1] کے شاگرد ہو گئے،

---

[1] شاہ محمدی مائل بھی دلی کے رہنے والے تھے، فقر و تصوف کی طرف مزاج مائل تھا، آزاد کہتے ہیں کہ مشقِ سخن شیخ قیام الدین قائم سے کی تھی، مگر میر حسن فرماتے ہیں کہ شاہ قدرت اللہ کو کلام دکھلاتے ہین، گلشنِ بیخار میں بھی ان کو قدرت کا شاگرد لکھا ہے یہ دلی کی تباہی کے وقت مرشد آباد چلے گئے تھے اور وہین سکونت اختیار کر لی تھی، کیا عجب ہے کہ ابتدا مین شیخ قیام الدین قائم سے اصلاح لی ہو اور جب مرشد آباد میں رہنے لگے تو شاہ قدرت اللہ کے شاگرد ہو گئے ہون، کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے،

حال کہنے کی نہ دی گریہ نے رخصت رات کو   آج پھر کہیو اسے مائل وہ کیا افسانہ تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

چند روز کی مشق مین اچھا کہنے لگے شاہ عالم بادشاہ کا زمانہ تھا وہ خود شاعر تھے اِس وجہ سے بآسانی دربار تک رسائی ہو گئی شعرائے دربار کے ساتھ یہ بھی طبع آزمائی کرتے رہے،

دربار شاہی سے اِن کے بزرگون کے نام چند گانون آل تمغا معاف تھے، خاندانی عظمت کے ساتھ اہل کمال کو عیدون اور جشنون مین انعام بھی ملتا رہتا تھا، اِس سے گزر ہوتی تھی، مگر ان کی بلند پروازی کی آنکھین لکھنؤ اور حیدر آباد کو ڈھونڈھتی تھین، جہان سونے اور چاندی کی گنگا جمنا بہ رہی تھین،

دوبار لکھنؤ آئے پہلی مرتبہ مصحفی اور انشا کا زمانہ تھا، مشاعرون مین غزلین پڑھین اور دادِ سخن پائی، دوسری بار آئے تو زمانہ پلٹا ہوا پایا، شیخ امام بخش ناسخ نے عہد قدیم کو نسخ کر دیا تھا، اور خواجہ حیدر علی آتش کے کمال نے دلون کو گرما رکھا تھا، اِس لئے اون کی جیسی قدر ہونی چاہیئے تھی اِس مرتبہ نہ ہوئی،

حیدر آباد مین راجہ چندو لال دیوان تھے[1] جن کی سخاوت و فیاضی کا گھر گھر چرچا تھا یہ وہان

(بقیہ حاشیہ) کیا کیا کہون مین تجھ سے دل زار کی ہوس مشہور ہے جہان مین بیمار کی ہوس

کہتا نہ تھا کہ یار آسرو م کی اِس ہنسی سے آخر گیا یہ ظالم اِک بے گناہ جی سے

[1] راجہ چندو لال کا راجہ راجایان و مہاراجہ بہادر خطاب تھا، قوم کا کھتری تھا، اِس کا پردادا امول چند نواب آصف جاہ اول کے ساتھ حیدر آباد گیا تھا، آصف جاہ نے اوس کو کروڑگیری کے محکمہ کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا اوس کے بعد اوس کا بیٹا چھمی رام پھر اوس کا بیٹا نانک رام اسی خدمت پر سرفراز ہوا،

مانک رام چندو لال کا چچا تھا اوس نے چندو لال کو باپ کے مرنے کے بعد پرورش کیا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

پہونچے تو ان کے جواہرات نے خاطر خواہ قیمت پائی مگر دلی کا چٹخارہ ایسا نہ تھا کہ اِنسان بھول جائے اسلیئے انعام و اکرام سے مالامال ہو کر واپس آئے اور تین بار پھر گئے ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور عمدہ تعلیم دلائی، جب مانک رام مرا تو اوس کا بیٹا نکھپت رائے مقرر ہوا وہ دو ہی برس کے اندر مرگیا، اوس کی جگہ چندولال کو ملی یہ تعلیم یافتہ ذہین و فہیم نہایت محنتی و جفاکش سرکاری کام مین چست و چالاک تھا اور ہر ایک کام کو بذات خود انجام دیتا تھا ،

اس نے اپنی ہوشیاری سے دربار آصفجاہی میں رسائی پیدا کی کہ ۱۲۱۲ھ مین کڑپہ وغیرہ ممالک مفتوحہ کا انتظام ار خطاب راجہ بہادر اس کو عنایت ہوا اور ۱۲۱۹ھ میں پیشکاری کے عہدہ جلیلہ پر ترقی کی ،

اوس زمانے مین نواب منیر الملک وزیر تھے اون کی قابلیت کی وجہ سے سارا انتظام ملکی و مالی اِس کے ہاتھ مین آگیا، ۱۲۳۵ھ مین مہاراجہ بہادر کا خطاب ہفت ہزاری منصب نوبت گھڑیال جواہر گران بہا اور جاگیر سے سرافرازی پائی ۱۲۴۵ھ مین راجہ راجایان کا خطاب ملا اور باوجودیکہ عہدہ وہی رہا مگر وزارت اور دیوانی کے اختیارات اِس کے قبضۂ اقتدار میں آگئے ، نواب منیر الملک صرف خطاب و جاگیر کی مالک تھی ،

لکھنؤ میں آغا میر کو جو اِس وقت اقتدار حاصل تھا وہ اِس کو حیدرآباد مین ہوا اور لطف یہ کہ دونون ہمعصر اور سخاوت و فیاضی میں ایک دوسرے کی نظیر تھے، فرق اتنا تھا کہ آغا میر کی گرم بازاری جوڑ توڑ اور سازش کی بدولت تھی اور یہ اپنی قابلیت کے زور سے کام نکالتا تھا، یہی وجہ ہے کہ آغا میر کا ستارۂ اقبال گیارہ برس چمک کر ماند پڑ گیا اور اِس نے پچاس برس تک والاجاہی کی،

اِس کی سخاوت و فیاضی کے کارنامے اتنے زبان زد ہین کہ اون کے لکھنے کی حاجت نہین ہمارے بچپن تک کوئی حیدرآباد سے آتا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ فلان شخص چندولال کے حیدرآباد سے آیا ہے اگر جاتا تو کہتے کہ چندولال کے حیدرآباد جاتا ہے گویا حیدرآباد کی نسبت چندولال کی طرف ہو گئی تھی، اِس سے اوس کی نیکنامی اور شہرت کا اندازہ کرنا چاہیئے،

اوس کا معمول تھا کہ صبح سے بارہ بجے رات تک مہمات سلطنت مین مشغول رہتا تھا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

چوتھی بار جانے کو تھے کہ راجہ چندو لال نے سات ہزار روپیہ بھیجکر بُلا بھیجا وہان پہونچے تو پچیس روپیہ یومیہ ان کا مقرر ہو گیا، مگر افسوس ہی کہ اس مرتبہ ان کو دلی آنا نصیب نہین ہوا وہین ۱۲۵۴ھ مین وفات پائی،

شاہ صاحب نے خود اپنا دیوان مرتب نہین کیا، اون کے مرنے کے بعد میر حسین تسکین کے بیٹے میر عبدالرحمٰن نے بڑی محنت سے ایک مجموعہ ان کے کلام کا جمع کیا جس کو نواب رامپور نے خرید لیا مگر حیدرآباد مین اون کی غزلون کا مکمل دیوان اون کے کسی شاگرد کے پاس تھا وہ چھپ گیا ہی، اوس مین صرف غزلین ہین قصائد، قطعات، رباعیان اور مخمس وغیرہ کچھ بھی نہین ہین کلام مین شکوہ الفاظ کے ساتھ نئی نئی تشبیہین و استعارے پائے جاتے ہین، زمینین بھی نئی نئی نکالی ہین جس مین شعر کا سرسبز کرنا ہر کسی کا کام نہین، زبان سید انشا اور جرأت کی ہے، کچھ الفاظ ان کے ہان متروک ہین مگر اتنے نہین ہین کہ ناسخ و آتش کے ساتھ ان کو جگہ دیجائے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اوس کے بعد شعرا و علما حاضر ہوتے اون سے مشاعرہ و مذاکرہ رہتا اس مین ڈھائی بج جاتے اوس کے بعد خوابگاہ مین جاکر استراحت کرتا تھا،

کم و بیش پچاس برس تک پیشکاری کی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۲۳۶ھ مین مستعفی ہوا اور ۱۲۶۱ھ مین جاسی برس پر پہونچکر زندگی سے استعفا دیا، فارسی اور اردو دونون زبانون مین طبع آزمائی کرتا تھا اور شاداں تخلص تھا،

نور تھا یا شعلہ تھا یا برق یا خورشید تھا — کچھ تو اے موسیٰ کہو کیا تھا وہ جلوہ طور کا

شاداں وہاں بھی کیا ہی حسینوں کی انجمن — جاتے ہیں لوگ کیوں عدم آباد کی طرف

صدائے وہی ہی کیا تاثیر وقت صبح صادق کو — اثر رکھتی ہے اکثر دعائے صبح صادق ہو

افسوس کہ نرگس کی طرح باغ جہان مین　　کچھ ہم نے بجز حسرت دیدار نہ پایا

کمان و تیر نمط مجکو ربط تھا اوس سے　　جب اوس نے آپ کو کھینچا مین گوشہ گیر ہوا

آہ کچھ ہم کو نہ تھی فرصت یکدم کی خبر　　اے حباب لب جو تو نے یہ عقدہ کھولا

نصیر اوس شوخ کی یہ کج ادائی کو ئی جاتی ہی　　مثل مشہور ہی رسی جلی لیکن نہ بل نکلا

چشم وہ کیا ہے کہ جس مین ایک آنسو بھی نہین　　آبرو تب ہی صدف کی جبکہ ہو گوہر سمیت

کس کی نگہ نے جلوۂ برق اب دکھا دیا　　آنکھین جو اپنی ہو گئین بے اختیار بند

خیال زلف بتان مین نصیر پیٹا کر　　گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

جہان سے گو بت مغرور اٹھ گیا انصاف　　خدا کے روبرو ہوگا مرا ترا انصاف

عاشق سوا ہی کس کو ہوائے شکست رنگ　　دل کی شکستگی ہے بنائے شکست رنگ

بلبل ہزار حیف نہ ہو ہمکنار گل　　اور مفت مین نسیم تو لوٹے بہار گل

بُرقع کو اُلٹ منھ سے جو کرتا ہے تو باتین
اب مین ہمہ تن گوش بنون یا ہمہ تن چشم

برباد رفتگانِ محبت کی خاک ہے
اے قیس دشت مین یہ بگولا نہین اُٹھا

حباب وار غنیمت ہے فرصت اِک دم کی
ہوا پہ زندگیِ مستعار رکھتا ہون

سرِ مژگان سے وقتِ نالہ آنسو کو ترستے ہین
یہ سچ ہی جو گرجتے ہین وہ بادل کم برستے ہین

وجہ معلوم تو ہو چین بجبین ہونے کی
سچ کہو جی مین ہے کیا کس سے لڑا چاہتے ہو

وا شد نہین ہی غنچۂ دیدار کی طرح
کیا جانے کیا ہوا دلِ آفت رسیدہ کو

دل یہ کہتا ہے کہ مت یاد بتان دلواؤ
چھیڑنے کا مرے تب آپ مزا دیکھین گے

دیکھ لیتی جو اُٹھا کر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلی اتنا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

وحشت سے مجھے ہاتھ اُٹھانے نہین دیتے
پڑتے ہین مرے پاؤن سلاسل کئی دن سے

قطعہ

یہ مجنون ہے نہین آہوئے لیلیٰ
پہن کر پوستین نکلا ہے گھر سے

لگے ہین پانوٗن مین نکلے ہین سر سے جسے تو سینگ سمجھے ہے یہ ہین خار

میر نظام الدین ممنون

جوان سعادتمند ... بعد تحصیل کتب فارسی ... موزونی طبع خود را مصروف گفتن شعر ہندی و فارسی میداشت تا آنکه در عرصهٔ قلیل قوت شاعری را چنانچه باید پیدا کرد کلام خود را به تنهٔ کلام پدر رسانیده اکثرے از مردمان شہر استفادهٔ شعر از وی کنند ، از تذکرہ مصحفی ،

گفتارش چیلے دلچسپ و دلنشین است و ملاحت کلامش نہایت عذب شیرین در بستن مضامین یگانه یگانه است و فکر صحیح صائب از علطش استادانه قوت نظم اکثر اصناف سخن دارد ، از گلشن بیخار

میر نظام الدین نام ممنون تخلص میر قمر الدین منت[1] کے بیٹے تھے ، سونی پت وطن تھا مگر مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ سے قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے اون کے والد دلی آرہے تھے

---

[1] میر قمر الدین منت سونی پت کے رہنے والے امام ناصر الدین مشہدی کی اولاد میں تھے ، شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے دلی مین ان کا نشوونما ہوا علوم و فنون کی تمام درسی کتابیں شاہ صاحب موصوف سے پڑھین اور مدت تک اون کی صحبت مین رہے ،

فارسی زبان کی تحقیق اور مشق سخن میر شمس الدین فقیر سے کی اور اردو کی تصحیح قیام الدین قائم سے ، دونون زبانون میں شعر کہتے تھے ، جبتک دلی میں رہے سنی مذہب کے پابند رہے طریقۂ چشتیہ میں مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ سے بیعت تھی ، لکھنؤ تشریف لائے تو مذہب شیعہ اختیار کر لیا ، مدت تک لکھنؤ مین رہے اور نواب وزیر سے قصائد کے صلے خاطر خواہ حاصل کیے

لکھنؤ سے کلکتہ تشریف لے گئے عماد الدولہ لارڈ ہسٹنگز کی تعریف میں قصیدے لکھکر پیش کیے اور ملک الشعرا کا خطاب ملا سنہ [illegible] ھ میں گورنر جنرل نے آصف جاہ ثانی کی خدمت میں ایک خاص سفارت پر اون کو حیدر آباد روانہ کیا (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

وہین ممنون پیدا ہوئے اور نشو و نما پایا،

درسی کتابین والد ہی سے پڑہین اور مشق سخن بھی اِنھین سے کی، چند روز کی فکر و کاوش مین دلی جیسے شہر مین ان کی شاعری کا سکہ رائج ہوگیا، اکبر شاہ نے فخر الشعرا کا خطاب عنایت کیا اور کثرت سے لوگ اون کے سلسلۂ تلمذ مین داخل ہوگئے، لوگ کہتے ہین کہ مفتی صدر الدین خان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہاں پہونچکر نواب مذکور کی مدح میں قصیدہ پیش کیا جس کے صلہ مین دس ہزار روپیہ نقد اور دوسو ماہوار کا منصب پایا،

حیدر آباد سے فائز المرام ہوکر پھر لکھنؤ تشریف لائے اور مہاراجہ ٹکیت رائے کی مصاحبت میں چند دنوں رہکر کلکتہ تشریف لے گئے، وہاں پہونچتے ہی [illegible]ھ میں سفر آخرت اختیار کیا، ضخیم دیوان اور متعدد مثنویاں یادگار چھوڑیں، نثر میں بھی ایک کتاب گلستان سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کے جواب مین لکھی ہی، اوس کا نام نگارستان ہی اِن کا شمار پُرگو شاعروں میں تھا، چنانچہ خود فرماتے ہیں،

دریں عمر دہ مثنوی گفتہ ام	بآئین طرز نوی گفتہ ام
چو اشعار من در عدد می رسد	شمار قصائد بصد میرسد
دو ستو مس درغزل سی ہزار	زیادہ صد رباعی گرفتم شمار

اُردو اشعار کا نمونہ

علاجِ دل کو آئے تھے مسیحا سخت عوے سے ۔۔۔ یہاں کیا ہوگیا وہ معجزہ حضرت سلامت کا

اِس آنے کا کچھ ہے لطف پیارے ۔۔۔ ہر دم جو کہو کہ جائیں گے ہم

قدم رکھ گیا کوں سینئہ پہ اپنے ۔۔۔ گلِ داغ میں آج مہندی کی بو ہی

آزردہ نے بھی اِن سے اصلاح لی ہی،

بہرحال ان کی شاعری نے خوب ترقی کی اوسی زمانہ مین لکھنؤ تشریف لائے تھے اور سرکار اودھ کی طرف سے خاطرخواہ قدردانی ہوئی، مگر بڑی قدردانی گورنمنٹ انگریزی نے کی جو ان کو اجمیر مین صدرالصدور کر دیا،

ایک مدت تک اِس جلیل القدر عہدے کے فرائض انجام دیتے رہے جب کہ سنی نے مجبور کیا تو دلی جاکر خانہ نشین ہو گئے، اور ۱۲۶۱ھ مین ایک ضخیم دیوان چھوڑ کر دنیا سے چل بسے،

زبان ان کی صاف اور شیرین ہی اوس مین جابجا محاورون کی چاشنی دیتے ہین تو کلام اور بھی مزیدار ہو جاتا ہی، پھر ترکیب و بندش کی چستی سے پامال و فرسودہ مضامین بھی اِس انداز سے ادا کرتے ہین کہ اوس مین ایک قسم کی لطافت و نزاکت پیدا ہو جاتی ہی،

الٰہی وہ جو وعدے ہین وفا کِس طرح ہو وین گے　　نہ دان خو یا د آنے کی نہ یان شیوہ تقاضا کا

اے آہ بے ادب نہ اُسے پھونکیو کہ ہے　　دل جلوہ گاہ پردہ نشینانِ راز کا

دعا مین زیرلب آہستہ آہستہ اوسے فون ہون　　جو یاد آتا ہی لب تک آکے رُک جانا وہ کالی کا

ممنون قضا نے ہم کو دیا کیا بغیر دل　　سو وہ بھی نذر کاہش و تشویش ہو گیا

کل ترے بیمار نے عشق سے ذرا کھولی تھی آنکھ　　تو نہ تھا سو دیکھ بالین کو وہ بیدل رہ گیا

اے یاد آہ جنبش اتنی بھی تھی نہ لازم
اِک ایک پارۂ دل آخر اوڑا کے چھوڑا

دل مین کیا کیا ہوسِ عرض تمنا تھی ولے
تیری چتون کا وہ ڈھب مانع تقریر رہا

اوس کی آنکھون سے ستارونکی نکو ریزی پوچھ
صبح تک جس کا کھلا دیدۂ بیخواب رہا

کس بے ادب کو عرضِ ہوس ہر نگہ مین تھی
آنکھ اوس نے بزم مین نہ اُٹھائی تمام شب

آمد سے تیری ہم پہ جو ہونی تھی سو ہوئی
اب دغدغۂ حشر نہ پروائے قیامت

کشتیٔ طاقت شکستہ اور بحرِ غم کا جوش
مژدہ نومیدی نہین اب اپنی ساحل تک پہونچ

یہ نجانا تھا کہ اوس محفل مین دل رہجائے گا
ہم یہ سمجھے تھے چلے آئین گے دم بھر دیکھکر

مدت سے آب ہو کے بہا چشمِ تر کی راہ
ممنون کیا بیان کرون مین ماجراے دل

تپشِ دل نے نچھوڑا کہ کبھی ہم اِک بار
لائین تسکین کے لیئے لب پہ ترا نام تمام

اِس ذوق سے کہتے ہین حدیثِ لب شیرین
گویا ترے ہونٹون ہی سے لیتے ہین مزا ہم

شبِ وعدہ چشم ہو راہ پر جو ذرا بھی کھٹکے کسی کا ڈر — تو صدائے پا تری جانکر کہوں اتنا تک تھے کہاں کدھر

ممنون مباد آئے کوئی ہجر نا گہاں — ناکامیوں سے وصل ہی میں آرزو کریں

اوس مرگ پہ سو جان مری صدقے کہ دمِ نزع — گھبرا کے کہے تو کہ بس اب دیکھیے کیا ہو

کون آئے ہو کہ سینہ میں بیدار ہو گئیں — صد آرزوئے خفتہ صدائے قدم کے ساتھ

دل گرمیاں وہ ہم سے کہاں اب کہ آج کل — ہنگامۂ محبتِ اغیار گرم ہے

رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت — صلح کیجیے بس لڑائی ہو چکی

تفاوت قامت یار و قیامت میں ہو کیا ممنون — وہی فتنہ ہو لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہو

نگاہِ ناز و نیاز التماس راز میں تھی — وہاں سے عذر ستم یہاں سے سوگلی نکلے

بھری آتی ہو چھاتی یاد میں یارانِ رفتہ کے — یہ دل اور اس قدر صدمے بھلا کس کس کا غم کیجیے

شیخ محمد ابراہیم ذوق

از مدتی سال مشق سخن می پرداز و در سرکار مرشد زادہ آفاق مرزا ولیعہد بہا علم امتیاز می

افرازد قوت مشقی کہ اوراست کمترے را دیدہ شدہ ولہذا رطب و یابس کہ شیوہ بسیار گویان است

در کلامش کمتر و در جمیع اصناف سخن قدرت تمام دارد اہ گلشن بیخار،

صاحب قوت فکر خداداد است از جمیع اصناف سخن قدرتی کہ او راست در ریختہ سرا یاں

نتوان یافت گفتارش دریاکی زبان وبلندی معنی وشوخی اشارت وکرسی نشینی ترکیب ودست

قافیہ وشست ردیف طرازیکتائی دارد اہ طور کلیم،

محمد ابراہیم ذوق تخلص دلی کے رہنے والے اور شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی کے بیٹے تھے، ۱۲۰۴ھ مین پیدا ہوئے، حافظ غلام رسول کے مکتب مین ابتدائی تعلیم پائی، وہ شاعر بھی تھے، شوق تخلص تھا اونھین کی صحبت مین اون کو بھی شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا، کچھ کچھ کہنے لگے جب سن تمیز کو پہونچے تو شاہ نصیر سے اصلاح لینے لگے اور بحکم ضرورت فارسی اور عربی کی کچھ درسی کتابین بھی موقع پاکر کسی سے پڑھ لین،

طبیعت مناسب تھی چندروز مین مشق سخن بڑھ گئی، مشاعرون مین غزلین پڑھنے لگے، رفتہ رفتہ مرزا ابو ظفر کے دربار مین رسائی ہو گئی جو اوس زمانہ مین ولیعہد تھے، چند دنون کے بعد وہ اپنا کلام اصلاح کے لیے اون کو دینے لگے،

اوسی زمانہ مین انھون نے اکبر شاہ ثانی کی مدح مین ایک پر زور قصیدہ لکھا جس کے صلہ مین ان کو خاقانیِ ہند کا خطاب عنایت ہوا، ان کا سن اوس وقت انیس سال کا تھا، جب مرزا ابو ظفر بادشاہ ہوئے تو سو روپیہ ماہوار ان کی تنخواہ کر دی، اور اخیر مین ایک گانون بھی

جاگیر مین دیا مگر اوس سے زیادہ متمتع نہین ہو سکے، ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ مین غدر سے دو برس پہلے وفات پائی،

غدر مین اِن کا سارا کلام تلف ہو گیا، حافظ غلام رسول ویران نے جو اِن کے شاگرد رشید تھے کچھ اپنی یاد سے اور کچھ احباب کی مدد سے ایک مختصر دیوان مرتب کر کے شائع کیا جس مین اکثر غزلین تمام اکثر ناتمام بہت سے متفرق اشعار اور چند قصیدے ہین،

بہت دنون کے بعد مولوی محمد حسین آزاد نے کوشش کی اور ایک دوسرا مجموعہ مرتب کیا جس سے کچھ ناتمام غزلین پوری ہو گئین کچھ قصیدون اور غزلون کا اضافہ ہو گیا مگر حقیقت یہ ہی کہ ایسے فنا فی الشعر آدمی کی یہ ساری کمائی نہین ہو سکتی، اگر کلام ضائع نہ جاتا تو تین چار ضخیم جلدین بھی اوس کی متحمل نہ ہو سکتین، کلام کے باب مین جو رائے آزاد نے دی ہی اوس پر کچھ اضافہ نہین ہو سکتا، اونھون نے ٹھیک کہا ہی کہ عام جوہر ان کے کلام کا تازگی مضمون صفائی کلام چستی ترکیب، خوبی محاورہ اور عام فہمی ہی، مگر رنگ مختلف وقتون مین مختلف رہا، ابتدا مین مرزا رفیع کا انداز تھا، جب نواب الٰہی بخش خان معروف کی[1]

[1] نواب الٰہی بخش خاں معروف تخلص نواب فخر الدولہ احمد بخش خان رئیس لوہارو کے چھوٹے بھائی مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب کے خسر نہایت با مذاق زندہ دل اور درویش مزاج امیر تھے، بزرگان دین کی صحبت مین ترک و تجرید کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی مگر شعر و سخن کا شوق عنفوان شباب سے مرتے دم تک قائم رہا، مشق سخن شاہ نصیر سے کی تھی، آزاد نے آبحیات مین جس طرح سے حضور مرحوم کی کاوش فکر پر پانی پھیرا ہی اوس کے بھی تاریخ فکر کو اپنے اُستاد ذوق کے دامن کمال سے وابستہ کر دیا ہی، باوجودیکہ اس کہنہ مشق شاعر کی عمر اوس وقت چھیاسٹھ برس کی تھی، اور ذوق بمشکل اٹھارہ برس کے رہے ہونگے مگر جوش عقیدت مین اس کا خیال نہین رہا،

مصحفی نے تذکرۂ شعرا ۱۲۰۹ھ مین تالیف کیا ہی، اوس مین ذوق کا ذکر نہین ہی اور نہ ہو سکتا ہی (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

صحبت میں پہونچے جو خواجہ میر درد کے انداز کو پسند کرتے تھے، اون کی غزلین خواجہ صاحب کے انداز مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کیونکہ ذوق کی عمر اوس وقت زیادہ سے زیادہ سال بھر کی رہی ہوگی، مگر نواب الٰہی بخش خان معروف کا تذکرہ ہی، لکھتے ہین کہ "شاگردی میان نصیر بازش وارد و فا شعر زیر رو یہ ابیات کہ تلاش است میکند زیک دو مشاعرہ صاحب عالم تبرک غزل طرحی بر بود بعد دو ماہ بشہر عود کرد" یہ اوس زمانہ کا قصہ ہی کہ نواب الٰہی بخش خان معروف سیر و تفریح کے لئے لکھنؤ آئے اور دو مہینہ رہکر دہلی واپس گئے ہیں، اب اس کے بعد آزاد کے ان فقروں کو پڑھو، "جو دیوان معروف اب رائج ہی وہ تمام و کمال انھیں کا دیکھا (ذوق کا) اصلاح کیا ہوا ہے، نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے سبب سے خود کاوش کرکے مضمون کو لفظون مین نہین بٹھا سکتے تھے مگر اوس کے حقائق و دقائق کو ایسا پہونچتے تھے کہ حق ہی"

نواب کے اشعار کا ایک سلسلہ ہی جس مین ردیف وار ۱ مطلع ہی اور کوئی شعر سبزی کے مضمون سے خالی نہین اوس کا نام تسبیح زمرد ہی، آزاد کہتے ہین کہ یہ تسبیح بھی استاد مرحوم نے پرودی تھی،

نواب نے ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی، اشعار ملاحظہ ہوں،

معروف اتنو دیکھتے ہو تم ہمیں غریب | ٹک منھ لگائے یار تو پھر ہم کو دیکھیے

روٹھے کو تو چلے رو ٹھ کے ہم واں سے پر | ڈر تے تھے کہ اب کوئی منا کر لیجائے

کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اوس کو دیا ہی دل | کیوں ناصحا عبث ہمیں سمجھائے جائے ہی

گریۂ و آہ و فغاں سے ایک دم فرصت نہیں | ہم سمجھتے تھے محبت کام بیکاروں کا ہے

درد سر میں ہو کسے صندل لگانے کا دماغ | اوس کا گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے

بنانے لگے، مرزا ابوظفر نوجوان تھے، وہ جرأت کے انداز کو پسند کرتے تھے، اون کی غزلین جرأت کے انداز مین بناتے تھے، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ خود ان کی غزل اخیر کو ایک گلدستۂ گلہائے رنگا رنگ کا ہوتی تھی، دو تین شعر بلند خیالی کے ایک دو تصوف کے دو تین معاملے کے (دیکھو آبحیات)

مئے عشرت طلب کرتے تھے ناحق آسمان سے ہم — کہ آخر جب اوسے دیکھا فقط خالی سبو نکلا

کہین تجکو نپایا گرچہ ہم نے اِک جہان ڈھونڈھا — پھر آخر دل ہی مین دیکھا بغل ہی مین سے تو نکلا

گھسے سب ناخنِ تدبیر اور ٹوٹے سر سوزن — مگر تھا دل مین جو کانٹا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

سب کو دیکھا اوس سے دارو سکو نہ دیکھا جون نگاہ — وہ رہا آنکھون مین اور آنکھون سے پنہان ہی رہا

مجھ مین اوس مین ربط ہے گویا برنگِ بوئے گل — وہ رہا آغوش مین لیکن گریزان ہی رہا

موت اوس کو یاد کرتی ہے خدا جانے کہ گور — یون ترا بیمارِ غم جو ہچکیان لینے لگا

عشق نے ڈالی تھی جب قصرِ محبت کی بنا — لکھدیا تھا کوہکن بھی نام اِک مزدور کا

ہم ہین اور سایہ ترے کوچہ کی دیوارون کا — کام جنت مین ہے کیا ہم سے گنہگارون کا

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یون گلو میرا — کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا

جل کے مین خاک ہوا تو بھی رہا دل مضطر　　یہ وہ سیماب ہے کشتہ نہوا پر نہوا
ذوقؔ بیمار محبت ہے خدا خیر کرے　　کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جانبر نہوا

مین ہجر مین مرنے کے قرین ہو ہی چکا تھا　　تم وقت پہ آپہونچے نہین ہو ہی چکا تھا

اِس سے تو اور آج وہ بیدرد ہو گیا　　اب آہ آتشین سے بھی دل سرد ہو گیا
سینہ مین بوالہوس کا بھی تھا آبلہ مگر　　نشتر کا نام سنتے ہی منھ زرد ہو گیا

لگائی زلف کو شانہ نے جب انگلی پکارا دل　　یہ گستاخی بھلا رہ تو سہی اے بے ادب آیا
ترے ڈر سے نہ آیا پاس کوئی نیمجا نون کے　　مگر رونا کبھی چوری سے بعد از نیمشب آیا

سُن کے مجنون نے مرے شور جنون کو یون کہا　　واقعی مجھ سے بھی یہ شوریدہ سر اچھا ہوا

یون لائے وان سے ہم دلِ صدپارہ ڈھونڈکر　　دیکھا جہان پڑا کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا

ریشِ سفید شیخ مین ہے ظلمتِ فریب　　اِس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمان صبح

ٹھہری ہے اوس کے آنے کی یان کل پہ جا صلاح　　اے جان لب آمدہ اب تیری کیا صلاح

ساقی لڑائیون سے تری چاہتا ہی دل　　　باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دون

نازک کلامیان مری توڑین عدو کا دل　　　مین وہ بلا ہون شیشہ سے پتھر کو توڑ دون

چھوڑا تار وحشت نے ہماری جیب و دامان مین　　　مگر تار نفس سینہ مین سمجھو یا گریبان مین

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہین　　　وہ دیکھین بزم مین پہلے کدھر کو دیکھتے ہین

جو مانگون موت دردِ ہجر سے مجکو نہین اپنا　　　کہ نامِ عشق ہون اور اس قدر راحت طلب ہونمین

سینہ و دل پہ مرے زخم و جگر ہنستے ہین　　　ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہین

مر گئے پھر بھی تغافل ہی رہا آنے مین　　　بے وفا پوچھے ہی کیا دیر ہی لیجانے مین

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب مین　　　کیا جانے لکھدیا اوسے کیا اضطراب مین

بے یار روز عید شبِ غم سے کم نہین　　　جامِ شراب دیدۂ پُر نم سے کم نہین
دیتا ہے دور چرخ کسے فرصتِ نشاط　　　ہو جن کے پاس جام وہ اب جم سے کم نہین

اس پہ مرتے ہین کہ کیون غیر کو تو نے مارا | وہ نصیب اوس ہوئی تھی جو تمنا ہم کو

ہم تبرک ہین بس اب کرے زیارت مجنون | سر پہ پھرتا ہے لئے آبلۂ پا ہم کو

عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو | وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

دیکھا دم نزع دل آرام کو | عید ہوئی ذوق دلے شام کو

نکالون کس طرح سینہ سے اپنے تیر جانان کو | نہ پیکان دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکان کو

لبیک و اذان ناقوس و جرس یا خندۂ قلقل نالۂ ث
دل کھینچے ہین ہان کوئی ہو پر ایک نوائے دلکش ہو

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ | ایمان کی کہین گے ایمان ہے تو سب کچھ

رخصت لے زندان جنون زنجیر در کھڑکائے ہے | مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
سر وقت ذبح اپنا اوس کے زیر پائے ہے | یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
بل بے استغنا کہ وہ یان آتے آتے رہ گئے | اُف رے بیتابی کہ یان تو دم ہی نکلا جائے ہے

ترے کوچہ کو وہ بیمارِ غم دار الشفا سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونون کو بلا سمجھے
اسے تیرِ قضا اوس کو پرِ تیرِ قضا سمجھے

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے
اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اوس بت سے خدا سمجھے

ہر اک گردش مین سو انداز ناز فتنہ زا سمجھے
فلک کو ہم کسی کافر کی چشم سرمہ سا سمجھے

نہ دی رخصت نظر کو میری جانب کیون تغافل سے
اسے بھی آپ کیا میرا ہی بختِ نا رسا سمجھے

حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخمون کا
حسابِ دوستان در دل اگر وہ دلربا سمجھے

کیا غرض لاکھ خدائی مین ہون دولت والے
اون کا بندہ ہون جو بندے ہین محبت والے

رہے جون شیشۂ و ساغر وہ مکدر دونون
کبھی مل بھی گئے وہ دل جو کدورت والے

نہین جز شمع مجاور مری بالین مزار
نہین جز کثرتِ پروانہ زیارت والے

کبھی افسوس ہے آتا کبھی رونا آتا
دلِ بیمار کے وہی ہین عیادت والے

ہی تیرے کان زلف معنبر لگی ہوئی
رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی

بیٹھے بھرے ہوئے ہین خم مے کی طرح ہم
پر کیا کرین کہ مہر ہے منہ پر لگی ہوئی

کرتی ہو زیر برقعِ فانوس تاک جھانک
پروانہ سے ہے شمع مقرر لگی ہوئی

اے ذوق دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہین ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

مزے جو موت کے عاشق بیان کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

غرض تھی کیا ترے تیرون کو آب پیکان سے
مگر زیارت دل کیون کہ بے وضو کرتے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے　　　تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
سُراغ عمر گزشتہ کا کیجئے گر ذوق　　　تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں بکتا　　　تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہربان کے لئے
وبالِ دوش ہی اِس ناتوان کو سر لیکن　　　لگا رکھا ہے ترے خنجر و سنان کے لیئے

قسمتِ برگشتہ دیکھو اِک نگہ کی تھی ادھر　　　سو بھی آکر تا سر مژگان حیا سے پھر گئی

زخمی ہیں ہوا ہوں تری دز دیدہ نظر سے　　　جانے کا نہیں چور مرے زخمِ جگر سے

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی　　　چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

فلک کیا فتنہ سازی ہیں ہوبہو چشم فتان سے　　　گرا تھا یہ بھی اشکِ سرمہ آلود اوسکی مژگان سے

دل صاف ہو تو چاہیئے معنی پرست ہو　　　آئینہ خاک صاف ہی صورت پرست ہے

دروازہ میکدہ کا نہ کر بند محتسب　　　ظالم خدا سے ڈر کہ درِ توبہ باز ہے

ساقیا عید ہے لا ساغر و مینا بھر کے　　　بادہ آشام پیاسے ہیں مہینا بھر کے

نہین مژگان پر خون خارغم بھی نشین نکلے جنون ہے نیشتر کیسے کہین ڈوبے کہین نکلے

باز آیا دیکھنے سے نہ آتش رخون کے دل سو بار آبلے اوسے آنکھین دکھا چکے

کوئی کمر کو تری ہو اگر کمر تو کہے کہ آدمی جو کہے بات سوچ کر تو کہے

مری طاعت سے اتبو معصیت بھی عار کرتی ہے مری توبہ پہ توبہ، توبۂ استغفار کرتی ہے

اگر اُٹھے تو آزردہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے لگایا جی کو اپنے روگ جب سے جی لگا بیٹھے

جو کہوگے تم کہین گے ہم بھی ہان یون ہی سہی آپ کی گر یون خوشی ہے مہربان یون ہی سہی

بہادر شاہ ظفر

بہ اکثر صفات موصوف و بمحامد مکارم معروف در اکثر خطوط دستگاہے شائستہ دارد باین فن

بسیار مالوف است شیخ ابراہیم ذوق از ماہ متعلق زلہ ربا و وظیفہ خوار است، از گلشن بیخار۔

در خطاطی دستے بلند داشت و در سخن پایہ ارجمند گفتارش اگرچہ سادہ پرکار است اما ہمارا ہش

خاطرنشکار است محاورہ گوئی از ان اوست و معاملہ نویسی زیر فرمان او از بزم سخن،

ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ، اکبر ثانی کے بیٹے تھے، اور شاہ عالم بادشاہ کے پوتے

تھے، ہندوستان کی سلطنت واد اکے وقت مین جا چکی تھی، ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے

برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے اور اون کی حکومت دلی مین قلعۂ معلٰی کی چار دیواری کے اندر سمٹ کر رہ گئی تھی،

لیکن اقلیم سخن کی فرمان روائی دادا سے ترکہ مین ملی تھی، اور اُردوئے معلٰی اون کے زیرنگین تھا، افسوس ہو کہ اوس کو بھی مولوی محمد حسین آزاد نے ظفر سے چھین کر استاد ذوق کو بخشدی،

اگر آن ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا بخالِ ہندوش بخشم سمرقند وبخارا را

آبحیات مین اُستاد ذوق کے حالات پڑھو، ظفر کے ہاتھ کیا رہتا ہے، کوئی شعر پورا کوئی ڈیڑھ مصرع کوئی ایک کوئی آدھا مصرع فقط بحر اور ردیف قافیہ باقی بخیر، استاد ذوق ان ہڈیون پر گوشت پوست چڑھا کر حسن وعشق کی پتلیان بنا دیتے تھے، پہلا دیوان نصف سے زیادہ باقی تین دیوان سرتاپا حضرت مرحوم (اُستاد ذوق) کے ہین،

لطف یہ ہو کہ چارون دیوان اِس بدنصیب بادشاہ کے چھپ چکے ہین اور حضرتِ ذوق کا بھی تھوڑا بہت جو کچھ کلام مِل سکا ہو وہ ایک دیوان کی شکل مین شائع ہو چکا ہو، اِن دونون کو پڑھو اور ہر ایک کے انداز سخن پر غور کرو پھر اپنی فطرت سلیم سے فتویٰ لو، دونون کی حیثیتین جداگانہ نظر آئین گی، ذوق پھر بھی ذوق ہین ظفر کے اُستاد، ان کے کلام کی رنگینی ترکیب کی چستی مضمون کی بندش، جوش وخروش اِن کی باتین اِن کے ساتھ ہین، ظفر کے ہان جو سامان نظر آئے گا وہ اس سے ملتا جلتا ہوگا اور ہونا بھی چاہیئے، کیونکہ اُستاد کا رنگ شاگرد مین آنا ضرور ہی، مگر پھر بھی وہ دوسری طرح کا ہوگا، محاورون کی فراوانی یہان زیادہ ملیگی، مگر جوش وخروش کی جگہ دل وجگر کے ٹکڑے حروف والفاظ بنکر آنسون کی سیاہی اور آہ جگردوز کے قلم سے لکھے ہوئے تم کو ملین گے، اب انھین ظفر کا سمجھو یا ذوق کا،

۱۲۷۱ھ میں جب شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوگیا تو مرزا نوشہ غالب کے متعلق یہ خدمت ہوگئی تھی، مولانا حالی نے یادگار غالب میں جہان اِس کا ذکر کیا ہی وہان اونھون نے بھی بجائے ذوق کے غالب کے متعلق ناظر حسین مرزا کی زبانی آزاد کے اِسی مضمون کو دہرایا ہے مگر مقدمۂ دیوان حالی مین ایک موقع پر ذوق و ظفر کے کلام مین قریب قریب اوسی طرح کا فرق بیان کیا ہی جو مینے لکھا ہی، وہ کہتے ہین کہ "ذوق کی غزلون مین عموماً زبان کا چٹخارہ اپنے معاصرین کے کلام سے زیادہ ہی، مگر وہ جہان مضمون آفرینی کرتے ہین صفائی سے بہت دور جا پڑتے ہین، ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرّہ کی خوبی مین اول سے آخر تک یکسان ہی، لیکن اوس مین تازگیِ خیالات بہت کم پائی جاتی ہی"

اِس بحث کے بعد مین اِس نتیجہ تک پہونچا ہون کہ ظفر کی کمزوری صحیح اور اون کے اساتذہ کی کاوش فکر مسلّم، مگر اس کے یہ معنی نہین ہین کہ اون کی ساری عمر کی محنت پر پانی پھیر کر اُستاد ذوق کو اون کے دیوانون کا مالک بنا دیا جائے،

اِس بدنصیب بادشاہ کی ساری زندگی روتی جھینکتی گزری، دلون کے ارمان دل ہی مین رہے سلطنت کا خواب جو دیکھا تھا اوس کی تعبیر یون ظاہر ہوئی کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد قلعہ معلّی سے بھی نکال کر رنگون پھینک دیئے گئے،

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہین لیکن   بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچہ سے ہم نکلے

جوان جوان بیٹے اور پوتے اون کی آنکھون کے سامنے کھڑے کر کر کے گولی مار دیئے گئے طوق وسلاسل اور خدا جانے کیا کیا جو کچھ بھی اِس منحوس شاعری کی بدولت اون کو ہوس ہوتی ہوگی وہ سب نکل گئی، اور جتنے دنون کی زندگی تھی رنگون کے بلاخانہ مین بےکسی و بےبسی کے ساتھ پوری کر کے ۱۲۷۹ھ مین پیوند خاک ہوگئے، اب کوئی یہ بھی نہین جانتا کہ اون کو گور و کفن

ملا بھی یا نہین، تسلیم

نہ شامیانہ نہ شمعِ تربت نہ موجِ سبزہ نہ چادرِ گل | بلا نصیبون مین پھنس کے کیا کیا خراب مٹی ہی بیکسی کی

ظفر مرحوم کا کلام ملاحظہ ہو،

ہم اپنے کنجِ غم مین نالہ و فریاد کرتے ہین | ہمین کیا گر چمن مین چہچہا ہے عندلیبون کا

سر تلک دستِ ستم جون ہی ترا قاتل بڑھا | خونِ جسمِ ناتوان تِل تِل گھٹا تِل تِل بڑھا

تم لاکھ کرو حضرتِ دل نالہُ و فریاد | چاہو کہ ہو کچھ اوس کو اثر ہو نہین سکتا

کیا کان بھر دیئے ہین خدا جانے غیر نے | غصہ مین جو بھرے ہو وہ کافر بھرا بھرا

ظالم ترے چپ رہنے کا عقدہ نہین کھلتا | کیا جانے کہ ہے دل مین ترے کیا نہین کھلتا

دنیا مین بلا سے اگر آرام نپایا | ہم نے یہی پایا کہ برُا نام نپایا

ضبط فریاد کرون گریہ کو روکون لیکن | دلِ بیتاب کو تھامون یہ نہین ہو سکتا

وہ کھا گئے سو بار مرے آگے قسم جھوٹ | اور پھر ہے یہ دعویٰ کہ نہین بولتے ہم جھوٹ

ہون جو ٹیڑھے ترچھے دکھلاؤ انکو اپنا بانکپن
ہم ہین سیدھے سادے ہم سے بات کر سیدھی طرح

صد آرزوئے وصال وحیات نیم نفس
نفس شماری واندوہ بے شمار دریغ

یون تو مدت سے ہوا لطف و عنایت مین فرق
لیکن ایسا نہ ہو آجائے ملاقات مین فرق

رہا تھا کیا وہ مجھ سے چھین کر لیتے تو کیا لیتے
دل و دین لیچکے تھے اب اگر لیتے تو کیا لیتے

برسون گزرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد
ابتو اِس کوچے مین لے بادِ سحر خاک نہین

دل دے کے اون کو ایسی اذیت ہوئی ہمین
اب دل کبھی نہ دینگے نصیحت ہوئی ہمین

ہو گیا اور زیادہ وہ کشیدہ ہم سے
دوستو کیا کششِ دل کا اثر پوچھتے ہو

نہین معلوم ظفر اوس سے ہوئین کیا باتین
چپکے بیٹھے ہوئے تم آج خفا سے کچھ ہو

خدا کے واسطے زاہد اُٹھا پردہ نہ کعبہ کا
کہین ایسا نہ ہو یان بھی وہی کافر صنم نکلے

اوسے کیا کام تھا وہ بے خبر کیون پوچھتا پھرتا
دل گم گشتہ کی اپنے خبر لیتے تو ہم لیتے

خدا بچائے ظفر دوستی سے اِس دل کی ۔۔۔ جو ہو یہ دوست تو حاجت نہین عدو کی مجھے

نہ پہنچا کوئی اپنے پاس پہونچا جب کہ وقت اپنا ۔۔۔ اجل کو آفرین ہو وقت پر پہونچی تو یہ پہونچی

وقت پر جو کام آئے دوست اوس کو جانیئے ۔۔۔ ورنہ رہتا اے ظفر یان کام کس کا بند ہے

جنون مین کیا مرے پیوند پیرہن مین لگے ۔۔۔ کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن مین لگے

اوسی کو دوست سمجھتے ہین وہ جو کچھ نہ کہے ۔۔۔ کرے جو اون سے سوال و جواب دشمن ہے

یہ کیا ستم ہے ہم کہین رو رو کے اپنا حال ۔۔۔ منہ اپنا پھیر پھیر کے وہ بے وفا ہنسے

مین جو کہتا ہون بے وفا ہے رقیب ۔۔۔ وہ مجھے کہتے ہین کہ تو کیا ہے

حکیم محمد مومن خان مومن

بزعم فقیر بقوت شاعری ایشان کم کسے برخاستہ و در ہر جنس آنچنان مکاتی وا لی وارد کہ کسے را در یک صنف ہم میسر نیامدہ اگر خطے از فہم خداداد داری بیا و بدیوانش نظر کن و بتصدیق و تکذیب من زبان انصاف بکشا ،گلشن بیخار،

محمد مومن خان نام مومن تخلص، حکیم غلام نبی خان کے بیٹے تھے ۱۲۱۵ھ مین پیدا ہوئے

جب ذرا ہوش سنبھالا تو مولانا شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ سے عربی کی کتابین پڑہین، جب استعداد درست ہوگئی تو والد اور چچا حکیم غلام حیدر خان اور حکیم غلام حسن خان سے طب کی کتابین پڑہین اور اونھین کی زیر نگرانی نسخہ نویسی کی،

اوسی زمانہ مین نجوم کا شوق پیدا ہوا اوس کو بھی اہل کمال سے حاصل کیا اور مہارت بہم پہونچائی، شعر و سخن سے طبعی مناسبت تھی، عاشق مزاجی نے اسے اور بھی چمکا دیا، ابتدا مین شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھایا پھر ذہن خداداد کے اطمینان پر اصلاح لینی چھوڑ دی اور بطور خود مشق سخن کی،

رنگین طبیع رنگین مزاج خوش وضع خوش لباس اور عاشق مزاج آدمی تھے، غزل دردناک آواز اور دلپذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، با این ہمہ دینداری کے خیال سے بھی خالی نہ تھے، جوانی مین حضرت سید احمد شہید سعیدؒ کے مرید ہوئے اور آخر عمر تک عقائد مین انھین کے پیرو و متبع رہے، کلیات مین ایک مثنوی جہادیہ ہے، جو اوس وقت لکھی تھی جب سید صاحب سکھون سے جہاد کر رہے تھے، علاوہ اِس کے دو قطعہ تاریخ اون کی امامت کے ہین جنمین سے ایک کے دو چار شعر یہ ہین،

گلاب ناب سے دھوتا ہون مغزِ اندیشہ	کہ فکر مدحت سبطِ قسیم کوثر ہے
وہ کون امام جہان و جہانیان احمدؒ	کہ محض مقتدی سنتِ پیمبر ہے
زمین کو مہر فلک سے نہ کیون ہو دعوی نور	کہ اوس کا رایتِ اقبال سایہ گستر ہے
زبسکہ کام نہین ہے اوسے سوائے جہاد	جو کوئی اوس سے مقابل ہو سو وہ کافر ہے
وہ بادشاہ ملائک سپاہ کوکب دین	کہ نور شمس و قمر جس کے گرد لشکر ہے
وہ برق خرمنِ اربابِ شرک و اہلِ ضلال	کہ شعلہ خوشۂ حاصل تو دانہ اخگر ہے

وہ شاہِ مملکت ایمان کہ جس کا سالِ خروج ‌ ‌ ‌ امام برحق مہدی نشان علی فرہے
۱۲۴۴

تاریخ مین ہمیشہ تعمیہ و تخرجہ معیوب سمجھا جاتا ہی، مگر اون کے ذہن و ذکاوتِ طبع کی تعریف نہین ہوسکتی کہ اون کی طبع رسانے اوسکو محسنات مین داخل کر دیا ہے،

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی وفات کی تاریخ کہتے ہین،

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے ‌ ‌ ‌ فقر و دین فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل
۱۲۳۹ھ

اپنے والد کی تاریخ وفات مین کہتے ہین،

بمن الہام گشت سالِ وفات ‌ ‌ ‌ کہ غلام نبی بحق پیوست
۱۲۴۱ھ

صغیر سن بیٹی کی تاریخ وفات،

خاک بر فرقِ دولتِ دنیا ‌ ‌ ‌ من فشاندم خزانہ بر سرِ خاک
۱۲۶۲ھ

بیٹی کی تاریخ ولادت

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے ‌ ‌ ‌ کہی تاریخ دخترِ مومن
۱۲۵۹ھ

کلیات مین قصائد بھی ہین جو اپنے درجہ مین عالی رتبہ رکھتے ہین، لیکن اونھون نے صلہ کی اُمید پر اربابِ دنیا کی مدح مین کبھی قصیدہ نہین کہا، راجہ اجیت سنگھ رئیس پٹیالہ مین جو قصیدہ ہی اوس کا ایک خاص سبب ہی، ایک دن راجہ اپنے مصاحبون کو لیئے ہوئے دلی مین سرِ راہ اپنے کوٹھے پر بیٹھے تھے، خان صاحب کا اودھر سے گزر ہوا، لوگون نے کہا مومن خان شاعر یہی ہین، راجہ نے آدمی بھیجکر بلوایا عزت و تعظیم سے بٹھایا اور حکم دیا ہتھنی کسّلے و ہتھنی آئی تو خان صاحب کو عنایت کی، یہ قصیدہ اوسی کا شکریہ ہی،

نواب وزیرالدولہ بہادر فرمانروائے ٹونک کی تعریف مین بھی ایک قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے،

یادِ ایامِ عشرتِ فانی نہ وہ ہم ہین نہ وہ تن آسانی

مگر یہ قصیدہ بھی صلہ کی اُمید پر نہین لکھا، بات یہ تھی کہ نواب ممدوح کو حضرت سید احمدؒ شہید قدس سرہٗ سے بیعت تھی، بیعت ہی نہین تھی عشق تھا، اِس لحاظ سے مومن خان اون کے روحانی بھائی تھے، وہ چاہتے تھے کہ مومن خان ٹونک آئین اور نواب کے ساتھ رہین، مگر خان صاحب سے دلی کی گلیان کب چھٹ سکتی تھین، علاوہ اِس کے ایسے رنگین مزاج کا نواب جیسے مقدس اور متشرع کے ساتھ گزر کیسے ہو سکتا تھا، ع

مین ہون ہنسوڑ اور تو ہی مقطع میرا تیرا میل نہین

کچھ سمجھ بوجھ کر معذرت کا قصیدہ لکھکر بھیجدیا

اِن دونون قصیدون کے سوا ایک قصیدہ حمد و مناجات مین ہی، ایک نعت مین ایک ایک خلفائے راشدینؓ اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی منقبت مین،

کلیات مین آٹھ نو مثنویان ہین جن مین سے ایک دو ناتمام ہین اور اون کا انداز وہی ہے جو غزلون کا ہی، مگر افسوس ہی کہ اخلاقی حیثیت سے یہ بہت گری ہوئی ہین،

دیوان مین مخمس، مسدس، ترجیع بند، مرثیہ وغیرہ سبھی کچھ ہی، اور خان صاحب کا انداز ہر جگہ قایم ہی، اِس کلیات کو پہلے اون کے شاگرد رشید نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے جمع کیا تھا پھر میر عبد الرحمٰن خلف میر حسین تسکین (خان صاحب کے فرزند نسبتی) نے از سر نو مرتب کیا جو کئی بار چھپ چکا ہے،

علاوہ اِس کے اِن کا دیوان فارسی بھی چھپ گیا ہی، وہ بھی اپنے رنگ مین لاجواب ہی اور جو دلفریبیان مومن خان کے اُردو کلام کے ساتھ مخصوص ہین وہ اس مین بھی بدرجہ اتم موجود ہین[1]

---

[1] ایک انشائے فارسی ہی، دیوان فارسی اور انشا حکیم احسن اللہ خان مرحوم نے مرتب کی اور مطبع سلطانی مین ۱۸۵۱ع سے قبل چھپی،

آزاد نے آبِ حیات مین مومن کے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی ہو اوس کو سُن لو پھر جو بات رہ جائے گی اوس کو مین بیان کرونگا،

"انکے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہین، استعارہ اور تشبیہ کے زور سے اور بھی اعلیٰ درجہ پر پہونچایا ہو، ان مین معاملات عاشقانہ عجیب مزے سے ادا کیے ہین، اسی واسطے جو شعر صاف ہوتا ہو اوس کا انداز جراءت سے ملتا ہو، وہ اکثر اشعار مین ایک شئے کو کسی صفت خاص کے لحاظ سے ذاتِ شئے کی طرف نسبت کرتے ہین اور اس ہیر پھیر سے شعر مین عجیب لطیف لطیف بلکہ معانی پنہان پیدا کرتے ہین، اکثر عمدہ ترکیبین اور نادر تراشیدہ فارسی کی اور استعارے و اضافتین اردو مین استعمال کرکے کلام کو نمکین کرتے ہین،،

بات یہ ہو کہ جو جذبات وخیالات غزل مین بیان کیئے جاسکتے ہین وہ سب قدما کے حصے مین آگئے، اور جتنے لطیف اور پاکیزہ اسلوب بیان کے ہو سکتے ہین وہ سب ختم ہوگئے، ممکن تھا کہ متاخرین اوس دائرہ سے نکلکر ہر قسم کے خیالات پر اپنی شاعری کی بنیاد قایم کردیتے تو اونکو زیادہ وسیع اور فراخ میدان مل جاتا مگر اونھون نے ایسا نہین کیا، اوسی محدود دائرے مین اپنے اپنے مبلغ فکر کے موافق لطافتین اور نزاکتین پیدا کین،

مومن خان کے ہمعصرون مین مرزا غالب نے اس مین نمایان حصہ لیا ہو، مگر جیسا کہ خود مولانا حالی نے یادگار غالب مین ایک موقع پر تسلیم کیا ہو کہ مومن خان مرحوم اس خصوصیت مین مرزا سے بھی سبقت لے گئے، حقیقت یہ ہو کہ مومن خان نے جس قدر اسالیب بیان مین نزاکت و لطافت پیدا کردی ہو وہ اون کی ذہانت اور جولانی طبیعت کا تماشاگاہ ہے، قصیدون مین، غزلون مین، مثنویون مین ہر جگہ انکا انداز بیان ...یت سے خالی نہین مگر افسوس ہے کہ اون کو مولانا حالی جیسا نقاد نہین ملا جو اون کی کاوش فکر کے نتائج کو ملک مین نمایان کرتا،

اون کے طرز ادا مین ایک بات اور بھی ہی جس کو مولانا شبلی نے شعرالعجم مین خصوصیات غالب مین بیان کیا ہی، کچھ شک نہین کہ مرزا غالب بھی اون کے ساتھ شریک ہین، مگر مومن کے یہان یہ بات بہت نمایان ہی کہ اکثر موقعون پر مضمون کے بعض اجزا چھوڑ جاتے ہین جس سے ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہی یہ وہ موقعے ہوتے ہین جہان سننے والے کا ذہن خود بخود اوس جزو کی طرف منتقل ہو سکتا ہی، یہ شاعری کا ایک نازک پہلو ہی جس مین کبھی بے اعتدالی بھی پیدا ہو جاتی ہی، جس کی وجہ سے شعر سخت پیچیدہ ہو جاتا ہی اور اوس کے سمجھنے مین کاوش فکر کی ضرورت پڑتی ہے،

افسوس ہی کہ اس جامع کمالات ہستی نے بہار زندگی کے صرف باون سال مزے لے کر ۱۲۶۸ھ مین وفات پائی اور میدھیورہ مین دلی دروازے کے باہر حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے مقبرہ کے پاس سپرد خاک کیئے گئے،

غزلون کے منتخب اشعار ملاحظہ ہون،

غضب سے تیرے ڈرتا ہون رضا کی تیرے خواہش ہے ‎ ‎ نہ مین بیزار دوزخ سے نہ مین مشتاق جنت کا

نہ جاؤن گا کبھی جنت مین مین نہ جاؤن گا ‎ ‎ اگر نہوئے گا نقشا تمھارے گھر کا سا

کچھ سن کے جو مین چپ ہون تو تم کہتے ہو بولو ‎ ‎ سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ مین کچھ نہین کہتا

اللہ ری ناتوانی جب شدت تعلق مین ‎ ‎ بالین سے سر اوٹھایا دیوار تک نہ پہونچا

اوس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا ذلیل　　مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر مین جینا مشکل　　تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آسان ہوگا
درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری　　چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

دل لگانے کے تو اوٹھائے مزے　　جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

نمانون گا نصیحت پر نہ سنتا مین تو کیا کرتا　　کہ ہر ہر بات پر ناصح تمھارا نام لیتا تھا

کیا تم نے قتل جہان اِک نظر مین　　کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

وہ کرتے ہین بیا اب عاشق کشی یون　　نہین کوئی دنیا مین گویا کسی کا

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا　　مین الزام اوس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیون ہوئے　　یون بھی تو ہجر مین مجھے رنج و عذاب تھا

بیخود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا　　جینا وصال مین بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

دشنام یار طبعِ حزین پر گران نہین | اے ہمنفس نزاکتِ آواز دیکھنا
بدکام کا مآل برا ہے جزا کے دن | حالِ سپہرِ تفرقہ انداز دیکھنا

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہون کو مرے | تر ہوا دامن تو بارے پاکدامن ہو گیا

ہجرِ بتان مین تجکو ہے مومن تلاشِ زہر | غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

مٹی نہ دی مزار تلک آ کے اِس پہ بھی | کہتے ہین لوگ خاک مین اوس نے ملا دیا

چشمِ غضب سے مشورۂ قتل کھُل گیا | جو بات دل مین تھی سو نظر سے عیان ہوئی اب

اِس ضعف مین تو آتا ہے سینہ سے لب تلک | کہتے ہین اپنے نالہ کو ہم نارسا عبث

مرجیے کہین کہ تو غمِ ہجران سے چھوٹ جائے | کہتے تو ہین بھلے کی وہ لیکن بُری طرح

ٹھانی تھی دل مین اب نہ ملین گے کسی سے ہم | پر کیا کرین کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
اوس کو مین جا مرین گے مدد اے ہجومِ شوق | آج اور زور کرتے ہین ناطاقتی سے ہم

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی | پھر کس کو گلے لگائین گے ہم

گر ہے دل غیر نقشِ تصویر
تو ترے لئے جلائین گے ہم

اے تپِ ہجر دیکھ مومن ہین
ہے حرام آگ کا عذاب ہمین

نہ مین اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جان میری
اثر کس کس کو ہو، ہووے بھی گر فریاد بیکس مین
ذرا سمجھو تو جانِ من وصالِ غیر پر ہر دم
مری جان کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمین

یار تھے یا دشمنِ جان تھے آ کہی چارہ گر
لیچلے مرتے ہی زندان سے سوئے صحرا ہمین

شیرین پہ طعنِ تلخیِ فرہاد کس لیئے
مجکو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ مین
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ مین

بے التفاتیان جو عدو سے سُنی نہ تھین
ہم جانتے تھے وصل مین رنج و الم نہین
ناصح کہان تلک تری باتین اُٹھا سکون
سچ ہے کہ مجھ مین طاقتِ جور و ستم نہین

مین گلہ کرتا ہون اپنا تو نہ سن غیرونکی بات
ہین یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہین
غیر سے سرگوشیان کر لیجیئے، پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دلِ درد آشنا کہنے کو ہین

نچا ہون روز جزا دا دیہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہین جب وقتِ امتحان نہین

ہین غیر مرے نکلنے سے خوش ۔ گویا کہ ہین اون کا مدعا ہون

کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہین ۔ جتنے وہ بے حجاب ہین ہم شرمسار ہین
جز نہ سپہر ہین مرے دشمن تو اور بھی ۔ لیکن بڑے ستم یہی دو تین چار ہین
کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا ۔ اپنا ہی دل نہ چاہے تو باتین ہزار ہین

گو آپ نے جواب بُرا ہی دیا ولے ۔ مجھ سے بیان نہ کیجیے عدو کے پیام کو

کچھ شورِ محبت کی تو لذّت ہی نہ پوچھو ۔ ہے آپ کے بھی حُسن سے کِتنا نمکین یہ

مانگا کرین گے اب سے دعا ہجرِ یار کی ۔ آخر کو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

توبہ گنہ عشق سے فرمائے واعظ ۔ یہ بھی کہین دل دے کے گنہگار رہوا ہے

تاب نظارہ نہین آئینہ کیا دیکھنے دون ۔ اور بن جائین گے تصویر جو حیران ہونگے
ایک ہم ہین کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس ۔ ایک وہ ہین کہ جنھین چاہ کے ارمان ہونگے
عمر تو ساری کٹی عشقِ بتان مین مومن ۔ آخری وقت مین کیا خاک مسلمان ہونگے

پامال اِک نظر مین قرار و ثبات ہے ۔ اوس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے

چھٹ کر کہان اسیرِ محبت کی زندگی ناصح یہ بندِ غم نہین قیدِ حیات ہے

عیش مین بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو کہ شبِ غم کوئی کس طور بسر کرتا ہے
بخت بد نے یہ ڈرایا ہو کانپ اُٹھتا ہون تو کبھی لطف کی باتین بھی اگر کرتا ہے

عذابِ ایزدی جانکاہ ہی مانا بس اب مومن خدا کے واسطے ذکرِ ستمہائے بتان کیجیے

اجل سے خوش ہون کسی طرح ہو وصال تو ہو نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
جفائے یار پہ سونپا معاملہ دل کا اب آ گئے ہو نہو امیدِ انفصال تو ہے

کیون کر یہ کہین منتِ اعدا نہ کرین گے کیا کیا نہ کیا عشق مین کیا کیا نہ کرینگے

تسلی دمِ واپسین ہو چکی ہمین ہو چکی جب نہین ہو چکی

رشکِ دشمن بہانہ تھا سچ ہے مینے ہی تم سے بے وفائی کی

شبِ ہجر مین کیا ہجومِ بلا ہے زبان تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

کسی نے گر کہا مرتا ہی مومن　　　کہا مین کیا کرون مرضی خدا کی

مرزا اسد اللہ خان غالب

در اوائل حال تقاضائے طبع وشوار پسند نظر مرزا عبد القادر بیدل سحر میگفت و وقت

آفرینہا میکرد آخر الامر ازان طریقہ ابداز مطبوع ابداع نمودہ بعد ترتیب وتکمیل دیگر نگریست وازدان

ابیات ازال حدت وساقط کردہ قدر قلیلے انتخاب کردہ اند گلشن بیخار،

اسد اللہ خان نام مرزا نوشہ لقب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ خطاب تھا پہلے اسد تخلص کرتے تھے پھر بمناسبت اسد اللہ غالب کے غالب اختیار کیا، والد کا نام عبد اللہ بیگ تھا جب پانچ برس کی عمر ہوئی اوس وقت باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا مرزا نصر اللہ بیگ حقیقی چچا لارڈ لیک کے لشکر مین چار سو سوارون کے رسالدار تھے، اون کی ذات اور رسالے کی تنخواہ مین دو پرگنے نواحِ آگرہ مین سرکار سے مقرر تھے، اونھون نے بھتیجے کی پرورش کی،

چچا کے مرنے کے بعد اون کے وارثون کی بنشنین سرکار نے فیروز پور جھرکہ کی ریاست مین مقرر کرا دین جس مین سے سات سو روپیہ سالانہ مرزا کو بھی غدر تک ملتا رہا، پچاس روپیہ ماہوار خلعت وخطاب کے ساتھ تاریخِ خاندان تیموریہ کے لکھنے کے معاوضہ مین ابو ظفر بہادر شاہ نے مقرر کر دیئے تھے،

غدر کے بعد یہ تنخواہ بند ہو گئی، اور بہادر شاہ سے تعلقات رکھنے کی پاداش مین پنشن بھی جاتی رہی، دو برس انھون نے جس مصیبت سے کاٹے وہ انھین کا

کام تھا، اوس کے بعد یہ رامپور چلے گئے اور نواب یوسف علیخان[۱] ناظم رامپور نے ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی اور اگر رامپور مین رہین تو سو روپیہ مہینہ دعوت کا گر دلی چھوڑ کر رامپور کیون کر رہ سکتے، واپس آئے اور تین سال کی جد و جہد مین پنشن بھی جاری ہو گئی، علاوہ اس کے قصیدون کے صلے فتوح غیبی کے طور پر کبھی کبھی ملجاتے تھے اس مین

[۱] نواب یوسف علیخان خلف نواب محمد سعید خان والی رامپور علم دوست اور سرپرست ور رئیس تھے، مولانا فضل حق خیرآبادی مرزا نوشہ غالب، میر حسین تسکین، مظفر علیخان اسیر، منشی امیر احمد اور بہت سے علما و شعرا اون کے دامن دولت سے وابستہ تھے، ابتدا مین حکیم محمد مومن خان مرحوم سے مشق سخن کی اون کے بعد مرزا نوشہ غالب کے شاگرد ہوئے پھر منشی مظفر علی اسیر کو کلام دکھانے لگے،

غدر ۵۷ھ میں گورنمنٹ انگریزی کو مدد دینے کے صلہ مین کچھ علاقہ بھی اون کو ملا اور علاوہ دیگر خطابات کے فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ کا خطاب عنایت ہوا ۱۲۸۱ھ مین وفات پائی صاحب دیوان ہین صرف ایک غزل اون کی یہان نقل کرتا ہون،

مین نے کہا کہ دعوی الفت مگر غلط کہنے لگے کہ ہان غلط اور کسقدر غلط

تاثیر آہ و زاری شبہائے تار جھوٹ آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

سوز جگر سے ہو مۂ پر تبخالہ افترا شور و فغان سے جنبش دیوار و در غلط

ہان سینہ سے ہاتھ داغ درون دروغ ہان آنکھ سے تراوش خون جگر غلط

آجائے کوئی دم مین تو کیا کچھ نہ کیجئے عشق مجاز جیتیم حقیقت نگر غلط

بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہین اظہار پاکبازی و ذوق نظر غلط

تو صاحب آفتاب کہان اور ہم کہان احمق نہین ہم اوس کو نہ سمجھین اگر غلط

مٹی مین کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی جان عزیز پیشکش نامہ بر غلط

ہم یہ پوچھتے پھرین کہ جنازہ کدھر گیا مرنے کی اپنی روز اڑائی خبر غلط

یہ کچھ سنا جواب مین ناظم ستم کیا کیون یہ کہا کہ دعوی الفت مگر غلط

جس طرح سے بن پڑا زندگی بسر کردی، نواب الٰہی بخش خان معروف کی بیٹی سے تیرہ برس کے سن مین شادی ہوگئی تھی، اِس تقریب سے دلی آرہے تھے، مگر زندگی بھر گھر نہین بنایا، دوستون کے گھر مین مستعار رہے، یا کرایے کے مکان مین عمر کاٹ دی، بیٹے بیٹیان بہت سی ہوئین مگر چھٹپنے مین مر گئین، اخیر مین بیوی کے بھانجے نواب زین العابدین خان عارف کے دو یتیم بچون کو لے کر پرورش کیا اور اِنھین کو بیٹا بیٹی سمجھتے رہے،

مرزا شگفتہ مزاج تھے، ذہن و ذکاوت کے ساتھ قوتِ حافظہ بھی لاجواب رکھتے تھے، شوخی اور ظرافت اون کے دم قدم کے ساتھ تھی، تحریر ہو یا تقریر کوئی بات اون کی لطافت و ظرافت سے خالی نہ ہوتی تھی، میرزایانہ تمکنت کے ساتھ مزاج مروت دوستی دوستی کا نباہ اور وضعداری کا پاس و لحاظ حد سے زیادہ تھا،

شعر و سخن سے ازلی مناسبت تھی، حسن اتفاق سے ہرمزد نام ایک پارسی جو ژند و پاژند کا عالم تھا اسلام قبول کیا اور اوس کا اسلامی نام ملا عبدالصمد رکھا گیا، وہ ایامِ سیاحت مین ہندوستان آنکلا، اوس وقت مرزا کی عمر چودہ برس کی تھی مگر وہی مناسبت ازلی طبیعت مین تھی، اوس کو دو برس تک گھر مین مہمان رکھکر اکتسابِ کمال کیا اور فارسی مین روانیِ طبیعت کے وہ جوہر دکھائے کہ باید و شاید،

عربی مین صرف و نحو کے سوا اُستاد سے اور کچھ نہین پڑھا تھا، مگر چونکہ علم سے فطری مناسبت تھی اون کی اردو فارسی کی نظم و نثر کو دیکھکر کوئی یہ نہین کہہ سکتا کہ یہ شخص عربیت سے ناواقف ہی، عربی الفاظ کو ہر جگہ اوسی سلیقہ سے استعمال کیا ہی جس طرح ایک اچھے فاضل سے اِس کی توقع ہو سکتی ہی،

ملا عبدالصمد کی صحبت مین فارسیت کا رنگ اون کی قوت متخیلہ پر خوب چڑھ گیا تھا،

یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ ابتدا مین مرزا عبد القادر بیدل کا کلام زیادہ دیکھا تھا، اسی وجہ سے جو روش مرزا بیدل نے فارسی زبان مین اختراع کی تھی مرزا نے اُردو مین اُسی پر چلنا شروع کر دیا،

مولانا حالی نے یادگارِ غالب مین کچھ اشعار اِس زمانہ کے نقل کیئے ہین،[1] مگر اب بھی اون کے دیوان مین ایک ثلث کے قریب ایسے اشعار موجود ہین جن پر اُردو زبان کا اطلاق بمشکل ہو سکتا ہی، مثلاً

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخون غلطیدنِ بسمل پسند آیا

شب خمارِ چشمِ ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا
جادۂ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

---

[1] جو اشعار مرزا نے دیوان سے کال ڈالے ہیں ان میں سات شعر مولانا حالی نے یادگارِ غالب مین نقل کئے ہین بطور نمونہ کے چار شعر یہان نقل کرتا ہون

بحسرت گاہِ نازِ کشتۂ جان بخشیِ خوبان
خضر کو چشمۂ آبِ بقا سے ترجبین پایا

پریشانی سے مغزِ سر ہوا ہی پنبہ بالش
خیالِ شوخیِ خوبان راحت آفرین پایا

رکھا غفلت نے دور افتادۂ ذوقِ فنا ورنہ
اشارت فہم کو ہر ناخنِ بریدہ ابرو تھا

ساتھ جنبش کے بیک برخاستن طے ہو گیا
گوئیا صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا

کرے گر فکرِ تعمیرِ خرابیہائے دل گردون
نہ نکلے خشت مثلِ استخوان بیرون ز قالبہا

سُنا گیا ہی کہ مرزا کے اِس ناپسندیدہ انداز سے مفتی صدر الدین خان بہت آزردہ رہتے اور ہر موقع پر اون کی اِس بے راہ روی کی مذمت فرماتے تھے، دلی کے بعض ظرفا مشاعرون مین غزلین لکھکر لیجاتے جو الفاظ اور ترکیبون کے لحاظ سے تو بہت پرشوکت و شاندار معلوم ہوتی تھین مگر معنی ندارد، گویا مرزا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ کا کلام ایسا ہوتا ہی[1]،

---

[1] آزاد نے آبحیات مین حکیم آغا جان عیش اور بہار الشعرا کے تذکرہ کے ضمن میں بیان کیا ہی کہ حکیم صاحب کے اشارے پر مد ہلال سحر کو ٹھونگیں بھی مارتا تھا چنانچہ بعض غزلیں سر مشاعرہ پڑھتا تھا جس کے الفاظ نہایت شستہ اور رنگین لیکن شعر بالکل بے معنی اور کہہ دیتا تھا کہ یہ غالب کے انداز میں غزل لکھی ہی ایک مطلع یاد ہی،

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہین | ناخنِ قوس قزح شہپرِ مضراب نہیں

ایک مرتبہ مشاعرہ میں مرزا بھی تھے اور حکیم آغا جان عیش بھی اُنھوں نے طرحی غزل میں یہ قطعہ پڑھا،

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے | مزا کہنے کا جب ہے اِک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے | مگر انکا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

ایک دفعہ مولوی عبدالقادر رامپوری نے جو نہایت ظریف اور خوش مذاق واقع تھے مرزا سے کہا کہ آپ کا ایک اُردو شعر سمجھ میں نہیں آتا اور اوسی وقت دو مصرعے موزون کرکے مرزا کے سامنے پڑھے ؎

پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکال | پھر دوا جتنی ہی کل بھینس کے انڈے مین ڈال

مرزا اُسکر حیران ہوئے کہا کہ یہ میرا شعر نہیں ہی اونھوں نے اصرار کیا آخر کو مرزا سمجھ گئے کہ مجھ پر اِس پیرایہ میں اعتراض کرتے ہیں اور یہ جتاتے ہیں کہ تمھارے اسی قسم کے شعر ہوتے ہیں

مرزا نے اِس قسم کی نکتہ چینیوں پر اُردو اور فارسی میں جا بجا اشارہ کیا ہی ایک جگہ کہتے ہیں،

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا | گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

ایک اور اُردو غزل کا مطلع ہے،

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے | خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہی

حُسنِ اتفاق دیکھو مولانا فضل حق خیرآبادی دلی مین سررشتہ دار کمشنری تھے، بزرگون کے وطن کے لحاظ سے ان کو خیرآبادی کہہ لو مگر حقیقت مین ان کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا سب دلی مین گزرا تھا، یہ اور مفتی صدرالدین خان ہم سن وہم سبق اور دوستی کے لحاظ سے یکجان اور دو قالب تھے، مرزا نوشہ دلی آکر رہے تو ان سے بھی رسم پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑھ گئی، یہانتک کہ مرزا اون کو اپنا مخلص بے ریا سمجھنے لگے، مفتی صاحب کی طعن وتعریض کو تو شاید کسی اور بات پر بھی محمول کرتے ہون مگر جب مولانا فضل حق نے روک ٹوک شروع کی تو اون کے کان کھڑے ہوئے، مولانا حالی لکھتے ہین کہ مولانا کی تحریک سے مرزا نے اپنے کلام سے دو ثلث کے قریب اشعار نکال ڈالے اور اس کے بعد اس روش پر چلنا چھوڑ دیا،

مرزا کی خصوصیات شاعری پر حالی نے بہت استیعاب کے ساتھ بحث کی ہے یہ موقع اوس کی تفصیل کا نہین ہے تاہم جہانتک ممکن ہے اختصار کے ساتھ کچھ کچھ بیان کرون گا،

حالی کی رائے ہے کہ میر و مرزا سے لیکر ذوق تک جتنے شعرا گزرے ہین اون کا ایک محدود دائرہ ہے جس سے وہ کم نکلتے ہین، اون کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو مضمون پہلے کسی طور پر بندھ چکا ہے وہی مضمون ایسے بلیغ اسلوب سے ادا کیا جائے کہ اگلی بندشون سے بڑھ جائے، برخلاف ان کے مرزا نے اپنی غزل کی بنیاد ایسے اچھوتے مضامین پر رکھی ہے، جن کو اور شعرا کی فکر نے مس نہین کیا تھا، اور معمولی مضمون ایسے طریقے سے ادا کئے ہین جو سب سے نرالا ہے،

میری رائے ناقص مین یہ عقیدہ اس حد تک صحیح اور قابل تسلیم ہے کہ مرزا نے اپنی تغزل کی بنیاد ایسے اچھوتے اسالیب پر رکھی ہے جن کو اور شعرا کی فکر نے مس تک نہین کیا، وہ معمولی سے معمولی مضمون کو ایسے نرالے انداز سے ادا کرتے ہین جو بالکل نیا معلوم ہوتا ہے یہ

ضرور نہین کہ ہر ایک مضمون اون کا نیا ہی ہو،

ان کی سب سے بڑی خصوصیّت یہ ہو کہ عام اور تبذل تشبیہین جو عموماً شعرا کے کلام مین پائی جاتی ہین، اون سے جہانتک ہو سکتا ہی بچتے ہین اور نئی نئی تشبیہین پیدا کرتے ہین مثلاً سانس کو موج سے بیخودی کو دریا سے گرداب کو شعلہ جوّالہ سے، مغز سر کو پنبہ بالش سے، دانۂ انگور کو عقد وصال سے، استخوان کو خشت سے، بدن کو قالب خشت سے اور اسی قسم کی بہت سی تشبیہین اون کے ابتدائی ریختہ مین موجود ہین،

اون مین ایک خصوصیّت یہ ہو کہ متانت اور سنجیدگی کو شوخی اور ظرافت سے ایسا پیوست کرتے ہین کہ دونون ملکر شعر مین تڑپ پیدا کر دیتے ہین سوؔدا اور انشاؔ شوخی اور ظرافت مین غالب سے بڑھکر ہین، مگر جب وہ شوخی پر آتے ہین تو متانت اون کے ہان سے رخصت ہو جاتی ہی،

ایک خصوصیّت مرزؔا کی یہ ہو کہ اون کے طرز ادا مین ایک خاص چیز ہی جو (مومنؔ کے سوا) اور ون کے ہان بہت کم دیکھی جاتی ہی، اون کا کلام ایسا پہلودار ہوتا ہی کہ بادی النظر مین اون سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہین، مگر غور کرنے کے بعد دوسرے معنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہین جس کی وجہ سے اون کا شعر ہمیشہ ایک نیا لطف دیتا ہی،

مرزا کا معمول تھا کہ وہ نظم ہو یا نثر نہایت کاوش سے لکھا کرتے تھے، مگر باوجود اس عادت کے اپنی ذکاوت اور جولانی طبیعت سے بدیہہ گوئی کی بھی مشق پیدا کر لی تھی،

لطیفہ کلکتہ مین مولوی کرم حسین مرزا کے ایک دوست نے ایک مجلس مین چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کف دست پر رکھکر مرزؔا سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجیے، مرزا نے وہان بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھکر اون کو دیا اور اوس کے صلہ مین وہ ڈلی

اون سے لی چہہ بیات شعر اوس کے ملاحظہ ہون،

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی ۔۔۔ زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیئے
خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیئے ۔۔۔ ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیئے
اخترِ سوختہ قیس سے نسبت دیجیئے ۔۔۔ خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلا کہیئے
حجرالاسود دیوارِ حرم کیجیئے فرض ۔۔۔ نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیئے
صومعہ مین اِسے ٹھہرائیے گر مہر نماز ۔۔۔ میکدہ مین اسے خشتِ خمِ صہبا کہیئے
مسی آلودہ سرِ انگشت حسینان لکھیئے ۔۔۔ سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیئے
اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجیئے فرض ۔۔۔ اور اِس چکنی سپاری کو سویدا کہیئے

اُردو مین اٹھارہ سو شعر کا ایک انتخابی دیوان اِن کا چھپ گیا ہے، اوس مین اکثر تمام کچھ ناتمام غزلین ہین، کچھ متفرق اشعار دو قصیدے کچھ رباعیان اور قطعے،

عودِ ہندی ایک مجموعہ ہے جس مین اُردو کی کچھ تقریظین کچھ خطوط ہین، اُردوی معلی ایک دوسرا مجموعہ ہے، جس مین شاگردون نے جس قدر اُردو کے خطوط اون کے ہاتھ آئے جمع کر دیئے ہین، اِن خطوط کی عبارت ایسی ہے گویا وہ آپ کے سامنے بیٹھے گل افشانی کر رہے ہین، بقول آزاد اِن خطوط کی طرزِ عبارت ایک خاص قسم کی ہے کچھ ظرافت کچھ چٹکلے اور لطافت کی شوخیان اِس مین جس عمدگی سے ادا ہو سکتی ہین یہ انھین کا ایجاد تھا کہ آپ مزا لیا اور اورون کو لطف دے گئے،

علاوہ اِن تصنیفات کے لطائفِ غیبی تیغِ تیز، ساطعِ بُرہان وغیرہ اُردو مین رسالون کے نام سے ہین، فارسی مین کلیات ہے فی درحقیقت اون کی جولانی طبیعت کا تماشا گاہ ہے ایک کتاب پنج آہنگ ہے، فارسی انشا پردازون کے واسطے لکھی ہے جو اون کے انداز پر لکھنا چاہے

قاطع برہان یا درفش کاویانی ایک رسالہ ہی جس مین برہان قاطع کی غلطیان نکالی ہین، نامۂ غالب اوس کا جواب بجواب ہی، مہر نیمروز تاریخ کی کتاب ہی، دری زبان مین امیر تیمور سے ہمایون بادشاہ تک کا حال ابوظفر بہادر شاہ کے حکم سے لکھا تھا اِسی سِلسلہ مین دربار شاہی سے خطاب عنایت ہوا تھا، اوس کا دوسرا حصہ ماہ نیم ماہ کے نام سے لکھنا چاہتے تھے جس مین اکبر شاہ سے لیکر ابوظفر بہادر شاہ تک کا حال لکھنا مقصود تھا، مگر غدر ہو جانے سے یہ حسرت دِل کی دِل ہی مین رہی، دستنبو بھی تاریخی کتاب ہی، دری زبان مین غدر کے قیامت خیز تباہی کا حال لکھا ہی، غدر کی تاریخ بھی مرزا نے رستخیز بیجا سے نکالی ہی اور کِتنا لطیف تخرجہ ہی،

سبد چین ایک مختصر مجموعہ ہی جس مین چند قصائد، چند قطعے چند خطوط فارسی مین جو کلیات کی ترتیب اشاعت کے بعد لکھی تھی،

مرزا کو آخر عمر مین بڑھاپے نے بہت عاجز کر دیا تھا، کانون سے سُنائی نہ دیتا تھا نقش تصویر کی طرح لیٹے رہتے تھے، انجام کار تہتّر برس کا سِن پا کر ۱۲۸۵ھ مین زندگی کے دن پورے کیئے، آہ غالب بمرد تاریخ وفات ہی،

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد ۔۔۔ سرگشتۂ خمارِ رسوم وقیود تھا

جاتی ہی کشمکش کوئی اندوہ و درد کی ۔۔۔ دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

مینے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹون ۔۔۔ وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دوست غمخواری مین میری سعی فرماوینگے کیا　　زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آوینگے کیا

—— . ——

کی مرے قتل کے بعد اوس نے جفاسے توبہ　　ہائے اوس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

—— . ——

آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لے کے رہ گئے　　صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غرور تھا

—— . ——

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین　　شایانِ دست و بازوئے قاتل نہین رہا

—— . ——

غمِ فراق مین تکلیفِ سیرِ گل مت دو　　مجھے دماغ کہان خندہ ہائے بیجا کیا

—— . ——

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا　　غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھپر ہوا

—— . ——

تنگیِ دل کا گلہ کیا، یہ وہ کافر دل ہے　　کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا

—— . ——

کوئی ویرانی سی ویرانی ہی　　دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

—— . ——

رشک کہتا ہی کہ اوس کا غیر سے اخلاص حیف　　عقل کہتی ہی کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

—— . ——

اسد بسمل ہی کس انداز پر قاتل سے کہتا ہی　　تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

گرنی تھی ہمپہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہین بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذّتِ آزار دیکھکر

ہرچند سبکدست ہوئے بت شکنی مین
ہم ہین تو ابھی راہ مین ہین سنگِ گران اور

یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھین گے مری بات
دے اور دل اون کو جو نہ دے مجکو زبان اور

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے
دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہوجائین ہم تم کو خبر ہونے تک

وہ حلقہ ہائے زلف کمین مین ہین اے خدا
رکھ لیجیو میرے دعویٰ وارستگی کی شرم

زہر ملتا ہی نہین مجکو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون

لون دام بختِ خفتہ سے اک خوابِ خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہان سے ادا کرون

زخم سلوانے سے میرے چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن مین نہین

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت مین
گویا جبین پہ سجدۂ بت کا نشان نہین

ترے سروِ قامت سے اِک قدِّ آدم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین

کہتے ہین جیتے ہین اُمید پہ لوگ ہم کو جینے کی بھی اُمید نہین

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے دیکھا تو ہم مین طاقتِ دیدار بھی نہین
شوریدگی کے حال سے سر ہی وبالِ دوش صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

مینے کہا کہ بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی سُن کے ستم ظریف نے مجکو اُٹھادیا کہ یون

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین ہے تقاضائے جفا شکوہ بیداد نہین
عشق و مزدوری عشرت کدہ خسرو کیا خوب ہم کو تسلیم نکونامیِ فرہاد نہین

قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن ہم کو تقلید تنک ظرفیِ منصور نہین

نظر لگے نہ کہین اوس کے دست و بازو کو یہ لوگ کیون مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہین

جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

یارب زمانہ مجکو مٹاتا ہے کس لیئے لوحِ جہان پہ حرف مکرر نہین ہون مین

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دلکے پار
جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگان ہوگئین

—— • ——

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغان کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہی ہم کو

—— • ——

عاشق ہوئے ہین آپ بھی اک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

مے سے غرض نشاط ہی کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

—— • ——

رہے اوس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنون وہ بھی

مرے دل مین ہی غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اوس سے مین یہ بھی کہون وہ بھی

—— • ——

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اوٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

—— • ——

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

—— • ——

اُگ رہا ہی در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہے

—— • ——

بس ہجومِ نا اُمیدی خاک مین ملجائیگی
یہ جو اک لذّت ہماری سعیِ بے حاصل مین ہی

گرچہ ہی کس کس برائی سے ولے با این ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہی کہ اوس محفل مین ہی

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اوس نے کہا — مینے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہی

بے اعتدالیون سے سبک سب مین ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہوگئے اوتنے ہی کم ہوئے

نہ مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال — مدت ہوئی کہ آشتئ چشم وگوش ہے

دے مجکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر — کچھ تجکو مزا بھی مرے آزار مین آئے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی — امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہی گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اچھا ہی سر انگشت حنائی کا تصور — دل مین نظر آتی تو ہی اک بوند لہو کی

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — نا امیدی اوس کی دیکھا چاہیئے

رگون مین دوڑنے پھرنے کے ہم نہین قائل — جو آنکھون ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

محبت مین نہین ہی فرق جینے اور مرنے کا — اوسی کو دیکھکر جیتے ہین جس کافر پہ دم نکلے

کیا فرض ہو کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہ طور کی

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق — سامان صد ہزار نمکدان کیئے ہوئے

غالب اِس تلخ نوائی مین مجھے رکھیو معاف — اج پھر درد مرے دِل مین سوا ہوتا ہے

میر حسین تسکین

صاحب فکر بلند و اسلوب گفتار متین، دل پسند از حضرت مومن خان مدیتی، اشعار بر دا ختہ

از احباب راقم است اہ گلشن بیخار،

میر حسین تسکین دلی کے رہنے والے میر حیدر کی اولاد مین تھے، جنھون نے حسین علیخان کو اثنائے سفر مین محمد شاہ بادشاہ کی رضا جوئی کے خیال سے قتل کر دیا تھا، والد کا نام میر حسن تھا، مگر میرن صاحب کے لقب سے مشہور تھے،

دلی مین پیدا ہوئے اور مولوی امام بخش صہبائی سے درسی کتابین پڑھین، شعر و سخن سے ازلی مناسبت تھی، کچھ دنون شاہ نصیر سے مشقِ سخن کی اوس کے بعد حکیم مومن خان کے شاگرد ہو گئے،

کلام کا رنگ گواہی دیتا ہو کہ خان صاحب کے شاگردون مین یہ خاص مرتبہ رکھتے تھے، اُستاد کی طرزِ ادا معاملہ نگاری اور شوخی کو روزمرہ کی صفائی اور سادگی کے ساتھ اِس طرح سے ملا جلا دیا ہے کہ اون کے کلام مین دلآویزی کی شان بڑھ گئی ہو، اور مومن خان کے ساتھ اِس قدر ہمرنگی پیدا ہو گئی ہے کہ اگر ان دونون کے کلام کو مخلوط کر دیا جائے تو ایک کے

کلام کو دوسرے کے کلام سے تمیز کرنا دشوار ہو جائے گا،

جب دلی مین گزر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ رہا تو رامپور چلے آئے نواب یوسف علیخان ناظم تخلص نے قدردانی فرمائی، چند روز رامپور مین آرام سے بسر کرکے پچاس برس کے سن مین، ۱۷ شوال ۱۲۶۶ھ مین وفات پائی،

میر عبدالرحمن آہی ان کے سعادتمند بیٹے تھے، جنھون نے شاہ نصیر کا دیوان مرتب کیا تھا، وہ نواب کلب علیخان کے زمانے تک رامپور مین رہے، حکیم مومن خان کے یہ بھی شاگرد تھے اور اون کے دیوان کی تکمیل انھین کے ہاتھون سے ہوئی ہی،

کچھ نمک کچھ مشک کچھ الماس ہولے چارہ گر — پھر خدا چاہے بھرے دو دن مین منھ ناسور کا

جس وقت نظر پڑتی ہی اوس شوخ پہ تسکین — کیا کہئیے کہ جی مین مرے کیا کیا نہین آتا

تسکین کرون کیا دلِ مضطر کا علاج اب — کمبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا

ہر روز وہ ڈھونڈھے ہی کوئی تازہ خریدار — صورت مری ہر روز بدلجائے تو اچھا

کوچۂ یار مین مینے تسکین — پانون رکھا تھا کہ سر یاد آیا

غیرون کو اشارہ ہی مرے قتل پہ ناحق — یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کاہے کو ہوگا

زندگی ہووے گی کس طرح یارب اپنی　　دم مین سو بار اگر یون وہ خفا ہووے گا

خوبصورت نہو کوئی تو نہ ہو بدنامی　　سچ تو یہ ہے کہ برا ہوتا ہی اچھا ہونا

اوس گلی مین ازدحام اغیار کا یاد آگیا　　دل مین جوشِ حسرت و یاس و تمنا دیکھکر
دیکھنا شوخی یہ کہتے ہین مرے دشمن سے وہ　　کیا ہنسی آئی مجھے تسکین کو روتا دیکھکر

گر مر کے چھٹے دل کی تپش سے تو عزیزو　　تا حشر نہ نکلین گے کبھی گور سے باہر

اے چشمِ سرگین تری گردش نے کیا کیا　　راحت پذیر تھے ستمِ آسمان سے ہم

یان انتظار ہی مین کٹی میری ساری رات　　وان وعدہ کیا کیا تھا اونھین یاد ہی نہین

چھیڑون ہزار طرح سے تم کو خفا کرون　　قابو مین میرے دل ہو تو کیا جانے کیا کرون

تسکین نے لے کے نام ترا وقتِ مرگ آہ　　کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سنا نہین

باتون ہی کے مشفق ہین مرے حضرتِ ناصح　　دو دن تو رہین پاس مرے رنج و محن مین

یہ تو سچ ہی کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے　　پر یہ ممکن نہین ہم پر کبھی بیداد نہ ہو

آتے ہی اون کے جان گئی واہ رے نصیب　　نکلی جو آرزو تو دم واپسین کے ساتھ

قاصد آیا ہی وہان سے تو ذرا تھم تو سہی　　بات تو کرنے دے اوس سے دلِ ناشاد مجھے

یہ کہہ کے شبِ ہجر مین کرتا ہون تسلی　　جو رنج و مصیبت ہی سو انسان کیلئے ہی

تیغِ نگاہِ یار اُچٹنے لگی تھی پر　　برسون گزر گئے مجھے آزار کھینچتے

اے دل یہ تیرا خاک مین ملنا ہی بے اثر　　وہ کر جو اوس کے طبعِ مکدّر مین گھر کرے

نہ اُٹھا گیا دل کے ہاتھون سے تسکین　　کہا اوس نے جو سب سُنا بیٹھے بیٹھے

فتنۂ محشر کا تھا سب کو گمان　　تجکو پہچانا تری رفتار سے

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہی　　کہے دیتی ہی شوخی نقشِ پا کی

نوابؔ مصطفیٰ خان شیفتہ

نواب مصطفےٰ خان فرزند عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر از اوان صبا
بہ مشق سخن مصروف بود و عمرے درین شغل بسر بردہ در مراتب نظم و نثر ادائے خاص دارد
و بہر دو زبان ریختہ و پارسی سحرے می طرازد داد طور کلیم،

نواب مصطفےٰ خان کے دادا ولی داد خان کوہاٹ سے دلی آئے، نواب مرتضیٰ خان نے لارڈ لیک کے ساتھ رہکر بڑے بڑے کام کیئے اوس کے صلہ مین ہوڈل پلول کا علاقہ جاگیر مین ملا، جہانگیر آباد کا علاقہ اونھون نے خود خرید کیا تھا جو اب تک اون کی اولاد کے قبضہ مین ہی،

نواب مصطفےٰ خان کی ولادت ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء کو دلی مین ہوئی، تعلیم و تربیت کے جو بہترین سامان ہو سکتے ہین وہ اون کو میسر ہوئے، مولوی محمدؐ نور، مولانا کرم اللہ محدث اور دوسرے نامور علما سے تعلیم پائی اور سفر حج مین شیخ محمدؐ عابد سندی مشہور محدث سے سند حاصل کی،

شعر و سخن سے ازلی مناسبت تھی، حکیم مومن خان سے مشق سخن کی، دلی اوس وقت آج کی ایسی دلی نہ تھی، بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی، علامہ عبد اللہ خان علوی، مفتی صدر الدین خان آزردہ، مرزا اسد اللہ خان غالب، نواب ضیاء الدین خان نیر، شاہ نصیر الدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم آغا جان عیش، حافظ عبد الرحمٰن خان احسان، میر حسین تسکین اور خدا جانے کتنے سخنوران با کمال کا جمگھٹا تھا جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہون گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا،

مفتی صدرالدین خاںؒ اور خود نواب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوتا تھا، اہلِ کمال اوس مین جمع ہوکر لطفِ سخن اُٹھاتے تھے،

لہ مفتی صدرالدین خان بہادر عالیخاندان والا دودمان سرمایۂ نازشِ ہندوستان فضل وکمال اور فنونِ ادبیہ کی بے نظیر قابلیت مین اپنا آپ جواب تھے، سرزمینِ ہند میں اس جامعیت کے وہی جامع شخص ہوئے ہوں گے، اس کے ساتھ مزاج دیکھو تو خلقِ مجسم اور لطفِ مصور،

علم وکمال مین بقول شیفتہ "در فنون ادبیہ ثانی اعشیٰ وجریر است و در مراتبِ حکمیہ ثالث ماقر و نصیرؔ عقل صواب اندیش مین جنرل اکٹرلونی کے نفس ناطقہ جس آسانی سے راجپوتانہ کی پیچیدگیوں کو حل کرکے سرکار انگریزی سے معاہدے کرائے ہیں وہ انھین کا کام تھا،

علما کی مجلس ہو تو اوس مین صدرنشین مشاعرہ ہو تو اوس میں میرمجلس، حکام کے جلسون میں موقر و ممتاز یکسون اور محتاجون کے ملجا وماوی، سرسید آثار الصنادید میں جہان کہین اِن کا ذکر کرتے ہین پورا ایک صفحہ میں اِن کے القاب وآداب لکھتے ہین اور پھر کہتے ہین ؎

هزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

نواب مصطفیٰ خان گلشنِ بیخار میں فرماتے ہین" باعتقاد من در دریکہ بے شرف مجالست ایشان بپایان آید داخل ایام عمر نیست" خدا جانے اِن کے وقت مین کتنی برکت تھی، صدرالصدوری کے فرائض کے ساتھ حکام و روسائے شہر سے میل جول مشاعروں کی شرکت سب سے بالاتر درس وتدریس کا مشغلہ تھا، شاہجہان کا مدرسہ دار البقا سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد ہوچکا تھا، اوس کو اپنے روپے سے زندہ کیا، عمارت درست کی، طلبہ کے وظائف اور اون کے پڑھانے کو اساتذہ مقرر کیئے اور بطور مدرس اعلیٰ منتہی طلبہ کے اسباق اپنے ذمہ رکھے، ہفتہ مین ایک بار تعطیل کے دن سب کو بیکر باغ جاتے طرح طرح کے میوے اور لذیذ کھانے اون کو کھلاتے اور خوش ہوتے،

شاگردون مین نواب سید صدیق حسن خان بہادر، مولوی سمیع اللہ خان سی ایم جی، مفتی سعد اللہ (تقیہ صفحہ آئندہ)

اوس زمانہ مین نواب کی سخنگوئی سے زیادہ اون کی سخن فہمی کی دھوم تھی، مرزا نوشہ تک اون کی سخن فہمی کے معترف و مدّاح تھے، مرزا کے نزدیک نواب کی پسند شعر کے حسن و قبح کا معیار تھی فرماتے ہین،

غالب بہ فن گفتگو نازد باین ارزش کہ او   ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خان خوش نکرد

نواب نے سفر حج کے بعد اس شغلِ بے حاصل کو بہت کم کر دیا تھا، کبھی کبھی احباب کے اصرار سے کچھ کہہ لیتے تو کہہ لیتے، تصنیفات مین ایک فارسی دیوان ہے ایک ریختہ کا دیوان،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مولوی ذو الفقار علی، مولوی فیض الحسن اور ان جیسے خدا جانے کتنے علماء اون کے دامنِ تربیت مین پرورش پاکر نکلے جن سے ایک عالم فیضیاب ہوا، ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور اکیاسی برس کی عمر پاکر ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی، مولانا فضل امام خیر آبادی سے فنون حکمیہ اور حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ اور اون کے بھائیون سے علومِ دینیہ و معارفِ ادبیہ کی تعلیم پائی تھی، عربی اور فارسی کلام کے لکھنے کا یہ موقع نہین اُردو کے دو چار شعر نقل کرتا ہون،

مین اور ذوقِ بادہ کشی لے گئین مجھے   یہ کم نگاہیان تری بزم شراب مین

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق مین   اک جان کا زیان ہے سو ایسا زیان نہین

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزین کے ساتھ   اِک تہر تھی بلا تھی قیامت تھی جان نہین

کامل اِس فرقۂ زہاد مین اُٹھا نہ کوئی   کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

مکھڑا وہ عقدِ زلفِ سیہ فام یہ کافر   کیا خاک جیئے کوئی شب ایسی سحر ایسی

ایک مجموعہ ہی جس مین فارسی انشاپردازی کا اعلیٰ نمونہ ظاہر ہوتا ہی، ایک سفرنامہ ہے، ترغیب السالک الی احسن المسالک فارسی نام اوس کا رہ آورد ہی،

علاوہ اِن کتابون کے ایک بسوط تالیف گلشنِ بیخار ہی جس مین ریختہ گو شعرا کے انتخابی کلام کو فراہم کیا ہی، اوس کو دیکھکر ان کی سخن فہمی کی بیساختہ داد دینی پڑتی ہی،

نواب دیندار اور مذہبی آدمی تھے، جوانی مین مولانا شاہ اسحٰق محدثؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، وہ ہندوستان سے ہجرت فرما گئے صحبت میسر نہین ہوئی، پھر جب خدا کی توفیق نے رہبری کی حضرت شاہ عبدالغنی محدثؒ سے تجدید بیعت کرکے حلقہ مشائخ مین داخل ہو گئے، اِس لحاظ سے وہ دنیا خورد و عقبیٰ برد کے صحیح مصداق تھے،

تریسٹھ برس کی عمر پائی اور ۱۲۸۶ھ مین دنیا سے انتقال کیا،

ہائے اوس برقِ جہان سوز پہ آنا دل کا ‏ ‏ سمجھے جو گرمیٔ ہنگامہ جلانا دل کا

ایک نالہ مین ستمہائے فلک سے چھوٹے ‏ ‏ جس کو دشوار سمجھتے تھے سو آسان نکلا

کب طالعِ خفتہ نے دیا خواب مین آنے ‏ ‏ وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہین سکتا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین ‏ ‏ دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی ‏ ‏ صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

کیا جانے گزری غیر پہ کیا اوسکی بزم مین   آئے وہ اِس طرح سے مجھے پیار آ گیا

کس لئے لطف کی باتین ہین پھر   کیا کوئی اور ستم یاد آیا

کہتا تھا وقت نزع کے ہر اِک سے شیفتہ   دینا کسی کو دل تو وفا دار دیکھکر

جو بات میکدے مین ہی اِک اِک زبان پر   افسوس مدرسہ مین ہو بالکل نہان ہنوز
اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی   کچھ رہ گئے ہین خار و خسِ آشیان ہنوز

عبث ہی شیفتہ ہر اِک سے پوچھتے پھرنا   ملے گا بادہ کشون سے نشانِ بادہ فروش

کہتے ہین بے وفا مجھے مینے جو یہ کہا   مرتے رہین گے تم ہی پہ جیتے ہین جب تلک
یان عجز بے ریا ہی نہ وان نازِ دلفریب   شکرِ بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

ہین جان بلب کسی کی اشارت کی دیر ہے   دیکھے ہو اوس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ   دو اشک بھی بہت ہین اگر کچھ اثر کرین

دشمن نواز یار دو فلک بو الہوس پرست   کس سے جفائے غیر کا یارب گلہ کرون

کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہین
لے دل یہ یاد رکھیو کہ ہم ہین تو تو نہین

آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت مین کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ مین

آہ و زاری نارسا شوقِ اسیری بے اثر
کون لائے آشیانے تک مرے صیاد کو

ننگِ مہمانیٔ دشمن بھی کیا ہمنے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

ناصح تری زبان ترے بس مین نہو تو پھر
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے

اے جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہو اب چلے

ایسی رغبت سے قتلِ گمان کاہے کو تھا
شیفتہ اوس کو تو لو تم سے محبت نکلی

اے عدو کس لیے ناز ان ہی سمجھ تو آخر
جس سے ہم خار ہوئے ہین یہ وہی عزت ہی

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
مین کیا کہون کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

جس لب کے بوسے غیر لے اوس لب کے شیفتہ
کم بخت گالیان بھی نہین تیرے واسطے

سحر اون کو ارادہ ہی سفر کا   قیامت آنے مین شب درمیان ہی.

کرامت علی شہیدی

در عروض دستگاہے معقول دارد و حساب مکانیتے مقبول در بلاد پنجاب و گجرات
بیشتر بسر بردہ گاہ گاہ بدہلی وارد شدہ ہنگام ورود دہلی با راقم آثم بارہا برخوردہ مردے
تکلف دوارستہ مزاج و وسیع المشرب ست آزادانہ مزید اہم گلشن بیخار،

کرامت علی نام شہیدی تخلص عبدالرسول خان کے بیٹے تھے، بانس بریلی وطن تھا،
مگر لکھنؤ مین نشو ونما ہوا مصحفی سے مشق سخن کی جب ان کا انتقال ہوگیا تو شاہ نصیر کو
دکھانے لگے شعر وسخن مین ایسی قدرت کامل بہم پہونچائی تھی کہ زمین کیسی ہی سنگلاخ ہو
ایک طرح مین چو غزلہ وپنج غزلہ لکھتے تھے، اور کوئی غزل پچیس وپنتیس شعر سے کم کی نہوتی
یار باش زندہ دل، بزلہ سنج، مرنجان مرنج اور وارستہ مزاج آدمی تھے،
والد مرحوم فرماتے تھے کہ شیخ عابد علی بلندی ایک سیر چشم، مہمان نواز آدمی ضلع
فتحپور ہنسوہ کے رہنے والے، اودے پور مین کسی بڑے عہدہ پر مامور تھے اون کا
اور شہیدی کا بہت دنون ساتھ رہا ہی، ابتداء ملازمت مین وہ اور شہیدی نیمچہ کی
چھاونی مین سرکار انگریزی کے ملازم ہوئے تھے،
شہیدی کا تعلق کمسریٹ سے تھا، بہت سا روپیہ یار باشی مین انھون نے
اڑا دیا، جب حساب طلب ہوا تو ہاتھون کے طوطے اڑ گئے، مگر تھے طبیعت دار
بس مکان مین دفتر تھا اوسی کے ایک حصہ مین رہتے بھی تھے رات کو اوس مین آگ

لگا دی، ان کے سامان کے ساتھ دفتر بھی جلکر خاک سیاہ ہوگیا، یہ کچھ دنون کے لئے دیوانے بن گئے اور خدا خدا کرکے جان بچی،

سرکاری ملازمت کے جاتے رہنے پر کوئی تعلق گوارا نہین کیا، سیر و سیاحت مین زندگی بسر کرتے رہے، بھوپال، دلی، اجمیر، پنجاب اور گجرات مین اکثر دورہ ہوتا رہتا تھا اور ان مقامات مین کثرت سے دوست احباب پیدا کرلیے تھے،

۱۲۵۵ھ مین حج و زیارت کے ارادہ سے گھر سے نکلے، اوسی سال فریضۂ حج ادا کرکے مدینۂ منورہ جارہے تھے کہ راستہ مین بیمار پڑے ۱۴ صفر ۱۲۵۶ھ کو جس وقت تمام منزلین طے کرتے ہوئے ایسے مقام پر پہونچے جہان سے روضۂ مطہرہ نظر آتا تھا ایک حسرتناک نظر اوس پر ڈالی اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرگیا،

ان کے مشہور قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ طلب ہین جس مین اونھون نے اسی کی تمنا کی ہے، کیسے خوش نصیب تھے کہ جن کی آرزو ایک حد تک پوری ہوگئی،

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب
میسر ہو طواف اے کاش مجکو تیری مرقد کا

کبھی نزدیک جاکر آستانہ پر ملون آنکھین
کبھی گرد و پیش بیٹھون مین کرون نظارہ گنبد کا

فراغ دل سے گروان زندگی کا کوئی دم گزرے
حسد ہو خضر و عیسیٰ کو مرے عیش مخلّد کا

مدینہ کی زمین کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا مین وان کے طعمۂ ہون مین دام و دد کا

تمنا ہے درختون پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

غزلون کے انتخابی شعر ملاحظہ ہون،

قدر سب چاہنے والون کی ترے دیکھ چکے
خوار رہتا ہے پرانا تو پشیمان نیا

عام ہین اوس کے تو الطاف شہیدی سب پر　　تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

وعدۂ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح　　وہ اوسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا

شہیدی حشر کے دن بھی ہمارا ہو چکا اُٹھنا　　یہی عالم رہا بعدِ فنا گر ناتوانی کا

فضائے باغ سے ہی گوشۂ قفس خوشتر　　گر اپنے دل مین نہ ہو دغدغہ رہائی کا

ہو چلا خنجرِ بیداد کا بسمل ٹھنڈا　　لے ہوا ابتو کلیجہ ترا قاتل ٹھنڈا

مین تو سمجھاؤن ہزار اوس کو شہیدی لیکن　　میرے سمجھانے سے اب یہ دلِ شدا سمجھا

اغیار کا منہ تھا مجھے محفل سے اُٹھاتے　　سچ یہ ہی تری رنجشِ بیجا نے اُٹھایا

بیمارِ محبت کو اب اللہ شفا دے　　سنتے ہین کہ ہاتھ اوس سے مسیحا نے اُٹھایا

اندوہِ دائمی مین کٹے کس خوشی سے عمر　　گر مجکو غم نہ ہو طربِ گاہ گاہ کا

کر چکے نیم نگہ پر مرے دِل کا سودا　　نہ خرید و یہ ابھی اور بھی ارزان ہو گا

سیکھے ہے ہم سے کوئی ضبطِ جنون کے انداز　　برسون پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

بیقراری دل کی مین کیونکر بتاؤن یار کو　　سینہ پر جب ہاتھ رکھتا ہی ٹھہر جاتا ہی دل

ہر وضع کے اِنسان سے ملاقات ہی اون کو　　سب خلق مدارات کے قابل ہی مگر ہم

دوستو گر ہم سے کچھ خلقی ہو رکھنا تم معاف　　فرقت جانان مین اپنے جی سے ہین بیزار ہم

رحم آتا ہے مجھے اِس نوجوانی پر تری　　اے شہیدی رات دن کا رنج و غم اچھا نہین

اے روزِ قیامت ادب اوسکا ہی تجھے فرض　　ہے تجھ سے بڑی میری شبِ تار کئی دن

ناکامئِ جاوید کی ہم مانتے منت　　افسوس شہیدی تری تربت نہین ملتی

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہین کٹتے　　دن عیش کے گھڑیون مین گزر جاتے ہین کیسے
وہ وقت تو آنے دے بتادین گے شہیدی　　بن آے کسی شخص پہ مرجاتے ہین کیسے

سب طالب اپنے اپنے ہون مطلوب سے بہم　　ہین نامراد ایک ہمین تیرے واسطے

ان کے دیوانون کو بھی کیا ضبط ہے اوقات کا — دو پہر ہنستے رہے گر دو پہر رو یا کیے
دِل کے جانے کا شہیدی واقعہ ایسا نہین — کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رو یا کیے

حصۂ سوم

طبقۂ متاخرین

دور اوّل

دلی کی تباہی کے بعد ارباب فضل وکمال کا کوئی ملجا و ماوی نہین رہا کچھ لوگ مرشد آباد و عظیم آباد چلے گئے، کچھ حیدر آباد گئے، مگر یہ مقامات دلی سے اتنے دور تھے اور سفر مین اتنی دشواریان تھین کہ ہر ایک کو ان مقامون پہ جانے کی ہمت نہین پڑتی تھی، خصوصًا ایسی حالت مین کہ مرہٹون کی ایک نئی طاقت ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنے کی زور آزمائی کر رہی تھی، کبھی بجلی بن کر دکن پر کوندتی کبھی بنگالہ مین آکر گرجتی تھی، اوس زمانہ مین ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو راتون کو میٹھی نیند سو سکتا ہو،

دلی سے قریب تر فرخ آباد اور فیض آباد دو مقام ایسے تھے جہان ان بدنصیب اور خانمان آوارہ لوگون کی تھوڑی بہت قدردانی ہوتی تھی، فرخ آباد کی ریاست تباہ ہوئی، اور فیض آباد سے نواب آصف الدولہ نے دار السلطنت لکھنؤ کو منتقل کیا تو صرف لکھنؤ اون کا ملجا و ماوی رہ گیا،

ایک خاص سبب اور بھی فیض آباد یا لکھنؤ کی ترجیح کا یہ پیدا ہوا کہ نواب موتمن الدولہ محمد اسحق خان شوستری کی بیٹی امۃ الزہرا بیگم نواب شجاع الدولہ کو بیاہی گئین پھر ان کے بیٹے نواب آصف الدولہ کی شادی نواب خانخانان کی بیٹی سے ہوئی، ان بیگمون کے اعزہ

اور متوسلین فیض آباد آ بسے اور چند دنون کے بعد لکھنؤ مین آکر بود و باش اختیار کی،

امۃ الزہرا بیگم محمد شاہ بادشاہ دلی کی منھ بولی بیٹی تھین، نہایت سیر چشم فیاض اور مہمان نواز اھون نے آدھی دلی کو اپنی طرف کھینچ لیا،

اتفاق دیکھو کہ پہلے میرزا جوان بخت شاہ عالم بادشاہ کے ولی عہد لکھنؤ آئے یہ کچھ دنون رہ کر بنارس چلے گئے، پھر ان کے بھائی مرزا سلیمان شکوہ آئے اور وہ یہین رہ پڑے، اِن کی وجہ سے بھی کچھ دلی کے بھولے بھٹکے آکر جمع ہو گئے، شاہزادہ کو بھی اپنے خانہ زادون پر لطف و کرم تھا، جہانتک ہوسکتا وہ اُن لوگون کو سمیٹے رہتے تھے،

علّامہ سراج الدین علی خان آرزو اور میر غلام حسین ضاحک وغیرہ بہت پہلے فیض آباد آکر بہو بیگم کے لائق بھائی نواب مرزا علی خان اور نواب سالار جنگ کے سایۂ عاطفت مین زندگی بسر کر رہے تھے، لکھنؤ کے دار السلطنت ہونے پر میر ضاحک کے بیٹے میر حسن اور پوتے میر مستحسن خلیق لکھنو آبسے،

میر سوز اور مرزا رفیع فرخ آباد مین نواب مہربان خان رند کی مہربانی سے زندگی بسر کر رہے تھے، جب وہان کا کھیل بگڑا تو فیض آباد پھر لکھنؤ آگئے،

میر محمد تقی میر کی وضعداری نے مدتون اون کو دلی سے نکلنے نہ دیا، آخر کبتک وہ بھی گھبرا کر لکھنؤ آگئے، پھر شیخ غلام ہمدانی مصحفی، میر ولی اللہ محب، میر غلام حسین برشتہ، میر انشاء اللہ خان اور جرأت بھی آگئے،

مرزا قتیل اور قاضی محمد صادق اختر نے بھی لکھنؤ مین مستقل سکونت اختیار کر لی غرض کہ لکھنؤ مین دلی کی سبھا پوری کی پوری اُٹھکر آگئی، اور گھر گھر شعر و شاعری کا چرچا ہونے لگا، یہ وہ زمانہ ہے کہ فرمانروایان اودھ نواب وزیر کہلاتے تھے، اور دلی کے برائے نام

بادشاہ کی طرف سے خطاب اور خلعت وزارت اِن کے لیئے آیا کرتا تھا، سرکار کمپنی نے ایک خاص اثر کی بنا پر ان کو شہ دی اور نواب غازی الدین حیدر نے تاج شاہی سر پر رکھکر دلی کی برائے نام وزارت سے سبکدوشی حاصل کی،

نئے بادشاہ کی نئی نئی اُمنگین، دولت کی فراوانی، نواب سعادت علیخان کا جمع کیا ہوا اٹھتر کرور روپیہ کا خزانہ، ہر طرف سے عیش و عشرت کی موجین آنے لگین اور گھر گھر شادیانے بجنے لگے، بقول سحر،

خدا آباد رکھے لکھنؤ کے خوش مزاجون کو   ہر اک گھر خانۂ شادی ہے ہر کوچہ ہے عشرت کا

وضع قطع لباس خورونوش اور ماند و بود غرض کہ زندگی کے ہر شعبے مین تراش خراش نے نئے نئے انداز پیدا کردیئے، گنبد نما دستار کی جگہ ٹلکی اور نکیلی ٹوپی جامہ و نیمہ کی جگہ چست شلوکہ اور انگرکھہ، شلوار کی جگہ کلی دار غرارہ یا چوڑی دار پائجامہ سلیم شاہی کی جگہ انی دار کفش یا بے نوک کا لکھنؤ اجوتا اِسی طرح ہر چیز کو قیاس کرو، ہر چیز نئی زمین نئی آسمان نیا ہو گیا،

کہن سال اور کہنہ مشق شاعر جن کی عمرین دلی کی آب وہوا مین بسر ہوئی تھین ایک ایک کرکے رخصت ہوتے گئے، نوجوانون نے میدان خالی پایا تو اون کی جوانی کی اُمنگین اُبھر آئین، زبان کی تراش خراش کرکے بدمزہ اور ناگوار الفاظ جو اون کے زمانے مین عموماً مُروّج تھے ترک کردیئے، مثلاً

آئے ہے، جائے ہے، کھوئے ہے، ٹک، نت یا جمع مونث کے فعلون کو الف نون کے ساتھ آئیان، جائیان، اِسی طرح موصوف جمع ہو اور صفت لفظ ہندی تو موصوف کی مناسبت سے صفت کو جمع بولنا جیسے بھاریان، اِن سب کو خلاف فصاحت قرار دیا جس کو بالآخر دلی والون کو بھی ماننا پڑا، اور اہل لکھنؤ دلی والون کی تقلید سے اوسی طرح آزاد ہو گئے جیسے

نواب وزیر نے دلی کی بادشاہی کے خطاب اور خلعت وزارت سے آزادی حاصل کر لی تھی،
مگر افسوس ہے کہ ان بزرگون نے زبان کی تراش خراش پر قناعت نہین کی، اپنی بلند
پروازی کے زور مین قوت تخئیل و حسن تعلیل مین اعتدال ملحوظ نہ رکھنے سے ایسے اوج پر پہونچے
جہان آفتاب تارا بن گیا اور دل پر اثر کرنے کی جگہ زبانون پر صرف واہ واہ رہ گئی،
چونکہ اسی مضمون کو مقدمہ مین بیان کر چکا ہون، لہذا اس جگہ اس سے زیادہ لکھنے
کی ضرورت نہین،

شیخ امام بخش ناسخ

والا مایہ عالی پایہ بلند اندیشہ نازک خیال است و در تلاش مضمون تازہ و معنی سیراب
بے مثل و مثال از اقسام سخن درہی بغزل سرای مائل وغیر از رباعیات صفحی آخر از و
دیدہ نشد اہ گلشن بیخار،

شیخ[1] امام بخش نام ناسخ تخلص، خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے تھے، اور بعض اشخاص
کہتے ہین اوس نے متبنی کیا تھا، بچپن فیض آباد مین بسر کیا اوس زمانے کے رواج کے موافق
ورزش پر طبیعت مائل ہوئی ہزارون ڈنڈ کرتے اور سیکڑون ہاتھ جوڑیون کے ہلاتے ورزش
سے بدن کسرتی اور پھرتیلا ہو گیا تھا،
نواب محمد تقی فیض آباد کے ایک امیر کو ایسے بانکون ترچھون کے رکھنے کا شوق تھا،

---

[1] ناسخ و آتش گو باعتبار زمانہ کے ذوق و غالب کے معاصر ہین، اس لئے ان کو طبقۂ متوسطین کے
دور سوم مین جگہ ملنی چاہیئے، مگر مصنف مرحوم نے اون کی شاعری کی عمر اور نشو و نما کے لحاظ سے ان کو
متاخرین کے طبقۂ اول مین شمار کیا ہے، سید سلیمان ندوی،

اِن کو نوکر رکھکر اپنے ساتھ لکھنؤ لائے، سیاہ فام مضبوط اور گٹھا ہوا بدن سر منڈا ہوا ڈاڑھی خشخشی بانکپن کے ساتھ جاڑون مین شب کو نواب صاحب کے مکان کے پنبئی پر دے اوڑھتے اور دن کو باریک ململ کے کپڑے پہنکر ادھر اودھر اکڑتے پھرتے،

بڑے بوڑھے کہتے ہین کہ لکھنؤ مین میر کاظم علی ایک رئیس تھے انھون نے اِن کو اپنا فرزند بنالیا تھا وہ مرے تو اچھی خاصی دولت وصیت نامہ کی رُو سے ان کو مِلگئی اب آسودہ حال ہوگئے اور ٹکسال مین ایک مکان لے کر بود و باش اختیار کی،

حُسن اتفاق سے مکان کے سامنے گلی بیچ مولوی وارث علی کا کمرہ تھا وہ گھر بیٹھے طلبہ کو مفت درس دیا کرتے تھے اِن کو بھی شوق ہوا، جو کتاب وہ پڑھاتے اور انکے مناسب حسب حال ہوتی لیکر بیٹھ جاتے اور روز کے روز سبق یاد کر لیتے اسی طرح رفتہ رفتہ اچھی خاصی استعداد ہوگئی، جو فن شاعری کی ضروریات پورا کرنے کو کافی تھی،

شاعری مین کسی کے شاگرد نہ تھے مگر ابتدا سے شعر کا عشق تھا جو غالبًا نواب میر محمد تقی کی ملازمت مین پیدا ہوا ہوگا جو خود شاعر تھے اور ادن کا گھر شاعرون کا ملجا و ماوی تھا، پھر لکھنؤ آئے تو یہان جرأت کی گرم بازاری اور مصحفی و انشا کے ہنگامے آنکھون سے دیکھے، وہ شوق یہان آکر چمک گیا، چپکے چپکے شعر کہتے اور کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے بعضونکا خیال ہے کہ ابتدا مین مصحفی سے اِصلاح بھی لیتے تھے، کوئی کہتا ہے کہ مصحفی کے شاگردون مین محمد عیسیٰ تنہا ایک شخص تھے اون سے تنہائی مین مشورہ کرتے تھے، جب اطمینان ہوا تو مشاعرون مین غزلین پڑھنے لگے،

---

[1] حسرت موہانی نے اُردوے معلی مین مصحفی کے دیوان ششم کے دیباچہ سے ایک فقرہ نقل کیا ہے جس سے اِس خیال کی تائید ہوتی ہے مصحفی نے لکھا ہے کہ حصہ نعت الوان مین خواجہ آتش ناسخ کہ یکے از دوستان محمد عیسیٰ تنہا است بقیم برسوحی ازتہ دل دارد مقسوم گشت“

اوس زمانے مین مرزا حاجی[1] ایک امیرزادے تھے جو خود بھی ذی استعداد تھے، اور اون کی سرکار مین مرزا قتیل، قاضی محمد صادق خان اختر[2] اور بہت سے اہل کمال جمع رہتے تھے،

---

[1] مرزا حاجی لکھنؤ کے بڑے عالی خاندان امیرزادے تھے، نام قمرالدین احمد تھا، والد کا نام مرزا فخرالدین احمد مگر مرزا جعفر کے نام سے مشہور تھے، نواب حسن رضا خاں اُن کے ماموں تھے، مرزا جعفر نے درسی کتابیں ملا مبین فرنگی محلی سے، دینیات مولوی سید دلدار علی مجتہد عصر سے اور فنون ریاضیہ خان علامہ تفضل حسین خاں سے پڑھی تھیں اور خان علامہ کے عہد نیابت میں بخشی گری کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز ہوئے،

مرزا حاجی اِسی نامور باپ کے بیٹے اور خاندانی حیثیت سے مرزا زین الدین عالمگیری کی اولاد مین تھے، علوم و فنون مین صاحب استعداد و مذاق سخن سے آشنا اور مسٹر جان بیلی رزیڈنٹ لکھنؤ کے نفس ناطقہ تھے، نواب غازی الدین حیدر کے زمانۂ نوابی میں اِن کا رسوخ بہت بڑھ گیا تھا، پانچہزار روپیہ ماہوار تنخواہ تھی، اور نواب وزیر کو بجز اوقات استراحت کے ان کی مفارقت ایک گھڑی کو گوارا نہ تھی، عام دستور کے مواقف اِن کا گھر اوس زمانے مین قبلۂ حاجات بنا ہوا تھا،

مرزا قتیل قاضی محمد صادق خان اختر اور دیگر اہل فضل و کمال اِن کے مصاحبت میں رہتے تھے، شعر و سخن کا مشغلہ زبان کی تراش خراش اور تحقیقات علمی کا ہنگامہ گرم رہتا تھا، اسی صحبت مین شیخ امام بخش ناسخ کا نشو و نما ہوا

چند روز کے بعد نواب معتمد الدولہ کا زمانہ موافق ہوا انھون نے مرزا حاجی کو گھر مین بٹھا دیا، ایک مدت تک نظربند رہے اِن کے تمام اعزہ جو سلطان پور، رائے بریلی اور سلون کی نظامتوں پر مامور تھے، محاسبہ کے شکنجے میں کسے گئے، مرزا حاجی کا لاکھوں روپیہ برباد ہوا، اور آخرکار ۱۲۳۶ھ مین جلاوطن کئے گئے، اور اون کی املاک نواب محسن الدولہ بہادر کو دلا دی تاکہ پھر واپس آئین تو اون سے نہ لے سکین، یہ کچھ دنون کانپور مین رہے، اس کے بعد نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخاں نے فرخ آباد بلا لیا، علاوہ مصارف معمولی کے دو سو روپیہ ماہوار اون کی جیب خرچ کو مقرر کر دیئے، جب حکیم مہدی وزیر ہوکر لکھنؤ آئے تو اِن کو اپنے ساتھ لائے، املاک پدری تو مل گئی مگر جس قدر املاک نواب محسن الدولہ کے پاس تھی نہ مل سکی، (بقیہ حواشی ۱ و ۲ صفحہ آئندہ پر)

شیخ امام بخش ناسخ کو خوش قسمتی سے مرزا کے دربار مین رسائی ہوگئی، اون کی صحبت مین
ان کو بھی زبان کی تراش خراش اور تحقیق و تدقیق کا چسکا پڑا اور اون کے ول بڑہانے سے

(بقیہ حواشی صفحہ گزشتہ ؁ و ؁) حکیم مہدی کی معزولی کے بعد بھی یہ لکھنؤ مین رہے، مگر نواب روشن الدولہ کی وزارت مین باوجودیکہ وہ ان کے عزیز تھے مگر کبوہون کی سازش سے پھر ان کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا، صرف دو ہزار روپیہ سالانہ ان کو دربار شاہی سے ملتا رہا، یہ کانپور مین کسی نہ کسی طرح گزر کرتے رہے، واجد علی شاہ کے زمانہ مین نواب علی نقی خان کی مہربانی سے جو ان کے رشتہ دار تھے، دوبارہ لکھنؤ دیکھنا نصیب ہوا، مگر چند روز کے بعد ۱۲۷۵؁ھ مین دنیا سے گزر گئے،

؁ قاضی محمد صادق خاں ہوگلی کے رہنے والے مرزا قتیل کے شاگرد اور بڑے بامذاق شاعر تھے، کچھ دنون غازی الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ کے زمانے مین خوشحالی سے زندگی بسر کی، اور محامد حیدریہ ایک کتاب غازی الدین حیدر کی تعریف مین لکھی، اخیر زمانے مین واجد علیشاہ کے ہان رسائی ہوگئی تھی، اسی سے لکھنؤ کو اپنا وطن بنالیا تھا اور غدر ؁ھ کے بعد یہین پیوند خاک ہوئے، تصنیفات مین لوامع النور فی وجوہ المنشور انشا پردازی مین دو دیوان فارسی اور اُردو کے، ایک تذکرہ آفتاب عالم تاب بہت ضخیم و حجیم جسمین چار ہزار دو سو چونسٹھ ۴۲۶۴ فارسی شعرا کا ذکر کیا ہے، علاوہ ان کے نور الانشا، گنج بے رنج وغیرہ چند کتابین اور بھی ہین، اُن کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو

کل شیخ بن کے مجتہدِ عصر سا تپا	دکھلا کے باغ سبز ثواب و عذاب کا
کہنے لگا زراہ تحتر مجھے بہ طنز	معلوم ہوگا حشر مین پینا شراب کا
مینے کہا کہ مین بھی ہون یہ خوب جانتا	پر کیا کرون کہ ہے ابھی عالم شباب کا
گستاخی ہو معاف تو اک عرض مین کرون	لیکن نہ کیجیے مجھے مورد عتاب کا
مے ہو اور کنج باغ ہو ساقی ہو ماہ وش	اور کوئی بھی محل ہو باعث حجاب کا
گردن مین ہاتھ ڈالکے وہ شوخ بیحجاب	یہ ریش جسپہ جلوہ ہے رنگ خضاب کا

(نقش و نگار ... [illegible])

کلام نے روز بروز رنگ پکڑنا شروع کیا، رفتہ رفتہ دل مین اُمنگ اور طبیعت مین جوش بڑھ گیا،

اوس پر خدا ساز بات یہ ہوئی کہ مرزا حاجی کی ہم نشینی نے ان کی شخصیت بڑھا دی اہل فہم اور اہل کمال ان کی طرف کھنچ کھنچ کر آنے اور اپنی مطلب برآری کا ذریعہ سمجھنے لگے غرض کہ مرزا حاجی کی مہربانی سے اِن کی شاعری خوب چمکی اور ان کو لکھنؤ مین رشد و فروغ قبل از وقت حاصل ہو گیا،

چند روز کے بعد نواب معتمد الدولہ[۱] کا دوبارہ عروج ہوا، اور مرزا حاجی نظربند ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کھنچ اسکو اور اپنے ملا کر وہ منہ سے منھ — دے ذائقہ زبان کو دہن کے لعاب کا
منت سے یہ کہے کہ ہمارا لہو پیئے — گر پی نہ جائے جلد یہ پیالہ شراب کا
اوس وقت مین سلام کرون قبلہ آپ کو — گر کچھ بھی خوف کیجیے روز حساب کا
اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام — قائل نہین ہی قبلہ کسی شیخ و شاب کا

[۱] آغا میر کا نام سید محمد خطاب معتمد الدولہ مختار الملک ضیغم جنگ تھا کشمیر کے رہنے والے غازی الدین حیدر کی نواب زادگی مین اون کے معتمد خاص تھے، جب وہ نواب وزیر ہوئے تو یہ نائب وہ بادشاہ ہوئے تو یہ وزیر قرار پائے غازی الدین حیدر نے قسم کھائی تھی کہ وہ مسکرات کے قریب نہ جائیں گے، چند روز ہوش گوش سے کام کرتے رہے یہ آغا میر کو کیونکر گوارا ہو سکتا تھا، انھون نے عرض کیا کہ پیر مرشد نے حضرت عباسؑ کی قسم کھائی ہی اور غلام بنی فاطمہ ہی، اِس کا مظلمہ غلام کے ذمہ ہی ع۔ تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر، پھر تو وہ ایسے بدمست ہوئے کہ حس بد نصیب کو نواب نے داخل اموات کر دیا اوس کو اگر بادشاہ نے کہین راہ مین دیکھکر پہچانا اور نواب سے کہا کہ یہ تو جیتا ہی، عرض کرتے اِس کو غلام چشم بشری سے نہیں دیکھ سکتا، پیر و مرشد کی چشم مبارک البتہ عالم ارواح کو دیکھ سکتی ہی، حاضرین بھی نواب کے خوف سے یہی عرض کرتے اِس طرح سے رفتہ رفتہ انکا اقتدار بڑھ گیا، (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

شیخ صاحب چونکہ مرزا کے محرم راز اور مقرب خاص تھے چھپ چھپ کر اون سے ملتے رہے نواب کو خبر ہوئی تو اون کو بھی گھر مین بٹھا دیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بادشاہ اکثر مصاحبین کے سامنے فرماتے کہ خداوندا میں کسی طرح ظلم کا روادار نہین، یہ شخص بھی ظالم ہے اگر کوئی بات عدل و انصاف کے خلاف سرزد ہو تو اوس کا بھی ذمہ دار ہے، مگر حالت یہ تھی کہ ہر شخص کی عافیت تنگ تھی، جعل و فریب کا بازار گرم تھا، ملازمین و متوسلین کی تنخواہین کئی کئی سال کی چڑھی ہوئی جس طرح سے بن پڑتا وہ لوٹ مار کرکے پیٹ پالتے تھے، سوداگروں سے مال و اسباب خرید کیا جاتا تھا، اور برسوں قیمت نہیں ملتی تھی، ریذیڈنٹ تک کوئی پہونچ گیا تو قیمت ملی ورنہ جان کی بھی خیر نہیں اسی لئے محلسرائیں سوائین تو سیکڑوں کی خانہ ویرانی ہوگئی اور ایک کروڑ سے کم عمارتون پر خرچ نہیں کیا، مگر زندگی بھر اوس میں رہنا نصیب نہ ہوا، حیدر وزکے بعد نکالے گئے، اور ہمارے بچپن مین وہ عالیشان عمارتیں کھد کر اوس کی اینٹین لکھنؤ سے سیتاپور تک ریلوے لائن میں بچھا دی گئیں، عالیشان سرائے اون کی تعمیر کردہ رہگئی تھی وہ اب جا کر کھدی اور وہاں پارک بن گیا ہے، نواب کی سخاوت وفیاضی کے ایسے ایسے قصے مشہور ہیں کہ آج انکو مشکل سے لوگ باور کریں گے، ہمارے بچپن تک ایسے صدہا لوگ موجود تھے جنھوں نے انسے فائدہ اُٹھایا ہے، اور جو معمولی حیثیت مین لکھنؤ آئے، دوسرے دن اون کے دروازے ہاتھی جھولنے لگے خدا جانے کہاں تک سچ ہے، سید محمد میرزا اثر نے قیصر التواریخ میں لکھا ہے کہ میر بندہ علی ایک عالی خاندان مفلس ہوکر لکھنؤ آئے مسخرگی پیشہ کی بدولت نواب کے مصاحب ہوگئے، وہ کہتے تھے کہ نواب کے ہاتھوں گیارہ سال میں چھ دو لاکھ روپیہ میں نے پایا، محمد خان اون کا خدمتگار تھا اوس کے پاس چالیس ہزار روپیہ جیب خاص کا تھا، اوس نے ایک دن عرض کیا کہ ایک چکلہ دار قید سے کہتا ہے کہ قید سے نجات پاؤں تو دس ہزار روپیہ دونگا، فرمایا جو تمہارے پاس ہے پہلے اُسے لیلو پھر اوس سے لینا،

کشمیر سے اوس زمانہ میں نادر اور تحفہ مال آیا کرتا تھا، ایک ایک سہ گرہ رومال پانچ پانچ ہزار تک کو نواب نے لیا تھا، ایک دن دوشالہ اوڑھے ہوئے اصلاح بنوا رہے تھے، خاص تراش دوشالہ کو دیکھ رہا تھا، پوچھا کیا دیکھتا ہے عرض کیا غلام کو حضور کی بدولت دوشالے بہت نصیب ہوئے مگر یہ ایسا ہے کہ آدمی اسے دیکھا کرے، اُتار کر اُسی کو دیدیا، (بقیہ صفحہ آئندہ)

ایک دن اون کے بُلانے کو چوبدار آیا سمجھے کہ رنگ بے رنگ ہی، مبادا بے آبروئی ہو، چوبدار سے کہا کہ تم ٹھہرو مین سواری کی فکر کرون، اوس نے کہا کہ مین کوتوال سے کہہ کر سواری لاتا ہون، وہ اودھر گیا اور یہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے، جہان جاتے مین نواب کے ڈر سے کوئی پناہ نہین دیتا، اتفاق سے میر اسد علی خان ملگئے انھون نے ان کو اپنے گھر مین پناہ دی، وہ نواب کے رشتہ دار تھے، کہہ سُن کر صفائی کرا دی،

نواب، مرزا کے استیصال کے درپے تھے، مطلب کا آدمی سمجھکر اون پر ڈورے ڈالے، یہ بھی ایسے لطیفۂ غیبی کے منتظر رہتے تھے، دنیا کے شرم و لحاظ سے کُھلکر آنا جانا پسند نہین کیا، نواب سے کہا کہ مین فقیر آدمی ہون مجھے گھر پر پڑا رہنے دیجئے انھون نے بھی کچھ سوچ سمجھکر سو روپیہ گھر بیٹھے کر دیئے، جب کوئی نیا مضمون پیش آتا ان سے کہلا بھیجتے یہ اپنی شاعری کے زور سے اوس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک مرتبہ سوار ہوئے گھوڑا ایتری کرنے لگا دوشالہ سنبھل نہ سکا، چھوٹے خان جا ایک سوار کھڑا تھا اُٹھا کر اوسکی طرف پھینکا اوس نے توشہ خانے میں داخل کردیا دوسرے دن وہی دوشالہ سامنے آیا تو فرمایا کہ میں نے اُسے دیا تھا یا رکھنے کو کہا تھا،

نواب سعادت علیخان نے خون جگر کھا کر ستّرہ کرور روپیہ جمع کیا تھا اوس میں سے ایک کرور روپیہ سرکار انگریزی کو بطور قرض مودکے دلوا دیا اور اوس کے پانچ فیصدی منافع سے صاحبات محل کی تنخواہون کا وثیقہ کرایا گیا بیگمات کے سلسلہ میں بیس ہزار ماہوار نواب کے دو ہزار اون کی بیوی کے دو ہزار بڑے بیٹے کے ایک ہزار بیٹی کے مقرر ہو گئے اور گورمنٹ انگریزی اس بات کی کفیل ہوئی کہ اون کی ہمیشہ حمایت کریگی اور اون کی جائداد ضرورت کے وقت اپنی حفاظت میں لے لیگی، بہرحال بادشاہ مذکور کے عہد دولت میں اونھوں نے عیش و عشرت سے بسر کی اور بے دریغ روپیہ صرف کیا،

بادشاہ کے مرنے پر نصیر الدین حیدر بادشاہ ہوئے، انھوں نے ان کو معزول و نظر بند کیا، چند روز کے بعد بحمایت سرکار انگریزی دو کرور روپیہ کا نقد و جنس لیکر کانپور چلے گئے، وہاں کوٹھیاں خرید کرکے ایک میا ستھرا آباد کیا، جبتک جیتے رہے پچاس ہزار روپیہ ماہوار کا صرف رہا، اون کے مرنے پر اولاد وثیقہ کی بدولت امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہی ہے،

موزون کر دیتے تھے،

بادشاہ بادۂ غفلت سے سرشار تھے، نواب نے خوب ہاتھ پانوں نکالے، مرزا کو جلا وطن کیا، بادشاہ بیگم کی جاگیر ضبط کرادی، مرزا نصیر الدین حیدر کا دربار بند کیا اور یہ فکر ہوئی کہ محسن الدولہ کو اپنے قابو مین کرلین،

نواب محسن الدولہ بادشاہ کے نواسے اور بادشاہ بیگم کے چہیتے تھے، مان کے مرنے کے بعد بادشاہ بیگم نے پرورش کیا تھا، اور ایک دم کو بھی اپنی نظرون سے اوجھل نہین ہونے دیتی تھین، مرزا انور علی شہزادے کے آخون شیخ صاحب دوست تھے ان کو ہموار کرلیا، اتفاق سے میر فضل علی (جو آگے چلکر اعتماد الدولہ ہون گے) بادشاہ بیگم کی سرکار مین داروغہ تھے، اون کی جزرسی اور کفایت شعاری کے نواب محسن الدولہ اکثر شاکی رہا کرتے تھے، آخون صاحب کو اس سے بہتر اور کیا موقع مل سکتا تھا، اب جب وہ شکایت کرتے یہ کہتے کہ ناناجان سے عرض کرو، اودہر معتمد الدولہ بادشاہ بیگم کی بے التفاتی کا ذکر کرتے رہتے تھے مگر بادشاہ کو یقین نہ آتا تھا، جب محسن الدولہ کو سکھا پڑھا کر تیار کرلیا تو ایک دن اون سے کہلایا کہ مجھکو محل مین تکلیف ہوتی ہے مین حضور کے قدمون تلے رہنا چاہتا ہون، اب بادشاہ کو یقین آگیا نواب کو حکم دیا کہ انتظام کرو یہان کیا دیر تھی، بیلی گارد کے قریب نیلم والی کوٹھی آراستہ کردی سواری اور تمام لوازم امارت خاطر خواہ درست کردیئے، آخون صاحب داروغہ مقرر ہوے شیخ صاحب کے وہ دوست تھے پھر کیا پوچھنا، مشہور تو یہ ہے کہ محسن الدولہ کی بدولت وہ ہمیشہ کے لیے فارغ البال ہوگئے اور معتمد الدولہ کے دل مین اون کی گنجائش بڑھ گئی،

پھر تو ان کی شاعری نے خوب زور پکڑا اور اون کے گھر پر لوگون کا مجمع بڑھنے لگا خواہ یہ سمجھو کہ شعر وسخن کے قدردان رہنچ کھینچ کر آنے لگے یا اسی پردے مین نواب معتمد الدولہ کی

نظر عنایت کے خواہشمندون کا جمگھٹا ہونے لگا، بہر حال پہلے مرزا حاجی پھر نواب معتمد الدولہ کی بدولت ان کی شاعری کا ہنگامہ خوب گرم ہوا اور لکھنؤ مین اون کی اوستادی کے ڈنکے بجنے لگے،

مگر افسوس ہی کہ اپنے جوڑ توڑ کی بدولت اون کو چین سے گھر مین رہنا نصیب نہین ہوا، حکیم مہدی[1] ایک فرزانہ و مدبر اہلکار اوس زمانہ مین تھے، معتمد الدولہ نے اون کو اپنا حریف

---

[1] حکیم مہدی منتظم الدولہ نواب مہدی علیخاں کشمیر کے رہنے والے بڑے مدبر اور زبردست شخصیت کے آدمی تھے، فضل و کمال کے ساتھ خدا نے عقل دور اندیش ان کو عطا کی تھی، ابو الفضل اور سعد اللہ خاں کی ٹکر کے آدمی تھے جان علامہ تو نرسے ملا تھے باوجودیکہ خوش قسمتی سے وزارت تک پہونچے مگر کوئی کام حسن نہیں پڑا، انھوں نے ایسے ایسے کار نمایاں کیے جن کی یادگار اب تک محو نہیں ہوئی،

ابتدا میں طبابت کی حیثیت سے نمایاں ہوئے رفتہ رفتہ نواب سعادت علیخان کے دربار مین ان کا رسوخ بڑھا اور کارگزاری کے جوہر کھلنے لگے اور اول درجہ کے اہلکار بن کر انھون نے بڑے بڑے کام کیے جب نواب کے بعد غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے اور اپنے معتمد خاص آغا میر کو نائب مقرر کیا، اوس نے دیکھا کہ یہ چلتے ہوئے آدمی ہین کسی نہ کسی طرح مجھے اکھیڑ پھینکین گے، یہ سوچ کر ان کو محمدی اور خیر آباد کی نظامت پر ہٹا دیا، مطلب یہ تھا کہ نواب وزیر سے دور بھی رہینگے اور سرکاری مطالبہ کی علت میں ان کو زیر بھی کیا جا سکے گا،

انھوں نے علاقہ کا اتنا عمدہ انتظام کیا کہ سرکاری مطالبہ سے بہت زیادہ وصول ہونے لگا اور لطف یہ کہ رعایا بھی سب راضی و خوش، اتفاق سے نواب گورنر جنرل نیپال جاتے ہوئے ادھر سے گزرے، انھون نے رسد رسانی کا اتنا عمدہ انتظام کیا کہ نواب گورنر جنرل نے ان کی حسن کارگزاری کی نسبت نواب وزیر کے ہان اپنی خوشنودی لکھ بھیجی نواب معتمد الدولہ کو اب اور بھی ان کی فکر پڑ گئی، رہمہ تن ان کے استیصال کے درپے ہو گئے، یہ بھی بے خبر نہ تھے قبل اس کے کہ ان کو گرفتار کیا جائے اہل و مال و اسباب تا بجہاں پور بھیجا خود بھی نکل گئے (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

سمجھکر نکلوا دیا، شیخ صاحب نے معتمد الدولہ کی رضاجوئی کے لئے غزل لکھی جس کا ایک مصرع ہے؏

کا شعر برائے پختن شلجم گریختہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) چند روز شاہجہانپور میں رہے اوس کے بعد فرخ آباد چلے گئے، اور وہان کوٹھیان بنگلے خرید کرکے عیش و آرام کرنے لگے،

شاہجہانپور مین گرہ ندی کا پل پتھر اور قلعہ کے درمیان مین انھین کا بنوایا ہوا ہے، فرخ آباد مین ایک عالیشان کاروان سرا بنوائی اور لکھنؤ سے فرخ آباد تک راستہ مین جہان جہان ضرورت تھی سرائیں، مسجدین اور پل بنوا دیئے، جس سے بہت عرصہ تک نیکنامی کے ساتھ لوگ ان کو یاد کرتے رہے،

نصیر الدین حیدر جب بادشاہ ہوئے تو انھون نے معتمد الدولہ کو معزول کرکے اعتماد الدولہ کو قلمدان وزارت تفویض کیا، کچھ دنون کے بعد اون سے بگڑے تو منتظم الدولہ یاد آئے ان کو بلا کر وزیر مقرر کیا، کم و بیش ڈھائی سال انھون نے وزارت کی اِس تھوڑے سے زمانے مین ملکی و مالی انتظام اتنا چست کر دیا کہ جو بدنظمیان معتمد الدولہ کے زمانۂ وزارت سے چلی آرہی تھین وہ سب دور ہوگئیں،

گومتی پر لوہے کا پل بنوایا جو ابتک موجود ہے، ایک انگریزی شفاخانہ بنوایا، ایک یونانی دارالشفا تیار کیا، ایک معمور خانہ جس مین اندھے، لولے، لنگڑے اور محتاج زن و مرد رہا کریں ان تینون کے لیئے جدا جدا عمارتین تیار کرائیں، مستقل تنخواہون پر ڈاکٹر اور حکیم نوکر رکھے اور ریذیڈنٹ لکھنؤ کی وساطت سے ان کے مصارف کے لیئے نوٹ خرید لیئے جس کی بدولت یہ تینون چیزین لکھنؤ مین ابتک موجود ہین، یونانی دارالشفا چوک مین انگریزی شفاخانہ وکٹوریہ گنج مین عام لوگون کی حاجت روائی کر رہے ہین،

ایک مدرسۂ سلطانیہ قایم کیا جس مین ہزار ہا لڑکے داخل کیئے گئے ہر بیس لڑکے پر ایک مدرس مقرر ہوا اور طلبہ کے لیئے فی کس پانچ روپیہ ماہوار کے حساب سے وظائف جاری ہوئے یہ مدرسہ نواب سعادت علیخان کے مقبرے کے جانب تمت والے ایوانوں میں قایم کیا گیا تھا جس کا اب نشان بھی نہین ہے، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

محمد خان قوال نے اِس غزل کو نواب کے سامنے گایا تو اوس کو ایکہزار روپیہ انعام ملا شیخ صاحب
کو جو کچھ دیا ہو اوس کا حال خدا کو معلوم ہی، اِس ایک دینے پر کیا ہی نواب اِن کے شاگرد
ہو گئے تھے، عمر بھر سلوک کرتے رہے اور اون کی بدولت انھون نے امیرانہ زندگی بسر کی،
مگر خدا کی قدرت دیکھو نصیر الدین حیدر نے تخت نشین ہوتے ہی معتمد الدولہ کو معزول
کر دیا، پہلے میر فضل علی کو اعتماد الدولہ کا خطاب دیکر وزیر بنایا جب اون سے کام نہ چلا تو حکیم
مہدی بلائے گئے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک مدرسہ اپنے روپے سے خاص کشامرہ کے لئے قایم کیا جس سے منتظم الدولہ کو خاص طور پر
دلچسپی تھی، ہر ہفتہ بچوں کا خود امتحان لیتے اور اپنے ہاں مدعو کرکے طرح طرح کے لذیذ کھانے اور میوے کھلاتے تھے،
ایک چھاپہ خانہ لیتھوگرافک کا قایم کیا زیر اہتمام مسٹر آرچر کے جس کی تنخواہ پانسو روپیہ ماہوار تھی، ایک
اسکول انگریزی تعلیم کے لئے قایم کیا اور سب سے زیادہ حوصلہ مندی کا کام رصد خانہ سلطانی کا اجرا تھا جو
کپتان ہربرٹ کے اہتمام سے قایم کیا گیا، اور عالیشان عمارتین اوس کے واسطے تعمیر کرائی گئین، مولوی
اسمٰعیل شہیدی وغیرہ علما اوس مین بطور طالب العلم داخل ہوئے،

افسوس ہی کہ منتظم الدولہ کو کام کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا، بادشاہ عیش پرستی کے ساتھ آتش مزاج بھی تھا
ان میں منافست و کشیدگی نواب سعادت علیخاں کی آنکھیں دیکھے ہوئے زیادہ دلوں تک نہ رہ سکی، ۱۲۴۸ھ
میں معزول ہو کر پھر فرخ آباد چلے گئے،

عرصہ کے بعد محمد علیشاہ کے زمانے میں پھر بلائے گئے وہ اِن کی کارگزاری سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے کیونکہ
نواب سعادت علیخاں کے وقت مین دونون اہلکار تھے، اِس زمانے میں ان کو کام کرنے کا بہترین موقع حاصل تھا مگر افسوس ہی
کہ موت نے مہلت نہ دی نو مہینے کے بعد آخر ماہ رمضان ۱۲۵۳ھ میں وفات پائی،

امین آباد سے شاہ مینا کو جاتے ہوئے اِن کا مقبرہ داسنے ہاتھ کو پڑتا ہی،

حکیم مہدی کو شیخ صاحب یاد آئے چوبدار بُلانے آیا، انھون نے اوس کو کچھ دے دلا کر راضی کیا کہ ان کو درباری لباس پہننے کی مہلت دے، اِدھر یہ پگڑی کے پیچ درست کرنے کے بہانے موقع ڈھونڈھنے لگے، اودھر چوبدار شربت پانی کی فکر مین لگا، شیخ صاحب موقع پاکر نکل کھڑے ہوئے اور فقیر محمد خان گویا کے ہان چھپ کر پہونچے، خانصاحب نے منشی گنج بہاری کے میانے مین پردہ ڈالکر زنانی سواری کی طرح کول ہار ان کو بھیجدیا وہان سے کانپور رہوتے ہوئے الہ آباد پہونچے اور شاہ ابو المعانی کے ہان دائرہ شاہ اجمل مین مہمان ہوئے وہان رہتے رہتے گھبرائے تو کانپور چلے آئے اسی سلسلہ مین بنارس اور عظیم آباد کی بھی سیر کی، جب حکیم مہدی معزول ہوکر فرخ آباد گئے تو خیریت سے گھر آئے، مگر پھر تاریخ کہی اور انصاف یہ ہے کہ خوب کہی،

افتاد حکیم از وزارت　　　تاریخ بطرز نو رقم کُن

از جاے حکیم ہشت برگیر　　　سہ مرتبہ نصف نصف کم کُن

چند دنون کے بعد حکیم مہدی کا ستارہ اقبال پھر چمکا، محمد علی شاہ نے قلمدان وزارت سپرد کیا، شیخ صاحب پھر بھاگے اور الہ آباد پہونچے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بار بار الہ آباد جانے سے گھبرا گئے تھے، اِس گھبراہٹ کو بات لطیف انداز سے ظاہر کیا ہی،

پھر پھر کے دائرہ مین رکھتا ہون مین قدم　　　آئی کہان سے گردشِ پرکار پانون مین

مگر تھے خوش قسمت کہ تھوڑے ہی دنون کے بعد حکیم مہدی کی وفات پر ۱۲۵۳ھ سے ہر ادون کی دوادوش کا خاتمہ ہوگیا اور اب کی دفعہ جو آئے تو مرکر بھی گھر سے نہ نکلے،

محمد علی شاہ نے سو روپیہ ماہوار گھر بیٹھے مقرر کر دیئے اور ہر سال قطعہ سال جلوس پر خلعت بھی عنایت ہوتا تھا، امجد علی شاہ مذہبی آدمی تھے، آنہ پائی کا حساب کرکے سال بسال اپنے

مال و دولت کی زکوٰۃ نکالتے تھے اور جہان تک اون سے ہوسکتا علما و مجتہدین کی خدمت کرتے تھے، شاعرون کو دینا شاید گناہ سمجھتے ہون، انھون نے ان کی تنخواہ بند کردی، مگر شیخ صاحب ایسے صاحب سلیقہ تھے کہ جس قدر نواب محسن الدولہ کی سرکار سے یا معتمد الدولہ آغا میر کی مہربانی سے کمایا تھا اوس کو بیجا صرف نہین کیا، تمام عمر فراغت سے زندگی بسر کی،

آزاد کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ عیال کا جنجال رکھا ہی نہ تھا، مگر قیصر التواریخ مین سید محمد میرزا ائر نے لکھا ہی کہ بیٹون کو اچھی تعلیم دلوائی، حکیم زین العابدین اون کا بیٹا مرزا محمد علی کا شاگرد طبابت کرتا اور خوش چلنی سے زندگی بسر کرتا تھا، بہرحال ناسخ نے ۱۲۵۴ھ مین وفات پائی اور ٹکسال والے مکان مین مدفون ہوئے، میر علی اوسط رشک نے تاریخ کہی تھی،

دلا شعر گوئی اُٹھی لکھنؤ سے

دو دیوان اِن کے چھپ گئے ہین، پہلے دیوان مین اِن کا خاص انداز نہایت نمایان ہی دوسرا دیوان الہ آباد کی کمائی ہی، جس مین بے وطنی اور پریشانی کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہی، اِسی وجہ سے اوس کا نام بھی دفتر پریشان تجویز کیا تھا،

اِن دیوانون مین غزلون، رباعیون، قطعون، اور تاریخون کے سوا اور کِسی قسم کی نظم نہین، طبیعت قصیدون سے بہت مناسب تھی مگر خدا جانے اس کا شوق کیون نہین تھا، شاہان اودھ کی تاریخ و تہنیت مین کبھی کچھ کہنے کی ضرورت ہوئی ہی تو غزلون اور قطعون مین اِس فرض کو ادا کردیا ہی،

ایک مثنوی حدیث مفصل کے ترجمہ مین ہے اور ایک مولود شریف ہے، یہ دونون

یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ محمد علی شاہ نے ۱۲۵۸ھ تک سلطنت کی اور شیخ ناسخ کا انتقال ۱۲۵۴ھ میں ہوا۔ امجد علی شاہ کا زمانہ انھوں نے نہیں دیکھا۔

نظمین ان کے منہ پر نہین کھلتین، غزلون مین بقول آزاد شوکت الفاظ، بلند پروازی اور نازک خیالی بہت ہی اور تاثیر کم، صائب کی تشبیہ و تمثیل کو اپنی صنعت مین ترکیب دے کر ایسی دستکاری اور مینا کاری کی ہے کہ بعض موقع پر بیدل اور ناصر علی کی حد مین جا پڑے ہین،

بات یہ ہی کہ ناسخ کی قوت تخیل نہایت زبردست ہے ایک چیز کو وہ سو سو دفعہ دیکھتے ہین اور ہر دفعہ دیکھتے ہین اور ہر دفعہ اون کو ایک نیا عالم نظر آتا ہی پھر وہ کلام کی بنیاد اُس پر قائم کرکے تمثیل اور مبالغہ سے اوس مین گرمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین مگر اس قوت کے استعمال کرتے مین اکثر اعتدال سے گزر جاتے ہین،

کہین پر مبالغہ اصلیت اور واقعیت سے اتنا دور جا پڑتا ہی کہ اون کی بلند پروازی کے سامنے آفتاب تارا بنکر رہجاتا ہی کہین پر تمام عمارت کی بنیاد صرف کسی لفظی تناسب یا ایہام پر ہوتی ہی کہین فرضی تشبیہون اور استعارون پر شعر کی بنیاد قائم کرتے ہین جو لطیف اور قریب المأخذ نہین ہوتے، کہین پر کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دیکر اوس کے تمام لوازم اور اوصاف اوس مین ثابت کرتے ہین حالانکہ اوس سے کسی قسم کی مناسبت نہین ہوتی،

یہ اونکا انداز بیان ہی جس کا نام نازک خیالی یا خیال بندی رکھا گیا ہی اور اِسی نے متاخرین کی شاعری کو تباہ کرکے چھوڑا یہ لوگ صرف گل و بلبل سے دیوان تیار کرکے اوس کو چمنستانِ خیال بنا دیتے ہین اور افسوس ہی کہ یہی اون کی شاعری طرۂ افتخار ہے،

پہلے ناسخ کی ایک پوری غزل مین نقل کرتا ہون تاکہ اون کا مخصوص انداز اوس سے

معلوم ہوا اوس کے بعد غزلون کے منتخب اشعار پیش کیے جائین گے،

روئے جانانکا تصور مین جو نظارہ ہوا | دل مین تھا جو داغ حسرت عرش کا تارا ہوا
وہ مہ خانہ نشین گلیون مین آوارہ ہوا | اے منجم دیکھنا ثابت بھی سیارہ ہوا
کس ادا سے تو نے شانہ اپنے بالون مین کیا | سر پہ ہر محبوب کے خط مانگ کا آرا ہوا
محفل مے مین جو آیا تو برائے مے کشی | تھا جو شیشہ جوش مے سے ایک فوارہ ہوا
گرم ہی کیا عکس تیرے روئے آتشناک کا | آئینہ کی پشت کا معدوم سب پارا ہوا
رات غائب ہو گئی حاضر ہوئے آثار صبح | وصل مین خورشید گویا شام کا تارا ہوا
چشم بد دور آج کیا آتے نظر ہین گال صاف | سبزۂ خط کیا غزال چشم کا چارہ ہوا
ابر کو نسبت بھلا کیا ہے چشم دریا بار سے | ایکدم روئے کنارہ پر جو ہم دھارا ہوا
شب ہوا سے مل گئی جو اوس کی زلف عنبرین | وم مین موم شمع سارا عنبر سارا ہو
کس قدر ہی تیز ظالم آتش رنگ حنا | سنگ پا لگتے ہی بس تلوون سے انگارا ہوا
قد ترا سرو آنکھین نرگس زلف سنبل رخ ہی گل | کون ہی یکمشت گل مین جو چمن آرا ہوا
جوش وحشت تیری آنکھون پر یہ خوش چشمون کے ہی | مثل آہو دشت مین ہر ایک آوارا ہوا
ہو گئی ہے شمع تیرے سامنے خجلت سے آب | شمعدان گویا تری محفل مین فوارہ ہوا
چین سے سویا نہ دنیا مین کبھی جز خواب مرگ | بعد مرنے کے جنازہ محب کو گہوارہ ہوا
زاہدا ہم جانتے ہین عشقبازی ہی گناہ | گھر لٹایا ہے جو وحشت مین وہ کفارہ ہوا
اور رہا ہی بت پرستی کا یہ دنیا مین عذاب | مجکو ہر داغ جنون دوزخ کا انگارہ ہوا
پیٹھ پیچھے میرے بد کہنے سے زاہد یہ ملا | پیٹھ پر بار گنہ کا جمع پشتارا ہوا
دور پھینکا ساقیا لیتے ہی تیرے ہجر مین | ہاتھ مین جام مے گلرنگ انگارا ہوا

ہجر ساقی مین نہین لے میکشو آوازِ رعد — فوجِ غم مین پھر خونریزی یہ نقارہ ہوا
جب نہانے کو ہوا عریان وہ پتلا نور کا — حوض مین روشن برنگِ شمع فوارہ ہوا
دوستو جلدی خبر لینا کہین ناسخ نہ ہو — قتل آج اوس کی گلی مین ایک بیچارہ ہوا

غزلون کے منتخب اشعار

سینکڑون آہین کرون پر دخل کیا آواز کا — تیر جو آواز دے ہو نقص تیرانداز کا

پانون بھی اب لے جنون کر دیجیے کانٹون کے نذر — سر تو مدت سے نیازِ سنگِ طفلان ہو گیا

محشر مین ہم کو نامۂ اعمال دیکھکر — قاصد خیال آئے گا خط کے جواب کا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہی تھا لے — آج آتی شبِ فرقت مین تو احسان ہوتا

مانعِ صحرانوردی پانون کی ایذا نہین — دل دکھا دیتا ہے میرا ٹوٹ جانا خار کا

نہ دہشت محتسب کی ہی نہ منت مے فروشون کی — نہان ہی نشہ آنکھون مین شرابِ شیشۂ دل کا

ازل سے عشق کی دولت ہی دیوانون کی قسمت مین — ملی ہی عقل لیکن بخت ہے برگشتہ عاقل کا

بس مین ہوتا نہ پڑا رہے مین کبھی اے ناسخ — آہ میرا رہے قابو مین اگر دل ہوتا

خواب ہی مین نظر آتا وہ شبِ ہجر کہین — سو مجھے حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

عمر بھر وحشت مین گر صحرا نوردی کی تو کیا — سیر کے قابل جو تھا دل کا بیابان رہ گیا

رنگِ عشرت باغِ عالم مین نظر آتا نہین — گل کو گلچین کا خطر بلبل کو غم صیاد کا

تمام عمر یون ہی ہو گئی بسر اپنی — شبِ فراق گئی روز انتظار آیا

میکدہ تک محتسب کو میکشو آنے تو دو — دیکھکر پیمانہ کو پیمان شکن ہو جائے گا

او محتسب سمجھ کے تو شیشہ کو توڑیو — دل بھی نہ ٹوٹ جائے کسی بادہ خوار کا

تھی شہادت سے غرض سو اس ادا مین ہو گئی — گو نہ قاتل سے نزاکت کے سبب خنجر اُٹھا

تجھسے انصاف تو کر چھٹ نہ سکا ایک رقیب — مینے کیونکر تری اُلفت مین زمانا چھوڑا

جام سے لبریز ہین ساقی فقط مطرب نہین — گل کھلے ہین باغ مین خالی ہے جائے عندلیب

ہے یہان کس کو شبِ فرقت مین ہوش — ہو چکی ہو گی ہزار دن بار صبح

کیا روز بد مین ساتھ رہے کوئی ہمنشین — پتے بھی بھاگتے ہین خزان مین شجر سے دور

اے میکشو نزاکتِ ساقی کو دیکھنا — لاتا ہے رکھ کے مثلِ سبو جام دوش پر

مرگیا کیا ناسخِ میکش جو سارے مے فروش — مسجدون مین بیٹھے اپنی اپنی دوکان چھوڑ کر

ناز حورون کے اُٹھائین یہ کہان اپنا دماغ — ہو ہمارا درِ فردوس سے بستر باہر
اے اجل تونے غضب تفرقہ پردازی کی — قبر مین تو سر شوریدہ ہے پتھر باہر

کافی ہے سر پہ داغِ جنون دل مین نامِ یار — بیزار ہون فلک ترے تاج و نگین سے مین

دمِ اخیر تو کر لون نظارہ جی بھر کر — ابھی خنجرِ سفاک آبدار نہو

مین خوب سمجھتا ہون مگر دل سے ہون ناچار — اے ناصحو بے فائدہ سمجھاتے ہو مجکو

معشوقون سے اُمیدِ وفا رکھتے ہو ناسخ — نادان کوئی دنیا مین نہین تم سے زیادہ

ہر کسی کا کام رکھتا ہی ادھورا آسمان — گر بہم پہونچا سرِ شوریدہ تو پتھر نہین

تاب سننے کی نہین بہرِ خدا خاموش ہو ٹکڑے ہوتے ہین جگر ناسخِ تری فریاد سے

داغ فرقت زیست بھر سوز جہنم بعد مرگ اِن بتون کو کس توقع پر خدایا چاہیئے

فرقت قبول رشک کے صدمے نہین قبول کیا آئین ہم رقیب تری انجمن مین ہے

شوقِ مے نے کر دیا اِس درجہ مجکو بدحواس محتسب سے راہ پوچھی خانۂ خمّار کی

سیہ بختی مین کوئی کب کسیکا ساتھ دیتا ہے کہ تاریکی مین سایہ بھی جدا ہوتا ہے انسان سے

کیا برستی ہے بجائے ابرِ رحمت بیکسی ہے یہی تربت مقررناسخِ مغفور کی

خواجہ حیدر علی آتش

آتش تخلص، خواجہ حیدر علی نام تھا، آبا و اجداد دلّی کے رہنے والے تھے، نواب شجاع الدولہ کے عہد مین اِن کے والد خواجہ علی بخش دلی سے فیض آباد آئے، اور محلہ مغلپورہ مین سکونت اختیار کی،

آتش فیض آباد مین پیدا ہوئے، باپ کی طرح گورے چٹے اور خوبصورت تھے، ابھی اچھی طرح جوان نہونے پائے تھے اور تعلیم بھی خوب نہوئی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا

کسی مربّی کے موجود نہ ہونے سے فوج کے لڑکون کی صحبت مین بانکے اور شورہ پشت ہوگئے،

اوس زمانے مین بانکپن اور بہادری کی قدر تھی نواب محمد تقی[1] ان کو نوکر رکھکر اپنے ساتھ لکھنؤ لے آئے، یہان آکر دیکھا تو ان کو دوسری دنیا نظر آئی، جراأت کی شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، انشا اور مصحفی کا اکھاڑہ جما ہوا تھا، واہ واہ کے نعرے زمین سے آسمان تک جاتے تھے، ان کو بھی شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا مصحفی کے شاگرد ہوگئے اور چند روز کی محنت مین ایسی مشق بہم پہونچائی کہ یہ خود صاحب طرز ہوگئے

استعداد علمی خام تھی مگر رواج زمانہ، بزرگون کی صحبت اور مصحفی جیسے اُستاد کی شاگردی نے شاعرون کی ضرورتون سے ان کو اچھی طرح واقف کر دیا تھا کلام کو مشق کے زور سے قوت دیتے رہے اصناف سخن مین غزل کے سوا اور کسی چیز کو ہاتھ نہین لگایا

---

[1] اسد الدولہ نواب محمد تقی خان بہادر ترقی تخلص آغا سید محمد امین نیشاپوری کے خلف الرشید تھے آصف الدولہ ثانی اور نواب بہو بیگم کی سرکار سے توسل رکھتے تھے [illegible] صعدار علم دوست اور [illegible] امیر تھے لکھنؤ [illegible] آتے جاتے رہتے تھے، بہو بیگم کے انتقال کے بعد غازی الدین حیدر کے عہد مین مستقل طور پر لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی، [illegible] کے شاگرد تھے اور شعر اچھا کہتے تھے، ان کا خاندان شرافت اور وضعداری مین ہمیشہ یکتا رہا، لکھنؤ کی زمین بدل گئی آسمان بدل گیا مگر ان لوگوں کی وضعداری نہین بدلی، میر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وضع [illegible] [illegible] ولوان بھائی ایسا جواب نہیں رکھتے تھے [illegible] [illegible]

ساکنان [illegible] [illegible]

در و دیوار سے آتا ہے نظر جلوۂ دوست　　آئینہ خانہ [illegible] ہے

زبان کی تراش خراش صفائی اور پاکیزگی مین اتنی کوشش کی کہ اپنے زمانے کے استاد مسلم الثبوت ہوگئے،

پچاس یا اسی روپیہ مہینہ بادشاہ کے ہان سے ملتا تھا شاگردون یا امیرون مین سے کوئی سلوک کرتا تو اوس سے بھی انکار نہین تھا، باپ دادا سے توکل ترکہ مین پایا تھا اور ہوش سنبھالتے ہی بانکپن اور شورہ پشتی کی تعلیم ملی تھی، یہ دونون انداز بڑھاپے تک قایم رہے، گیروا تہ بند باندھتے تھے، ڈنڈا ہاتھ مین رہتا تھا، سپہ کام کا سلیم شاہی جوتا پاؤن مین، ڈنڈے مین ایک چھلہ سونے کا لگا رہتا دوسرے تیسرے فاقہ کی حالت مین چھلہ رہن رکھکر فاقہ شکنی کرتے، بھنگ پینے کا چسکا زندگی بھر رہا،

لکھنؤ مین نواز گنج کے قریب چوپٹیون سے آگے مادھولال کی جڑ ہائی مشہور رہی وہان سے اُتار کو ایک چھوٹا سا باغچہ اور ایک کچا مکان تھا اوس کو آتش نے خرید لیا تھا اُسی مین رہتے تھے، شادی بھی کرلی تھی، ایک بیٹا تھا محمد علی نام جوش تخلص، بڑھاپے مین وہی عصائے پیری تھا، بیوی کے مرنے کے بعد آنکھون کی بینائی بھی جاتی رہی تھی،

اخیر زمانے مین معالی خان کی سرائے مین اُٹھ آئے تھے، داڑھی بھی بڑھالی تھی، اوس پر مہندی کا خضاب مگر وضعداری کی دوسری باتون مین کوئی فرق نہین آیا، وہی رندانہ مزاج وہی فقر و فاقہ ایک ٹوٹے کھٹولے پر بیٹھے رہتے تھے، سامنے بھج بھجا حقہ لگا رہتا کوئی امیر غریب آتا اوس کے سامنے وہی ٹوٹا ہوا حقہ پیش کیا جاتا،

۱۲۶۳ھ مین ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے، یکایک موت کا ایسا جھونکا آیا کہ شعلہ کی طرح بجھکر رہ گئے، میر ولد حسن فوق نے تاریخ کہی، ع

لکھنؤ مین نام آتش کر گئے

تمام عمر کی کمائی ایک دیوان غزلون کا ہی جو اون کے سامنے رائج ہو گیا تھا،
دوسرا تتمہ ہے کہ پیچھے مرتب ہوا، وہ بھی حجم مین خاصا ہے، شاگردون میر دوست علی خلیل
صاحب مرزا آشنا ور، میر وزیر علی صبا، نواب محمد علی خان رند، نواب مرزا شوق اور
پنڈت دیا شنکر نسیم زیادہ نام برآوردہ ہوئے،

زبان کی صحت و صفائی مین یہ اپنے حریف ناسخ کے دوش بدوش چلتے ہین، مگر
نازک خیالی اور بلند پروازی مین اِن کا حریف اِن سے بہت اونچا جاتا ہی، اور سوز و
گداز مین یہ اون سے آگے ہین، مرزا غالب نے اپنے ایک خط مین چودھری عبد الغفور کے نام سے
کسی تقریب سے یہ قطعہ نقل کیا ہی ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار — زیک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادہ بعضے حریفان — خمارِ چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار این قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

اِس کے بعد اِس چیزے دیگر کی مثال مین میر تقی میر، مرزا سودا، قائم اور مومن کا ایک
ایک شعر پیش کر کے لکھا ہے کہ ناسخ کے ہان کمتر آتش کے ہان بیشتر یہ تیر نشتر ہین،

مین اِن کی بھی ایک پوری غزل نقل کرتا ہون، اوس کے بعد منتخب اشعار پیش
کرون گا،

فریب حُسن سے گبر و مسلمان کا چلن بگڑا — خدا کی یاد بھولا شیخ بت سے برہمن بگڑا
قبائے گُل کو پھاڑا جب مِرا گُل پیرہن بگڑا — بن آئی کچھ نہ غنچہ سے جو وہ غنچہ دہن بگڑا
نہین بیوجہ ہنسنا اِس قدر زخمِ شہیدان کا — تری تلوار کا منھ کچھ نہ کچھ لے تیغ زن بگڑا
تکلف کیا جو کھوئے جان شیرین پھوڑ کر سر کو — جو غیرت تھی تو پھر خسرو سے ہوتا کوہکن بگڑا

کسی چشمِ سیہ کا جب ہوا ثابت مین دیوانہ — تو مجھ سے مست ہاتھی کی طرح جنگلی ہرن بگڑا

اثر اکسیر کا مین نے قدم سے تیرے پایا ہے — خدامی خاک رہ ملکر بناتے ہین بدن بگڑا

تری تقلید سے کبک دری نے ٹھوکرین کھائین — چلا جب جانور انسان کی چال اوسکا چلن بگڑا

زوالِ حسن کھلواتا ہے میوے کی قسم مجھ سے — لگایا داغ خط نے آن کر سیب ذقن بگڑا

رخِ سادہ نہین اوس شوخ کا نقشِ عداوت ہے — نظر آتے ہی آپس مین ہر اہلِ انجمن بگڑا

وہ بدخو طفل اشک اے چشمِ تر مین دیکھنا اک دن — گھروندے کی طرح سے گنبدِ چرخِ کہن بگڑا

صفِ مژگان کی جنبش کا کیا اقبال نے کشتہ — شہیدون کے ہوئے سالار ہم جب بے تمن بگڑا

کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہے مین روتا ہون — ہنسا گل کی طرح غنچہ جہان اوسکا دہن بگڑا

کمالِ دوستی اندیشۂ دشمن نہین رکھتا — کسی بھونرے سے کس دن کوئی ماریاسمن بگڑا

رہی نفرت ہمیشہ داغِ عریانی کو پھاہے سے — ہوا جب قطع جامہ پر ہمارے پیرہن بگڑا

رگڑوائین یہ مجھ سے ایڑیان غربت مین وحشت نے — ہوا مسدود رستہ جادۂ راہِ وطن بگڑا

کہا بلبل نے جب توڑا گلِ سوسن کو گلچین نے — الٰہی خیر کیجو نیل رخسارِ چمن بگڑا

ارادہ میرے کھانے کا نہ اے زاغ و زغن کیجیو — وہ کشتہ ہون جسے سونگھے سے کتونکا بدن بگڑا

امانت کی طرح رکھا زمین نے روزِ محشر تک — نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا

جہان خالی نہین رہتا کبھی ایذا دہندی سے — ہوا ناسور نو پیدا اگر زخمِ کہن بگڑا

تونگر تھا بنی تھی جبتک اوس محبوب عالم سے — مین مفلس ہوگیا حسن [illegible] وہ تمتن بگڑا

لگے منہ بھی چڑہانے دیتے دیتے گالیان صاحب — زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

بناوٹ کیفِ مے سے کھل گئی اوس شوخ کی آتش — [illegible] لو [illegible] پیمان شکن

آتش نے مسلسل غزل بھی لکھی ہے، جس مین ایک شعر کا مضمون دوسرے شعر سے الگ

نہین ہی، بلکہ ساری غزل کا مضمون اول سے آخر تک ایک ہی، ایسی غزلون کے لکھنے
مین بڑا فائدہ یہ ہی کہ اس مین کسیقدر طولانی مضمون بھی بندھ سکتے ہین، مثلاً ہر ایک
موسم کی کیفیت، صبح وشام کاسمان، چاندنی رات کا لطف، جنگل یا باغ کی بہار، سفر کی
روداد، وطن کی دلبستگی اور اسی قسم کی بہت سی باتین جو دو ایک شعر مین نہین سما سکتین
اوس غزل کو بھی نمونہ کے لیئے نقل کرتا ہون،

غزل مسلسل

شب وصل تھی چاندنی کا سمان تھا | بغل مین صنم تھا خدا مہربان تھا
مبارک شب قدر سے بھی وہ شب تھی | سحر تک مہ ومشتری کا قران تھا
وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس مین دن کی | زمین پر سے اک نور تا آسمان تھا
نکالے تھے دو چاند اوس نے مقابل | وہ شب صبح جنت کا جس پر گمان تھا
عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل | فرحناک تھی روح دل شادمان تھا
حقیقت دکھاتا تھا عشق مجازی | نہان جسکو سمجھے ہوئے تھے عیان تھا
بیان خواب کی طرح جو کر رہا ہے | یہ قصہ ہی جب کا کہ آتش جوان تھا

منتخب اشعار

خدا سر سے تو سودا نسے تری زلف پریشان کا | جو آنکھین ہون تو نظارہ ہو ایسے سنبلستان کا

حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اوس کا | ہشیار وہی ہی کہ جو دیوانہ ہے اوس کا

دوستون سے اسقدر صدمے ہوئے ہین جان پر | دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھکر چلے گئے　　مین جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل مین رہ گیا

اللہ رے شوق اپنی جبین کو خبر نہین　　اوس بُت کے آستانہ کا پتھر رگڑ گیا

بڑا شور سُنتے تھے پہلو مین دِل کا　　جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نہ نکلا

چال ہی مجھ نیم جان کی مرغ بسمل کی تڑپ　　ہر قدم پہ ہی گمان یان رہ گیا وان رہ گیا
کاروان یارون کا پہنچا منزلِ مقصود تک　　مین بگولے کی طرح سے خاک اوڑا کر رہ گیا

فاتحہ پڑھنے کو آئے قبر آتش پہ نہ یار　　دو ہی دن مین پاس اُلفت اسقدر جاتا رہا

صندل کو مول لیکر کِس کی بلا رگڑ تی　　مین درد سر کی خاطر یہ دردِ سر نہ کرتا

خریدارِ محبت آئے تھے بازار عالم مین　　وہی سودا کیا ہی ہم نے جس مین درد سر دیکھا

قاصدون کے پانون توڑے بدگمانی نے مری　　خط دیا لیکن نہ تبلایا نشانِ کوئے دوست
فرش گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہین اب　　خشت زیرِ سر نہین یا تکیہ تھا زانوئے دوست
اوس بلائے جان سے آتش دیکھیئے کیونکر نبھے　　دل سوا شیشے سے نازک دِل سے نازک خوئے دوست

مشتاق دردِ عشق جگر بھی ہو دل بھی ہے کھاؤن کدھر کی چوٹ بچاؤن کدھر کی چوٹ

منھ دیکھتا ہون یار کا کچھ کہہ نہین سکتا آنکھین تو کھلی ہین مری لیکن ہو زبان بند

کوچہ سے یار کے نہ صبا ورپھینک اِسے مدت کے بعد آئی ہو خاک اپنی راہ پر

کون کہتا ہو بسر ہوگئے ایام جنون اِک گریبان نظر آتا نہین بے چاک ہنوز

کوچۂ یار مین سایہ کی طرح رہتا ہون در کے نزدیک کبھی ہون کبھی دیوار کے پاس

جنون مین بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی رہا مین عالمِ وحشت مین بیشتر خاموش

رخسار زرد پر مرے بہتے ہین اشک خون یکجا دکھا رہے ہین خزان و بہار رنگ

وحشی تھے بوئے گل کی طرح سے جہان مین ہم نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکان مین ہم

اِسی جان کے برابر مرتے مرتے ہم نے رکھا ہو ہماری قبر پر رویا کریگی آرزو برسون

جام شراب عشق سے دونون ہین بے خبر بلبل چمن مین مست ہو ہین کوئے یار مین

بلند و پست سبک روح کو برابر ہین　　نسیم بے سروپا کا کہان مقام نہین

برباد ہو سے ہو کچھ آتش تمھین نہین　　مٹی خراب اپنی بھی ہی اس دیار مین

یہ سعادت لکھی ہی قسمت مین کسکے دیکھئے　　خون گرفتہ ایک مین ہون اور خنجر سینکڑون

یہ کیفیت اُسے ملتی ہی ہو جس کے مقدر مین　　مے الفت نہ خُم مین ہی نہ شیشہ مین نہ ساغر مین

مستِ شراب عشق کب آتے ہین ہوش مین　　یہ نشہ وہ نہین ہی کہ جس مین خمار ہو

پر کترتا ہی مرے صیاد تو کاٹ اِس طرح　　حسرتِ پرواز بھی اُڑ جائے بال و پر کیسا

باغ مین آئے ہو ساتھ اونکے بھی پھر لو دو گام　　کبک و طاؤس کا جھگڑا ہی چکاتے نہ چلو

ہنسنے والا نہین ہے رونے پر　　ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا　　زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

سوائے نام کے باقی اثر نشان سے نہ تھے　　زمین سے وہ گئے دبتے جو آسمان سے نہ تھے

افسوس ہے فرہاد کو پہلے ہی سوجھی سر توڑ کے مرجائے اِس کوہکنی سے

خوب روئے حال پر اپنے وطن کا سن کے حال کوئی غربت مین جو آ نکلا ہمارے شہر سے

لگی ہی دیر بہت نامہ بر کے آنے مین وہ خود ہی آتے ہین قاصد جواب کے بدلے

نقش پائے رفتگان سے یہ صدا ہی آ رہی دو قدم مین راہ طے ہی شوق منزل چاہیئے

ادن سے کہد و نہین آہستہ جو رکھتے دو گام گر ہی پڑتے ہین بہت دوڑ کے چلنے والے

سفر ہی شرط مسافر نواز بہتیرے ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ مین ہی

مقام تک ہی ہم اپنے پہونچ ہی جائینگے خدا تو دوست ہی دشمن ہزار راہ مین ہی

موت مانگون تو رہے آرزوے خواب مجھے ڈوبنے جاؤن تو دریا ملے پایاب مجھے

شگفتہ رہتی ہی خاطر ہمیشہ قناعت بھی بہار بیخزان ہی

زمین چمن گُل کھلاتی ہی کیا کیا دکھاتا ہی رنگ آسمان کیسے کیسے

نہ مُڑ کر کے بیدرد قاتل نے دیکھا تڑپتے رہے نیم جان کیسے کیسے

تمھارے شہیدون مین داخل ہوئے ہین گل و لالہ و ارغوان کیسے کیسے

بہار آئی ہی نشہ مین جھومتے ہین مریدانِ پیرِ مغان کیسے کیسے

خواجہ محمد وزیر وزیر

محمد وزیر نام وزیر تخلص، خواجہ محمد فقیر کے بیٹے تھے، لکھنؤ وطن تھا آبائی سِلسلہ

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، اور ننھیالی قرابت میرزاؤن کے ایک نامی گرامی خاندان سے تھی،

مرزا سیف اللہ بیگ نانا تھے جو نواب امیر الدولہ مرزا حیدر بیگ خان کے حقیقی بھائی تھے، غرض دادھیال و ناننھال دونون طرف سے عالی خاندان تھے،

فارسی کی پوری اور عربی کی کچھ کچھ درسی کتابین علمائے لکھنؤ سے پڑھین عروض و قافیہ مین بہت اچھی مہارت تھی گوشہ نشینی اور توکل باپ دادا سے ترکہ مین ملا تھا، ساری عمر کسی کی نوکری نہین کی،

شعر و سخن کا شوق بچپن سے تھا، شیخ امام بخش ناسخ سے مشق سخن کی اور انھین کی زندگی مین استاد مسلم الثبوت ہوگیے شیخ صاحب کو ان پر فخر تھا اور بجا طور پر فخر تھا اکثر اپنے شاگردون کو اصلاح سخن کے لیے ان کے سپرد کر دیتے تھے اور ہر طریقہ سے انکی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے

ان کو آخر مین شعر و سخن سے نفرت سی ہوگئی تھی، فتوح و تسخیر اعمال کا شوق رہ گیا تھا، ہر وقت نقوش بھرا کرتے تھے، سو روپیہ ماہوار سے کم خرچ نہین تھا، مگر آمدنی کہین سے نہ تھی، واجد علیشاہ بادشاہ نے دو بار یاد فرمایا، مگر علالت کا عذر کر کے اپنی جگہ سے ہلے نہین اسی وجہ سے لوگ ان کی آمدنی کو دست غیب پر محمول کرتے تھے،

۱۲۷۵ھ مین وفات پائی، مقبول الدولہ مرزا مہدی علیخان قبول نے تاریخ کہی، ع

وزیر بادشہ شاعران نامی بود

منشی اشرف علی شاگرد نسیم دہلوی نے کہا، ع

مزہ شعر کا ہائے جاتا رہا

ان کی زندگی مین ابتدائی کلام کا جو مجموعہ مرتب ہوا تھا وہ تلف ہوگیا دوبارہ

اوس کے جمع کرنے کا خیال نہین کیا، عبدالواحد خان مالک مطبع مصطفائی کو اِس کا خیال پیدا ہوا تو اونھون نے کچھ سادی کتابین اِن کو لا کر دین اور اِن کے دوستون اور شاگردون کو متوجہ کیا اِس طریقہ سے پھر دوبارہ ایک دیوان مرتب ہوا جو اِن کے مرنے کے بعد ۱۲۷۱ھ مین چھاپا گیا،

رنگ اِن کا وہی ہی جو اِن کے اُستاد کا ہے، مضمون کی بلندی خیال کی نزاکت بیان کی متانت اور زبان کی صحت غرض کہ پختگی کلام کے تمام لوازم اوس مین موجود ہین، لیکن غزل کی جان یعنی تاثیر کے نہونے سے ان کے کلام کی حیثیت ایک حسین مگر جسد بے روح سے زیادہ نہین قرار پا سکتی.

اِن کے تمام دیوان کو اول سے آخر تک پڑھو اوس مین دس شعر بھی ایسے نہ ملین گے جن سے اہل دل کے قلوب کو سرور اور ارباب نظر کی آنکھون کو نور حاصل ہو،

مگر اس مین شک نہین کہ جو ان کا رنگ ہی اوس مین ناسخ و آتش کے بعد اِن کے معاصرین مین سے کوئی اِن کا مثل نہین، نمونہ کے لیئے ایک غزل نقل کرتا ہون اوس کے بعد انتخابی اشعار لکھون گا،

عوض مطلع کے کھنچوا مین گے نقشہ روے جانان کا ‌‌‌ بنے تا مطلعِ خورشید مطلع اپنے دیوان کا
نہین ابنو وہ خط مین جلوہ حُسن روے جانان کا ‌‌‌ عیان ہی تخت یہ پریون کے جھرمٹ مین سلیمان کا
حنائی ہاتھ کی تاثیر طرفہ رنگ لائی ہے ‌‌‌ شجر تیرے نگین کا بنگیا ہے نخل مرجان کا
گلے سے حرف باتون کے نظر آتے ہین حیرت ہے ‌‌‌ عیان جوہر مین رشکِ آئینہ ہی جسم جانان کا
کریگا آتش افروزی چمن سودائے گیسو مین ‌‌‌ دھوان بنکر رلائے گا نظارہ سنبلستان کا
بگڑ کر اوس نے چلمن سے جو ہم کو آنکھ دکھلائی ‌‌‌ غزالِ چشم پر دھوکا ہوا شیرِ نیستان کا

پری وش پڑھتے ہین کلمہ مرا مجنون وہ دیوانہ
ہر اک داغِ جنون مین ہی اثر مُہرِ سلیمان کا

ترے ہونٹون کے آگے رنگ جب اوسکا نہین جمتا
تو کیا کیا جوش کھاتا ہی لہو لعلِ بدخشان کا

ہی یہ حُسنِ دو ہفتہ چار دن کی چاندنی ساقی
چھلک جاتا ہی بھرتے ہی پیالہ ماہِ تابان کا

نہین ہی سُرمہ کا دُنبالہ اے تُرک آنکھ مین تیری
پھریرا سُرمئی ہی یہ نشانِ فوجِ مژگان کا

ذقن مین دانۂ خالِ سیہ دیکھا تو مین سمجھا
لطافت سے عیان ہی تخم یہ سیبِ زنخدان کا

جہان کو قتل کرتے ہین یہ مہرو جامہ زیبی سے
مگر تیغِ ہلالی ہی ہلال اِن کے گریبان کا

حلب کی صبحِ صادق کا گمان ہی اوسکے عارض پر
مسی پر لعلِ لب کے شُبہ ہی شامِ بدخشان کا

بہت کچھ کھو کے پائی اوس نے راہِ خود فراموشی
دلِ گُم گشتہ آپ ہی خضر ہی اپنے بیابان کا

ہوئے ہین جمع آنسو کر رہے ہین شوخیان کیا کیا
گمان ہی دامنِ مژگان پہ بازی گاہِ طفلان کا

فلک پر ہی دماغ اے منعمو! اپنا گدائی مین
بہت ہی بوریا خواہان نہین تختِ سلیمان کا

نہ پایا بوسۂ لب اوس پری سے جب تو یہ سمجھا
نہین اِنسان کی قسمت مین چشمۂ آبِ حیوان کا

لبِ لعلین پہ اوس کے یہ نہین ہی پان کا لاکھا
نکل آیا ہی کھا کر جوش خون لعلِ بدخشان کا

مسین بھیگی نہین ہین اے وزیر اوس آئینہ رو کی
نمایان پشتِ لعلِ لب پہ ہی یہ عکس مژگان کا

منتخب اشعار

چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شادمان ہو کر
زمینِ کوئے جانان رنج دیگی آسمان ہو کر

اِسی خاطر تو قتلِ عاشقان سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کاروان ہو کر

کیا قتل اوس نے غیرون کو موئے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیبِ دشمنان ہو کر

وزیر آغوش یہان فرقت مین بھی خالی نہین رہتی
نہین ہی یار اگر تو درد ہی مدت سے پہلو مین

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو　　کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو

ہے چشمِ نیمباز عجب خواب ناز ہے　　فتنہ تو سو رہا ہے درِ فتنہ باز ہے

ہوئی صلح بھی تو بھی رہی جنگ　　ملا جب دل تو آنکھ اوس سے لڑائی

پڑا ہی تفرقہ بے تابیوں سے　　وزیر اب مین کہین ہون دل کہین ہے

قطعہ

نہ کر عوض مرے جرم و گناہ بیحد کا　　آلٰہی تجکو غفور الرحیم کہتے ہین
کہین کہین نہ عدو دیکھکر مجھے محتاج　　یہ اون کے بندے ہین جن کو کریم کہتے ہین

میر وزیر علی صبا

درجیتی بندش وصحت وصفائی محاورہ ودقت فکر وبلندی اندیشہ سرآمد مستعدان

بوداہ مہر جہا نتاب،

وزیر علی نام، صبا تخلص، میر بندہ علی کے بیٹے تھے، لکھنؤ وطن تھا، یہین پیدا ہوئے اور یہین اون کا نشو ونما ہوا، اوس زمانے کے شریف زادون کی طرح فارسی کی اچھی اور عربی کی بقدر ضرورت تعلیم پائی،

اوس زمانہ مین علوم قدیمہ کا زور شور تھا، عربی صرف ونحو اور منطق کے ساتھ ساتھ

فن طب اور علم کلام کے مہمات مسائل کا سمجھ لینا شریف زادون کے لیئے ضروریات زندگی مین داخل تھا جو لوگ سبقاً سبقاً تحصیل نہ کرسکتے تھے وہ بھی علما کی صحبت مین اتنی معلومات بہم پہونچا لیتے تھے کہ مجلس گرم کرنے کو وہ کافی سے زیادہ ہوتی تھین،

میر وزیر علی صبانے اوس زمانے مین تعلیم و تربیت پائی شعر و سخن سے خداداد مناسبت تھی، خواجہ حیدر علی آتش کی فیض صحبت سے اور بھی مشتاق ہوگئے،

اِن کے دیوان کا نام غنچۂ آرزو ہے جو ایک ضخیم جلد شائع ہوگیا ہے صحت و صفائی محاورہ اور لطف سخن مین اِن کا کلام ہمعصرون کی نسبت سے بہت بہتر ہی،

۱۲۷۱؁ھ مین گھوڑے سے گِر کر جان دی شاگردون نے خوب خوب تاریخین کہین

لہ اوس زمانہ میں ایک معمولی سے معمولی آدمی کی زبان پہ بھی مصطلحات علمی ایسی بے تکلفی کے ساتھ رواں ہوتے تھے کہ اون کو سنکر کیسی طرح یہ باور نہیں آتا تھا کہ اِس نے درسی کتابین نہیں پڑہیں، اب بھی لکھنؤ میں شاہی زمانہ کے جو سن رسیدہ لوگ موجود ہین اون سے ملکر اس کی تصدیق کی جاسکتی ہی،

میرے محلے مین ایک فقیرنی بھیک مانگنے آیا کرتی تھی، پیر فرتوت مگر آواز میں لوچ اور شیریں صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوانی میں بہت تشکیل اور کسی شریف گھرانے کی لڑکی ہوگی،

میرے ایک دوست نے اوسکی بہت تعریف کی اور کہا کہ تانی پایا ہو تو دیجا آپ کی بالائی منگوا کر اوسکے سامنے رکھدو میں اوسکو بلا کر بٹھایا اور بالائی پیش کی تو بہت خوش ہوئی اور باتین کرنے لگی معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے پھول جھڑتے ہیں، فارسی اور اردو کے اساتذہ کا کلام خصوصاً سعدی شیرازی کے صدہا اشعار اور گلستان کے جستہ جستہ فقرے اِس طرح برمحل پڑھتی اور ترجمہ کرتی تھی کہ اوس کی حلاوت آجتک باقی ہی،

افسوس ہو کہ بچپن کی وجہ سے اِس کا خیال نہین ہوا کہ اوس سے عہد قدیم کے حالات پوچھتا صرف اتنا معلوم ہوا کہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں لڑکیون کا کوئی مدرسہ تھا اوس مدرسہ سے اِسکو کچھ تعلق رہا ہی،

کسی نے کہا، ع

صبا در گلشنِ فردوس جا کرد

کسی نے کہا، ع

صبا از گلشنِ دنیا کجا رفت

دل مین اک درد اُٹھا آنکھون مین آنسو بھر آئے　　بیٹھے بیٹھے ہمین کیا جانیے کیا یاد آیا

اللہ رے اونکا غصہ اِتنا نہین سمجھتے　　کیون کر کوئی جیئے گا جب یون عتاب ہوگا

جائے عبرت ہے جہانِ بے ثبات　　دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا

اللہ ہے جو حال یہ بندہ کے ہو کرم　　پہچانتا ہون خوب مین سرکار کا مزاج

آدم سے باغِ خلد چھٹا ہم سے کوئے یار　　وہ ابتدائے رنج ہے یہ انتہائے رنج
کہتے ہین میرے دوست مِرا حال دیکھکر　　دشمن کو بھی خدا نہ کرے مبتلائے رنج

نہ کہیئے نالۂ عاشق مین کچھ نہین تاثیر　　سُنی ہے تم نے کسی کی ابھی کہان فریاد

آفت ہے قید سجۂ مرا نا رجان کو　　تارِ حیات مین نہین گتھیان پسند

صیاد و باغبان نہ کرین کج ادائیان ۔۔۔ ناز و نیاز بلبل و گل مین ہی چار روز

اِس مرقع مین عجب نقشہ ہی دیکھو جسطرف ۔۔۔ صورتین دس بیس ناخوش ہین ہین دو چار خوش

ہوش مین آ مجھے کیا جان نہین اپنی عزیز ۔۔۔ دوست رکھون مین تجھے اے دلِ دشمن کبتک

کہتے تھے دل نہ دینگے کسی کو تمام عمر ۔۔۔ مجبور ہو گئے مگر اِک دل ستان سے ہم

ہمین کو رنج دیکر اُلٹے شکوے ہم سے کرتے ہو ۔۔۔ جواب اپنا نہین رکھتے ہو تم باتین بنانے مین

کون سُنتا ہی تری جوشِ جنون مین ناصح ۔۔۔ خِضر بھی آئین تو ہم راہ بتا دین اونکو

کوچۂ عشق کی راہین کوئی ہم سے پوچھے ۔۔۔ خِضر کیا جانے غریب اگلے زمانے والے

نواب سیّد محمدؐ خان رند

سخنش درد انگیز و کلامش مہر خیز در عین بے تکلّفی تکلّفی والادہ آ مہر جہان تاب؛

سید محمدؐ خان رند نواب غیاث الدین نیشاپوری کے بیٹے تھے، جو نواب برہان الملک صوبہ دار اودھ کے حقیقی بھانجے تھے، ۱۱ ربیع الاوّل ۱۲۱۲ھ کو

فیض آباد مین پیدا ہوئے چونکہ نواب وزیر کے خاندان سے قریبی تعلق تھا اسواسطے
نواب بہو بیگم کے دامنِ تربیت مین ناز و نعمت سے پرورش پائی، جبتک وہ زندہ رہین
فیض آباد مین رہے، اون کے مرنے کے بعد ۱۲۴۰ھ مین لکھنؤ چلے آئے اور یہین سکونت
اختیار کر لی،

شعر و سخن سے طبعی مناسبت تھی، جبتک فیض آباد مین رہے میر مستحسن خلیق سے
مشق سخن کرتے رہے، لکھنؤ آکر خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد ہوئے، پہلے وفا تخلص تھا
خواجہ صاحب نے رند بنا دیا،

ایک دیوان فیض آباد مین میر خلیق کے مشورہ سے تیار ہو چکا تھا، لکھنؤ آنے کے بعد
اوس کو غرقِ آب کرکے دو دیوان اور مرتب کیئے، جو گلدستۂ عشق کے نام سے چھپ گئے ہین،
مگر ان دیوانون مین بھی خلیق کی فیض صحبت کا رنگ صاف جھلکتا ہی،

بات یہ ہی کہ اہل لکھنؤ کی شاعری کا مدار مضمون کی بلندی، خیال کی نزاکت اور
زبان کی صحت پر ہوا کرتا ہی، ان کے ہان یہ تینون چیزین کمزور ہین بلند پروازی اور خیال
آفرینی مین خواجہ وزیر اور زبان کی صحت مین میر صبا کو یہ نہین پہونچتے، مگر ان کے ہان سادگی
اور صفائی اور تاثیر کا ہلکا سا رنگ نظر آتا ہی جس سے خواجہ وزیر محروم ہین اور صبا کے
ہان کچھ کچھ پایا جاتا ہی،

سنہ وفات ان کا میری نظر سے نہین گزرا مگر اتنا معلوم ہی کہ آخر عمر مین منہیات
سے تائب ہو گئے تھے اور دربار اودھ کی سازشون سے دل برداشتہ ہو کر غدر سے چند سال
پہلے عتبات عالیات کی زیارت کی نیت کر کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے، چونکہ ان کے
مقدر مین یہ بات نہ تھی بمبئی پہونچ کر سفر آخرت اختیار کیا،

دیدِ لیلٰے کے لیئے دیدۂ مجنون ہے ضرور
میری آنکھون سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

پھینکدون دل کو ابھی چیر کے پہلو اپنا
تجھ پہ قابو نہین دل پر تو ہے قابو اپنا

ضعف اسے کہتے ہین سینہ سے لبون تک آتے
سو جگہ راہ مین نالہ مِرا بیٹھا اُٹھا

چھوڑا قفس سے تب ہمین صیاد تو نے آہ
جب موسمِ بہار چمن سے نکل گیا

مژدہ اے گردون بر آیا تیرے دل کا مدعا
شہر سے آباد آتا ہے نظر ویرانہ آج

کھلی ہے کُنجِ قفس مین مری زبان صیاد
مین ماجرائے چمن کیا کرون بیان صیاد
دِکھایا کُنجِ قفس مجکو آب و دانہ نے
وگرنہ دام کہان مین کہان کہان صیاد

آ عندلیب مل کے کرین آہ و زاریان
تو ہائے گل پکار مین چلاؤن ہائے دل

پھر وہی کنجِ قفس اور وہی صیاد کا گھر
چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

لطفِ گلگشتِ چمن کنجِ قفس مین بھولے
اب تو نقشہ بھی گلستان کا مجھے یاد نہین

کبھی خوفِ خزان ہی اور کبھی صیاد کا کھٹکا　　بناؤن کیا سمجھکر آشیانہ اِس گلستان مین

او دل ہدفِ تیرِ نگہ پھر کیا تو نے　　اگلے ہی مرے زخمِ جگر تھے ابھی آلے

قیدِ ذلّت مین پھنسے چھوڑ کے رندانہ طریق　　کیسے جھگڑے مین تم اے کافر و دیندار پڑے
کیا بتاؤن مین کِسے یاد ہی ہجران کا دن　　مدتین گزرین مسیحا مجھے بیمار پڑے

وعدے پہ تم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مر گئے　　کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے

جنون اگرچہ ہمین ہر برس ہوا لیکن　　یہ ولولے نہ ہوئے تھے جو ابکی سال ہوئے

چار دن کی دوستی کا ہی زمانے مین رواج　　کِس توقع پر کِسی سے آشنائی کیجیئے

اے جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ　　رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا چلے

ستم کرتا ہی چرخِ سفلہ پرور اہلِ غیرت پر　　جو کانون سے نہ سنتے تھے وہ آنکھون سے دکھاتا ہے

کچھ ہنس کے کٹی وصل مین کچھ ہجر مین رو کر　　ہر طرح غرض عمرِ دو روزہ بسر آئی۔

پھنسائین بلبلین گن گن کے توڑے پھول چن چنکے چمن مین تم نے او صیاد و گلچین کچھ بھی چھوڑا ہی

دو چار گام یان سے ہی دولتسرائے دوست ٹوٹین یہ پانون دیکھو تو آکر کہان تھکے

وقتِ بد مین کون دیتا ہی کسی کا ساتھ رند یارِ ثابت اِک ملی دنیا مین تنہائی مجھے

گزرے جس دم ہم دنیا سے ہمنے جانا دنیا گزری
بحرِ جہان مین زیست ہماری شکلِ حباب دریا گزری

خوش رہو تم وطن مین اہلِ وطن ہم ہین اور سیرِ دشتِ غربت ہی

کرے فرقت مین کبتک صبرِ ایوبؑ یہ عاشق تیرا پیغمبر نہین ہے

بُت کرین آرزو خدائی کی شان ہی تیری کبریائی کی

کئی دن سے ہی گھات مین صیاد عندلیب آجکل ہی کھنستی ہی

قطعہ

بس اب آپ تشریف لیجائیے جو گزریگی ہم پر گزر جائے گی
طبیعت کو ہوگا قلق چندروز ٹھہرتے ٹھہرتے ٹھہر جائے گی

مرزا محمد رضا برق

محمد رضا نام برق تخلص، فتح الدولہ بخشی الملک خطاب تھا، مرزا کاظم علیخان کے
بیٹے، اور واجد علیشاہ بادشاہ[۱] کے مصاحب تھے، لکھنؤ مین پیدا ہوئے اوس زمانے کے

---

[۱] ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ سلطان عالم واجد علیشاہ خاتم شاہان اودھ ۱۲۶۳ھ مین اپنے باپ امجد علیشاہ
کی جگہ تخت نشین ہوئے شروع شروع میں کام میں جی لگایا، بانکا ترچھا دو رسالے نادری اور حیدری دو پلٹنیں قایم
کیں، خود قواعد لیتے تھے، سواری کا جلوس نکلتا تو آگے آگے ایک صندوق ہوتا تھا جس میں ہر شخص کو عرضیان
ڈالنے کا اختیار تھا، اِس کا نام مشعلۂ سلطانی رکھا تھا،

چند روز کے بعد اِن سب باتوں سے جی ہٹ گیا، نواب علی نقی خان کو وزیر مقرر کیا جو خسر بھی تھے
اور سمدھی بھی، خود اپنے لیے بجائے سلطان عالم کے جان عالم خطاب پسند کیا، وزیر کو حضور عالم بنایا اور ملک و
دولت کو اِنھیں سپرد کرکے اپنے شاہزادگی کے مشاغل میں مصروف ہو گئے، قیصر باغ بنایا گیا اور اوس کو صدہا
حسین و جمیل و خوش گلو اور خوشخرام معشوقوں سے آباد کیا گیا، گویّوں اور ڈھاریوں کو قطب الدولہ و ردیابت الدولہ
اور خدا جانے کیا کیا خطاب دیکر انیس و محرم بنایا گیا،

شعر و سخن و موسیقی میں مہارت پیدا کرنے کے ساتھ طبلہ بجانے اور ناچنے میں وہ کمال پیدا کیا کہ اس فن کے
بڑے بڑے اون کے سامنے کان پکڑتے تھے، ہر سال قیصر باغ میں ایک میلہ مقرر کیا، جس مین ہر شخص گیروے
کپڑے پہنکر شریک ہو سکتا تھا، جان عالم جس دن کم ہوتے اور پریان جوگنوں کا بھیس بدلکر بین بجاتی ہوئی
اون کو ڈھونڈھنے نکلتی تھین تو اچھے اچھے ثقہ اور پرہیزگار لوگون کے حواس باختہ ہو جاتے تھے، پھر جب وہ
ملتے تھے اور جشن منایا جاتا تھا تو اوس کے شان و شکوہ کا کچھ ٹھکانا نہ تھا،

قیصر باغ میں ٹیڑھی کوٹھی چیدر و زہوئے کھدی ہے اوس مین اندر کا اکھاڑہ جمتا تھا، پریاں آسمان سے

رواج کے موافق تعلیم پاکر شعر و سخن کی طرف توجہ کی، شیخ امام بخش کا زمانہ تھا، نواب معتمد الدولہ کے اُستاد ہونے کی وجہ سے لکھنؤ مین اون کی شاعری کا سکہ رائج تھا، انھین کے شاگرد ہوگئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اُترتی تھین اور اون کا ناچ ہوتا تھا، خود جان عالم راجہ اندر بنکر بیٹھتے تھے غرض کہ وہ وہ سامان کیئے گئے تھے کہ اندرسبھا، سحر البیان کے مصنفین نے عالم خیال مین وہ تماشے نہین دیکھے تھے،

جان عالم جب اِن مشغلون مین محو تھے، تو سمجھو کہ سارا لکھنؤ انھین باتون کا سودائی ہو رہا، ادنیٰ اہلکار سے لیکر وزیر تک سب اِسی بادۂ غفلت سے سرشار تھے، مصارف کی زیادتی چکلہ دارون کی نوچ کھسوٹ اور تعلقدارون کی سرکشی سے ملک مین ایک ہنگامہ برپا تھا، رعایا دن دھاڑے لٹ رہی تھی، مگر کسی کے کانون پر جون تک نہین رینگتی تھی، سلیمن صاحب اوس زمانہ مین رزیڈنٹ تھے، وہ نواب علی نقی خان سے کچھ برہم تھے، موقع پاکر سرکار کمپنی کے اہلکارون کے خوب کان بھرے، لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل تھے، پنجاب اور ناگپور کی ریاست کو ضبط کرکے منھ کو خون لگ چکا تھا، بجاے اس کے کہ بادشاہ کو آنکھین دکھاکر نالائق اہلکارونکو نکلوا دیتے یا خود بادشاہ کو معزول کرکے اون کے بھائی بیٹون مین سے کسی کو بادشاہ کر دیتے، انتزاعِ سلطنت کا فرمان لکھکر جنرل اوٹرم کو ۱۲۷۱ھ مین بھیجدیا، اوھون نے آتے ہی، ۰ کرور روپیہ سالانہ آمدنی کا ملک بغیر اسکے کہ بندوق کا ایک فیر بھی ہو انگریزی گورنمنٹ کے قبضہ مین لے لیا، جناب عالیہ (واجد علیشاہ کی ماں) بہت چیخین چلائین کہ واجد علی نالائق ہی تو مصطفےٰ علی ایک بھائی کو یا جنرل سکندر دوسرے بھائی کو بٹھادو، مگر کون سنتا ہی جان عالم کے مشاغل کے لیئے پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہوگیا،

۵ رجب ۱۲۷۲ھ کو بادشاہ بنفس نفیس اپیل کرنے کو باصد حسرت و یاس لندن روانہ ہوئے، مگر کلکتہ پہونچکر راے بدل گئی، جناب عالیہ اپنے فرزند جنرل سکندر حشمت، مرزا حامد علیخان ولی عہد، اور مولوی مسیح الدین کو جو کہ سفیر شاہی کو لیکر ایک سو دس زن و مرد کے ساتھ لندن روانہ ہوئین وہ لندن پہونچی ہی تھین (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

اور چند روز کی مشق مین اون کے اکثر شاگردون سے بہتر کہنے لگے ،

برق شاعری کے علاوہ بانکپن مین بھی انگشت نما تھے ، بانک بنوٹ اچھی جانتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کوئن وکٹوریہ ملکہ معظمہ انگلستان سے صرف ایک ملاقات ہوئے پائی تھی کہ ہندوستان میں غدر ہو گیا جن انگریزون کو اس خانماں آوارہ فاطلمت ہمدردی بھی تھی وہ بھی ان کو چشم غضب آلود سے دیکھنے لگے اور انجام یہ ہوا کہ جناب عالیہ و جنرل سکندر حشمت نے یورپ میں سفر آخرت اختیار کیا باقی لوگ دل بریان و چشم گریاں واپس آئے ، ادھر بادشاہ کو انگریزون نے ایام غدر میں بلحاظ مصلحت ملکی فورٹ ولیم میں نظر بند کر رکھا تھا جس میں مہینے کے بعد وہاں سے چھوڑ کر نکلے اور بارہ لاکھ روپیہ سالانہ [illegible] کر کے مٹیا برج میں کوٹھیاں اور بنگلے خرید کر کے اپنے عیش و عشرت کا سامان مہیا کر لیا چند روز مین عالیشان عمارتیں بنکر تیار ہو گئیں اور لکھنؤ کا پرستان اٹھکر مٹیا برج آ پہونچا بادشاہ نے دل بہلانے کو زندہ جانورون کا حصہ جمع کیا کہ شاید دنیا میں اوس کا کہیں جواب ہوگا ،

اوس زمانے میں جس نے مٹیا برج دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اس مٹی ہوئی حالت پر اُسنے تاج عالم کا کرجہ مدد کا اکھاڑہ کر رکھا تھا ، [illegible] اپنے دلکشا کی وہی شان آرائش و آسائش کے سامان [illegible] اطراریاتی اور دادو دہش کی وہی کیفیت غرض کہ جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا وہ کر دکھایا اور اس سطح سے دل کو زندگی [illegible] کر دی کہ گویا [illegible] حیثیت بڑی ہی نہ تھی ،

لوگ کہتے ہیں کہ ان میں بری برائیاں نہ تھیں کچھ خوبیاں بھی تھیں ، اول یہ کہ باوجود اس عیش و عشرت کے شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا ، دوسرے یہ کہ نامحرم پر کبھی ہاتھ نہیں ڈالا نہ کسی کی بہو بیٹیاں ریز دستی چھینیں جس پر ہی کبھی دل آیا اوس سے نکاح یا متعہ کر کے حرام کو حلال کر لیتے تھے تیسرے تعصب [illegible] دیوانگی کی حد تک نہیں تھا شیعہ سنی اور ہندو [illegible] کے دل [illegible] سے متمتع ہوئے بلکہ اکثر اہلکار [illegible] تھے [illegible] کبھی [illegible] نہیں کیا ،

[illegible]

اور تلوار خوب لگاتے تھے، نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی کے زمانہ وزارت مین امراو وزرا سے روشناس ہو چلے تھے، واجد علیشاہ کے زمانے مین خاصی ترقی کی ہر وقت مصاحبت مین رہتے اور بادشاہ کے کلام مین اصلاح بھی دیتے تھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شاعری کی حیثیت سے دیکھو تو تصنیفات کا انبار اذخیرہ چھوڑا ہی کہ کسی شے سے تشے شاعر کو بھی اوسکی امید نہیں چھٹے دیوان غزلون کے کئی مثنویاں عاشقانہ قصوں کی جن میں سے اکثر آپ بیتی ایک کتاب ساختہ بنیاد البحث الحقل نعل ہے اختری عشق نامہ، رسالۂ ایمان، مصائب اہلبیت میں، دفتر پریشان مقتل معتبر، دستور واحدی، سیاست مدن میں ولمن موسیقی میں جوہر عروض، عروض مین اوندھا حاسے کتنی تصنیفات ہیں جن کی تعداد چالیس سے کم نہیں،

کلام کا رنگ وہی ہی جو اس زمانے میں عام تھا اور جس کی ذمہ داری خود انھیں کے متاعل پر عائد ہوتی ہی، آپ بیتی جو قصے مثنویون میں لکھے ہیں اون کو کوئی مہذب آدمی دیکھ نہین سکتا،

لے پرزادو تمھاری آگ نے پھونکا یہ گھر — قاف سے تا قاف شہرہ ادر ستارہ ہو گیا

یہی تشویش شب و روز ہی بنگالہ میں — لکھنؤ پھر بھی دکھائے گا مقدر میرا

یوں تو شاہان جہان پر ہی پڑا وقت مگر — ختم ہی اختر بیکس پہ جفائے عزت

قید ہونے سے کہیں لوٹے ریاست جائے گی — لاکھ گردش آسماں کو ہو رہیں ہوتا نہین

سخاوت کیا کرون گا داغ ہائے جسم عریاں سے — حرائے مین وہ اہر یں جمع ہیں جو مٹ نہیں سکتین

توقع صبح ہونے کی کسے ہوتی ہی فرقت مین — وہ راہیں ہجر کی ہین اے خدا جو کٹ نہیں سکتین

اوس زمانہ کا رنگ ہی اور تھا، لفظی رعایتین ضلع وجگت کی حدتک پہونچ گئی تھین، نئی نئی تشبیہون اور پیچیدہ پیچیدہ استعارون کا ہر شخص دلدادہ ہورہا تھا اور شاعری اپنے بلند مرتبہ سے گر کر انگیا چوٹی مین پھنس گئی تھی، یہ باتین اوس زمانے مین عیب نہین رہی تھین، بلکہ طرۂ افتخار سمجھی جاتی تھین، خود برق کی زبان سے اس کی حقیقت سنو،

راجہ اندر کا اکھاڑہ صحبتِ اقدس ہی برق نام رکھا ہی پرستان بزم عشرت گاہ کا

ناسخ و آتش کے شاگرد سب اسی رنگ مین رنگے ہوئے تھے، کوئی کم کوئی زیادہ اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو اس کتاب کا مقدمہ پڑھو،

برق بہت پرگو شاعر تھے، ایک ضخیم دیوان عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط انھین کی زندگی مین شائع ہوگیا تھا، اوس مین غزلین مخمس، مسدس، ترجیع بند، رباعیان قطعے سبھی کچھ ہین،

ایک شہر آشوب لکھنؤ کی تباہی کا بہت درد انگیز لکھا ہی، معلوم نہین کہ پہلے دیوان کی اشاعت کے بعد دوسرا دیوان ان کا مرتب ہوا یا نہین،

انتزاع سلطنت کے بعد اپنے بادشاہ کے ساتھ یہ بھی کلکتہ چلے گئے تھے اور جب بادشاہ فورٹ ولیم مین نظر بند کیئے گئے تو انھون نے بھی حق رفاقت ادا کیا اور وہین ۲۰ صفر کو ۱۲۷۳ھ کو فرق مبارک پر تصدق ہوگئے، اور جو کچھ کہا تھا کر دکھایا ع

برق جو کہتے تھے آخر وہی کر کر اٹھے جان دی آپ کے دروازہ پہ مر کر اٹھے

منتخب اشعار

اتنا تو جذب عشق نے بارے اثر کیا اس کو بھی اب ملال ہی میرے ملال کا

نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی　　اچھا ہوا جو خاک مین تم نے ملا دیا

اذان دی کعبہ مین ناقوس دیر مین پھونکا　　کہان کہان ترا عاشق تجھے پکار آیا

ہر اک نفس عشق مین ہے زندگی خضر　　جینے کے لیئے مرتے ہین بیمار محبت

آتا نہین قرار دل بیقرار کو　　غم مین پھنسا ہون دام محبت سے چھوٹ کر

دل مکدر رہو تو سب عیش جہان مٹی ہے　　تو نہین پاس تو پھر لطف چمن خاک نہین

قیس کا نام نہ لو ذکر جنون جانے دو　　دیکھ لینا مجھے تم موسم گل آنے دو

ہم تو اپنون سے بھی بیگانہ ہوئے اُلفت مین　　تم جو غیرون سے ملے تم کو نہ غیرت آئی

خدا غریب کی سنتا ہی غیب سے فریاد　　اثر عجیب دل دردمند رکھتا ہے

شکوہ مینے جو کیا جائے شکایت یہ نہین　　جس سے ہوتی ہے اُمید اوس سے گلہ ہوتا ہی

اُٹھا کے آئینہ دکھلا دیا ادسے مینے　　نسوجھی عارض گلگون کی جب مثال مجھے

میر علی اوسط رشک

علی اوسط نام رشک تخلص میر سلمان کے بیٹے تھے، اور فیض آباد بزرگون کا وطن تھا،
لکھنؤ مین اِن کا نشو و نما ہوا، پورا نام و لقب والا جاہ میر علی اوسط رشک ہے
والد اِن کے علوم و فنون مین کافی مہارت رکھتے تھے، والد سے اور دیگر علما کی فیض
صحبت سے استعداد علمی حاصل کر کے شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد ہوئے،

شاعری مین وہ جوش و خروش نہین پایا جاتا جو خواجہ وزیر یا ان کے اور خواجہ
آتش کے حصے مین آیا تھا، مگر زبان کی تصحیح اور لغات کی تحقیق مین یہ ناسخ کے تمام
شاگردون مین ممتاز حیثیت رکھتے تھے،

تاریخ گوئی مین بھی اِن کو خاص ملکہ تھا، بات بات پر تاریخ کہتے تھے اور مرنے
جینے کی تاریخون کا تو انھون نے ٹھیکہ لے رکھا تھا، اِدھر کسی کا دم نکلا اُنھون نے تاریخ
نکال لی، کوئی پیدا ہوا نال کٹنے مین دیر ہو تو ہو مگر تاریخ مین دیر نہین لگتی تھی،

سب سے زیادہ جو چیز اِن کی زندگی کا نمایان کارنامہ ہی وہ زبان کی اِصلاح ہی،
ناسخ تو اُستاد تھے ہی مگر واضع اِن قوانین کے رشک تھے، کچھ الفاظ نمونے کے طور پر
ملاحظہ ہون، وہان بروزن جان نہو بر وزن جہان ہو، پر یہ کہ کی جگہ ہونا ضروری ہی
رکھا بالتخفیف کی جگہ رکھا بالتشدید تلک کی جگہ تک، بنھانا پنھانا کی جگہ بیٹھانا پہنانا، اسباب
کی جگہ اِس بارہ مین شعلہ وعدہ دریا اور صحرا کا ہم قافیہ نہو علاوہ اِن کے اور بھی قاعدے
بنائے ہین جن کی پابندی ناسخ و آتش نے بھی نہین کی، مگر انھون نے وجوبًا اون کو اختیار
کیا اور مزہ یہ ہی کہ اِن کی شاعری اِسی مین چوپٹ ہو گئی،

معلوم ہوتا ہی کہ وہ شعرا اسی ضرورت سے کہتے تھے کہ جو الفاظ یا جو ترکیبین بول چال
مین لطف دیتی ہین اون سے شعر مین بھی کام لیا جائے، مثلاً آپ ہی کی جگہ آپی یا اور ہی
کی جگہ اورہی یا ایک ہی کی جگہ ایکی یا ساتھ ہی کی جگہ ساتھی یا بال بیکنا کی جگہ بال بیکا ہونا
آخر کرنا مار ڈالنے کے معنون مین اپنی طرف دیکھو جانے دو کے معنی مین اِدھر کی باتین اودھر
کرنا لگائی بجھائی کے معنون مین اٹنے لئے کے صرف اِسی کام کے واسطے، جب نہ تب
اکثر وقت بے وقت، جان ہار جان پر کھیلنے والا، خاطر نشان ہونا مطمئن ہونا. صاحبی پانا،
عروج پانے کے معنون مین، غرضکہ اس طرح کے سینکڑون الفاظ اور ترکیبین جو بول چال مین
تھین مگر شعر و انشا مین اون سے بچاؤ کیا جاتا تھا، انھون نے اون کو نظم کرکے زبان کو وسعت
دیدی اور صرف نظم کرنے پر ہی قناعت نہین کی بلکہ ۱۲۵۶ھ مین اردو کا ایک لغت تالیف
کرکے ملک پر احسان عظیم کیا جس کا تاریخی نام نفس اللغہ ہی اوس کا ایک حصہ نشتر کاکوروی
نے چھپوا کر دفتر نور اللغات سے شائع کر دیا ہی،

حقیقت یہ ہی کہ شاعری سے قطع نظر بھی کر دو تو اِن خدمتون کے لحاظ سے رشک کو
بجا طور پر اِس کا فخر حاصل ہی کہ اون کو اساتذہ شعرا کے دوش بدوش جگہ دی جائے،

رشک آخر عمر مین کربلائے معلی چلے گئے تھے اور وہین ۱۲۸۴ھ مین وفات پائی ان کے
تین دیوان ہین اون مین سے نظم مبارک اور نظم گرامی دو دیوان ۱۲۵۳ھ اور ۱۲۶۱ھ مین
ترتیب دیکر ۱۲۶۳ھ مین خود چھپوائے تھے، تیسرا دیوان ضائع ہو گیا، جس کی نسبت کہا
جاتا ہی کہ اِن دونون سے اچھا تھا،

اِن دیوانون مین چوٹی کے شعر کم ہین، اِصلاحِ زبان کی دھن مین بلند خیالی اور مضمون
آفرینی کی اِن کو پروا نہین تھی، نمونہ ملاحظہ ہو،

یار کو ہم سے کچھ لگاؤ نہین — وہ محبت نہین وہ چاؤ نہین
پرزون مین دستخط کرون کیا حال — ایک دو تین چار تاؤ نہین
عید بھی وصل سے چلی خالی — کچھ گلے ملنے کا لگاؤ نہین
گنگ کو بحرِ غم سے کیا نسبت — یہ وہ دریا ہے جس مین ناؤ نہین
اور کیا ہے ترا لعاب دہن — یہ اگر قند کا بچاؤ نہین
اس کی جاڑے مین اور نالہ و آہ — اس طرح کا کوئی الاؤ نہین
چاول الماس گوشت لخت جگر — فرقت یار مین پلاؤ نہین
میرے کھانے سے کیون فلک ہے کباب — یا وہ روٹی ہے نان پاؤ نہین
ہجر مین کیون طرح طرح نہ دبائے — بار غم پر مرادباؤ نہین
یہ زمینِ غزل وہ ہے اے رشک — جس مین ذرہ کہین بھراؤ نہین

یہ بہت بڑی غزل ہی جس کے کچھ اشعار مینے نقل کیئے مین اتفاق سے ایک قافیہ رہ گیا ہی جس کو رشک نے ہاتھ نہین لگایا اون کے کسی حریف نے اِس کمی کو پورا کر کے خود انھین کی طرف منسوب کر دیا ہی اور نشتر کا کوروی نے نفس اللغہ کے مقدمہ مین ناظرین کتاب کی اوس سے ضیافت طبع کر دی ہی۔ اوس کو بھی ملاحظہ فرمائیے

دور سے یہ جھیچھڑے دکھاؤ نہین — رشک بیٹھا ہی بن بلاؤ نہین

یہ تو ایک دل لگی ہوئی مگر دیکھنا یہ ہے کہ اوس زمانے مین اہل مذاق انکے کلام کی نسبت کیا رائے رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان کی صحت وصفائی کے سامنے مضمون کی تازگی اور بلندی کا خیال نہین رکھتے۔ مضمون خاک مین ملجائے مگر زبان صحیح اور پاکیزہ ہو، باوجود اِس کے اِن کے دیوانون سے ایسے اشعار بھی انتخاب کیئے جا سکتے جن سے

ان کی مشاقی اور استعداد کا پتہ چلتا ہی، مثلاً

کہان یہ لطف چیتے نے اگر پائی کمر پتلی | تمہارے ہونٹ پتلے انگلیان پتلی کمر پتلی
تجھے تشبیہ حیوانون سے کیون انسان دیتے ہین | نہ وحشت چشم آہو مین نہ چیتے کی کمر پتلی
فقط تجھ مین عناصر نے عجب ترکیب پائی ہی | بدن شفاف، شانے گول قد موزون کمر پتلی

بیشتر حصہ ان کے کلام کا لفظی رعایتون اور ضلع جگت کی پیچیدگیون مین پھنسا ہوا ہی اور کہین کہین ایسے مبتذل مضامین باندھے ہین جو پڑھنے کے قابل نہین ہ، بدمذاقی کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہو سکتا ہی کہ جستجو اور تلاش سے بھی ایسے اشعار ان کے ہان ہین ملتے جن سے دل کو سرور اور آنکھون کو نور حاصل ہو، دو چار شعر جو ملے ہین انھین پر قناعت کرتا ہون،

اِس فہم پر حقیقت صانع کی فکر ہے | واقف نہین ہم اپنی حقیقت سے آجتک

ہم آپ مین آئینگے تو وہ آئین گے آپ ہی (آپ ہی) | دل ہی مین سراغ دِر دلدار ملے گا

محفل مین شمع چاند فلک پر چمن مین پھول | تصدیر روے انور جانان کہان نہین

جو مشکل ہی مرنا تو مرنا کسی پر | یہ مرنا تو اسے رشک مشکل نہین ہی

مرزا اصغر علیخان نسیم

مولد، منشاش شاہجہان آباد دہلی است در آخر عمر لکھنؤ را از قدوم خود رونق بخشیدہ

مدتے بر مسند افادہ نشست و طالبان فن۔ از پایۂ تعلیم و تلمذ بمرتبۂ کمال رسانیدہ ۱۲۸۳ھ جہان آب

اصغر علیخان نام نسیم تخلص نواب آقا علیخان قاچار کے بیٹے تھے، دلی مین پیدا ہوئے اور وہین نشو و نما پایا حکیم محمد مومن خان سے مشق سخن کی، زمانہ موافق تھا، اپنے مکان پر مجلس مشاعرہ ترتیب دیتے تھے اوس مین مومن خان و دیگر مشاہیر دلی شریک ہو کر داد سخن دیتے،

پہلے اصغر تخلص کرتے تھے بعد کو نسیم اختیار کیا، جبتک دلی مین رہے بہت فراغت اور خوشحالی سے زندگی بسر کرتے رہے، باپ کے مرنے کے بعد بھائیون سے نہین بنی اور کچھ ایسی شکل پیش آئی کہ دلی کو چھوڑنا پڑا، غدر کے کچھ دنون پہلے لکھنؤ آ رہے، واجد علیشاہ کا زمانہ تھا اون کی تعریف کے قصیدے دیوان مین موجود ہین مگر یہ معلوم نہین کہ دربار تک رسائی ہوئی یا نہین اور ہوئی تو اون سے کیا سلوک ہوا،

اتنا معلوم ہے کہ نواب سالار جنگ کے خاندان کے بعض امرا ان کے شاگرد ہو گئے تھے اور وہ اِن کے ساتھ سلوک کرتے تھے،

غدر کے بعد منشی نولکشور مالک مطبع نے جن کا چھاپہ خانہ اِس وقت تک تمام ہندوستان مین بے نظیر سمجھا جاتا ہی، اِن کی طرف قدر دانی کا ہاتھ بڑھایا اور الف لیلہ کو نظم کرنے کی خدمت سپرد کی، ایک جلد ختم کرنے پائے تھے کہ خود اونکا قصہ تمام ہو گیا، اور ۲۴ رمضان ۱۲۸۳ھ کو وفات پائی،

مزاج مین آزادی اور وارستگی بیحد تھی، جو کچھ لکھتے تھے اوس کی نقل اپنے پاس نہین رکھتے تھے، مرنے کے بعد اون کے شاگردون نے بڑی محنت اور کاوش سے اون کا کلام فراہم کر کے دیوان مرتب کیا،

نسیم نے تمام اصناف سخن مین قدرت کامل پائی تھی، خصوصاً مثنوی مین اون کو ید بیضا حاصل تھا اون کے کلام مین خیال کی دلفریبی اور بیان کی رنگینی کے ساتھ زبان کی صفائی اور پاکیزگی اس قدر نمایان اور واضح ہے کہ اوس کے ساتھ کسی دوسرے کا کلام لگا نہین کھاتا،

میری نظر مین وہ اپنے معاصرین اہل دہلی مین ایک ہی شخص ہین، جس نے اپنی طرز بیان کو محفوظ رکھتے ہوئے اہل لکھنؤ کی متروکات کو قبول کرنے مین پیشقدمی کی اور زبان کا ایسا اعلی نمونہ پیش کیا کہ شعرائے لکھنؤ نے اوس کی داد دی اور یہان رہکر اپنے شاگردون اور عقیدتمندون کا ایک معقول گروہ پیدا کر لیا،

الف لیلہ منظوم کے ساقی نامے اگر ایک جا جمع کر دیئے جائین تو میرا خیال ہے ظہوری کا ساقی نامہ اِس کے سامنے بے حقیقت ہو جائے گا، نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کرتا ہون ملاحظہ فرمائیے، اور داد دیجیے،

سنبھل ساقی کہ وقت اس اور آیا — رہون بیہوش پھر وہ دور آیا
مزا رکھتا نہین بے کیف جینا — تمنّا ہے کہ برسے ابر مینا
ہر اک قطرہ لہو بن بن کے ٹپکے — مرے دامن سے چھن چھن کے ٹپکے
طبیعت صورتِ مے جوش مین ہے — تمنا عزم نوشا نوش مین ہے
نظر آئے کنارِ جامِ گلگون — لبِ شاہد سے ...

پیے لطف مضموں

وفورِ شوق وقفِ گفتگو ہو | سخن افسانہ ریز آرزو ہو
گلے مِل مِل کے لفظون سے معانی | دکھائین گفتگو کی نوجوانی
طبیعت محو ہو عرضِ سخن مین | فسانہ یون بیان ہو انجمن مین

غزلون کے منتخب اشعار ملاخطہ ہون

حیا بڑھنے نہین دیتی ارادہ نوجوانی کا | اشارہ ہو کے رہجاتا ہے ہمپر مہربانی کا

گلے مین بخت کے اون کا بھی کچھ قصہ نکل آیا | ہوئی تھی صلح کس مشکل سے پھر جھگڑا نکل آیا

جب دیکھیے قرار نہین ایک حال پر | میرا سا اب تو حال ہوا روزگار کا

کبھی آغوش مین رہتا کبھی رخسارون پر | کاش اے آفتِ جان مین ترا آنسو ہوتا

منھ میرا نہ کھلواؤ کہ ہو جائین گے لب بند | دیکھو یہی اچھا ہی کہ مین کچھ نہین کہتا

افشائے محبت کا جو تھا خوف تو ہر اشک | آنکھون مین نہان تھا کوئی دامن مین چھپا تھا

اب درد جگر ہو کے نکلتا ہے دہن سے | وہ جوش جو برسون مرے سینہ مین نہان تھا

بہت مشکل ہی رہنا پاکدامن لوث دنیا سے | اُلجھ کر رہ گیا جو وادیِ پُرخار مین آیا

اشک دیدہ ہین ہمین کیا خانہ ویرانی کی فکر
گر پڑے جس جا وہی اپنا وطن ہوجائیگا

کہے دیتی تھین یہ نیچی نگاہین
کہ بالائے زمین کیا کیا نہ ہوگا

نام میرا سنتے ہی شرما گئے
تم نے تو خود آپ کو رسوا کیا

آنکھون مین ہی بحاظ تبسم فزا ہین لب
شکر خدا کہ آج تو کچھ راہ پر ہین آپ

ہاتھ مین خنجر کمر مین تیغ تیز
یہ ارادہ ایک مشت خاک پر

ہوتی نہین ہی کم مری ویرانہ دوستی
جاتا نہین ہے سر سے خیال وطن ہنوز

غیر نے اک طرز بیتابی مرا سیکھا تو کیا
سیکڑون باتین ہین ایسی خاطر ناشاد مین

ہم اسیران قفس کیا جانین لطف بوستان
مدتون سے مبتلائے زحمت صیاد ہین

شوق شراب وخواہش جام وسبو نہین
ہے سب حرام جب سے کہ پہلو مین تو نہین

میرا ہی دوست خود سبب دشمنی ہوا
آئین خرابیان دل خانہ خراب سے

میر مظفر علی خان اسیر

شاعرے بلند فکر عالی پایہ و دبیرے نیکو تحریر گرانمایہ صاحب التصانیف وکثیر التلامذہ معاصر بفیر راقم ہست امہ مہر جہانتاب،

مظفر علی اسیر میر مدد علی کے بیٹے تھے، اتھیٹی ضلع لکھنؤ مین پیدا ہوئے، فارسی کی کتابین اپنے والد سے عربی صرف نحو اپنے چچا سید علی اور علمائے فرنگی محل سے پڑھین اور شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے مشق سخن کی مگر یہ اون کے ایسے زمانے کے شاگرد ہین کہ اوستاد کے رنگ سے اِن کو کچھ حصّہ نہین ملا،

نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے زمانے مین [illegible] ہوئے آٹھ برس تک محکمہ صدر امانت مین امین رہے، امجد علی [illegible] شاہ کے زمانے مین نواب امین الدولہ کا ستارہ اقبال چمکا تو [illegible] سے یہ میر منشی ہوگئے، جب زمانے نے ورق اُلٹا تو امین الدولہ کے [illegible] کی پاداش مین چند دنون اسیر رہے،

چند دنون کے بعد پھر تقدیر چمکی، واجد علی شاہ نے قید و بند سے آزاد کرکے تنخواہ مقرر کردی اور "تدبیر الدولہ مدبر الملک بہادر جنگ" کا خطاب عنایت کیا،

انتزاعِ سلطنت کے بعد رامپور یاد آیا، جس زمانے مین نواب محمد سعید خان لکھنؤ مین رہتے تھے اپنے صاحبزادون کی تعلیم ان کے متعلق کردی تھی اِسی سلسلہ سے رامپور پہونچے، اوس وقت ان کے شاگرد نواب یوسف علیخان برسرِ حکومت تھے انھون سرپرستی فرمائی اور اپنا کلام اِن کو دکھلانے لگے،

یوسف علیخان کے مرنے کے بعد اون کے لائق جانشین نواب کلب علیخان مرحوم کی

قدر دانی سے تھوڑے دنون فراغت سے زندگی بسر کر کے ۱۲۹۹ھ مین وفات پائی،
اسیر بہت پرگو اور کہنہ مشق شاعر تھے اور تمام اصنافِ سخن پر قدرت رکھتے تھے
مگر اپنے ہمعصرون کی طرح لفظی رعایتون کے اسیر تھے، شاگردون مین منشی امیر احمد امیر
مولوی الٰہی بخش نازش منشی احمد علی شوق اور ریاض احمد ریاض ایسے اچھے شاعر ہوئے
جو درحقیقت اُستاد کی ناموری کے زیادہ تر باعث ہوئے، تصنیفات مین ایک دیوان
فارسی کا ہے چھہ دیوان اُردو کے اور کئی مثنویان ہین، ایک کتاب عروض مین زرِ کامل عیار
شرح معیار الاشعار ہے، اور رسالے عروض و قافیہ اور صرف و نحو مین ہین،

دشمن جو سمجھتے ہو تو کیون مجھ سے ہو غافل ۔۔۔ دشمن سے جہان مین کوئی غافل نہین ہتا

آنکھ اوس کی پھری مجھ سے یہ باور [illegible] کہ ضعف سے بیمار کو چکر نہین آتا

ثابت اپنا نہ ہوا خون کسی پر دمِ حشر ۔۔۔ ناز نے غمزہ پہ [illegible]

مسجد سے نکل کر مین رہ بتکدہ بھولا ۔۔۔ تقدیر نے میری مجھے رکھا نہ کہین کا

نفع پہونچا نہ کسی کو چمنِ گردون سے ۔۔۔ گل خورشید کبھی زیبِ گریبان نہ ہوا
اوس کے دامن سے مرے خون کا دھبہ دھونا ۔۔۔ تجھ سے اتنا بھی تو اے دیدۂ گریان نہ ہوا

ضعف پیری بڑھ گیا زورِ جوانی گھٹ گیا ۔۔۔ اب عصا بنوائیے نخلِ تمنا کاٹ کر

اُٹھنا اونھین منظور ہی پہلو سے ہمارے — حیلہ ہے کہ دیکھی نہین جاتی تپشِ دِل

یاد ایام کہ رہتے تھے کھنچے یار سے ہم — اب یہ عالم ہے کہ جھکنے لگے اغیار سے ہم

احباب کی نظر مین سبک ہون تو ہون آسیر — کرتا ہون شکر دل پہ کسی کے گران نہین

مین اور زیست ہجر مین قدرت خدا کی ہی — اِنسان کے اختیار مین اپنی اجل نہین

دھوم محشر مین ہوئی جب تری آمرزش کی — بیگنہ پل گرے جب [illegible] دن مین

باقی ابھی ہے ترک تم[illegible] — کیونکر کہون کہ کوئی تمنا نہین مجھے

وہ نہ آیا تھا اگر موت ہی آتی شبِ ہجر — اے فلک کوئی اُمید بر آئی ہوتی

خدا جانے یہ کس کی جلوہ گاہِ ناز ہے دنیا — بہت آگے گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

شیخ اِمداد علی بحر

امداد علی نام بحر تخلص، امام بخش کے بیٹے، اور اپنے باپ کے ہمنام شیخ

امام بخش ناسخ کے شاگرد ہوتھے، لکھنؤ وطن تھا، گندم گون، دُبلے پتلے، میانہ قد، صحت الفاظ تحقیق لُغت اور فن عروض مین مشہور رشک کے بعد ناسخ کے شاگردون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے،

چھوٹی شاہزادی کی سرکار سے کچھ وظیفہ ملتا تھا، اونھین کی ڈیوڑھی پر پھاٹک کی بغل مین ایک کمرہ تھا وہین افیون گھُلا کرتی تھی، اور ایک بوسیدہ چٹائی پر بیٹھے رہتے، لوگ دور دور سے تحقیقِ الفاظ کو آتے اور اوسی بوسیدہ بوریے پر بیٹھنا فخر سمجھتے تھے،

دن بھر ڈیوڑھی مین بیٹھ کر شام کو گھر آتے، توپ دروازے مین ایک کچا سا مکان تھا، بیوی تھین اور آپ تھے، لوگ کہتے ہین کہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا بھی تھا، پینسٹھ برس ا ... حالی مین بسر کیئے، نواب کلب علی خان مرحوم کو خبر ہوئی کہ لکھنؤ مین ایک زباندان موجود ... اور عزت افزائی فرما کر تنخواہ مقرر کر دی، عرصہ تک رامپور مین رہے آخر وقت مین ... آیا، نواب کے یہان مشاعرہ تھا، یہ بھی غزل لیکر پہونچے، مقطع مین لکھنؤ کی جدائی کا اظہار دردناک انداز سے کیا تھا، نواب کو رحم آیا، کچھ ... دلا کر رخصت کر دیا، یہ پھر اوسی مسند جم پر آبیٹھے جس کے بارے مین خود فرماتے ہین،

خدا آباد رکھے لکھنؤ کے خوش مزاجون کو ہر اک گھر خانۂ شادی ہی ہر کوچہ ہی عشرت کا

مزاج کی وارفتگی نے دیوان کی ترتیب کا موقع نہین دیا، اِن کے دوستون کو جو کچھ غزلین ہاتھ لگین ردیف وار جمع کین اور جو ردیف خالی تھی اوس مین غزلین لکھوا کر شامل کین یہ دیوان چھپ گیا ہی،

لوگ کہتے ہین کہ اُردو کا ایک لغت لکھنا شروع کیا تھا، اون کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس کی کیا توقع ہی کہ اوس کو پورا کیا ہو، تخمیناً پچھتر برس کی عمر مین سنہ ۱۳۰ھ مین وفات پائی،

نہ تو وہ پھول نہ کلیان نہ وہ سبزی نہ بہار　　　رت کی پھرتی ہی چمن زار کا تختہ اُلٹا

میرا دل کس نے لیا نام بتاؤن کس کا　　　مین ہون یا آپ ہین گھر مین کوئی آیا نہ گیا

کیا کیا نہ مجھ سے سنگدلی دلبرون نے کی　　　پتھر پڑین سمجھ پہ نہ سمجھا کسی طرح

وصلِ جانان نہ ہوا وقتِ وصال آپہونچا　　　[illegible] دل کی تمنا دل مین

ظالم ہما[illegible] یاد رکھ　　　اتنا بھی دل جلون کا ستانا بھلا نہین

مدت سے التفات مرے حال پر نہین　　　کچھ تو کجی ہی دل مین کہ سیدھی نظر نہین

افسوس عمر کٹ گئی رنج و ملال مین　　　دیکھا نہ خواب مین بھی جو کچھ تھا خیال مین

ہوا بدل گئی پیری مین نوجوانی کی　　　بہار دیکھ چلے باغِ زندگانی کی

آسایشِ بیجا سے مسرّت نہین ہوتی　　سو جائین اگر پانون تو راحت نہین ہوتی

بسملِ ہجر سے پوچھے کوئی مرنے کی خوشی　　جان آتی ہے بدن مین کہ قضا آتی ہے
داغ کو کیون نہ کلیجے سے لگائے رکھون　　مجکو اس پھول سے خوشبوئے وفا آتی ہے

گئی برسات گذر اس سال بھی فریاد و شیون مین　　خبر ہم کو نہین بادل کدھر آیا کدھر برسا

دور دوم

منشی امیر احمد امیر

منشی امیر احمد امیر مولوی کرم احمد مینائی کے بیٹے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے،
نسب کا سلسلہ مخدوم شاہ میناؒ کے خاندان سے ملتا ہی ۲ شعبان ۱۲۴۴ھ کو لکھنؤ
مین پیدا ہوئے، درسی کتابین مفتی سعد اللہ مرحوم اور اون کے ہمعصر علماء سے پڑھکر
شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا، منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد [illegible] اور کچھ دنون کی محنت
وجانکاہی مین ایسی مشق بہم پہنچائی [illegible] سے بھی آگے بڑھ گئے،
[illegible] ۱۲۶۹ [illegible] دربار شاہی تک رسائی ہوگئی ارشاد السلطان
[illegible] تصنیف کین اور خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے،
غدر کے بعد ۱۲۷۵ھ مین رامپور گئے، نواب یوسف علیخان نے قدردانی فرمائی
۱۲۸۱ھ مین نواب کلب علیخان[1] مسند نشین ہوئے، اور خوش نصیبی سے امیر کو

---

[1] نواب کلب علیخان والی رامپور علم دوست ہنر پرور اور قدردان رئیس تھے ۱۲۸۱ھ میں اپنے والد نواب یوسف علیخاں کی جگہ مسند نشین ہوئے اور اپنی دانشمندی سے رامپور جیسی چھوٹی سی ریاست مین ایسے ایسے باکمال لوگوں کو جمع کر لیا جس کی نظیر نہیں،

علما کے گروہ میں علامہ عبد الحق خیر آبادی، علامہ عبد الحق مہدرس، مولانا ارشاد حسین، سید حسن شاہ محدث مفتی سعد اللہ اور ایسے ایسے ماہر و فاضل جسے کسب و کمال کرنے کو (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

نواب کی اُستادی کا شرف حاصل ہوا،

یہ زمانہ منشی امیر احمد کے عروج و اقبال کا زمانہ تھا، یہ جوہر قابل اور نواب جیسا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عرب و عجم سے شایقین علوم آیا کرتے تھے اطبا میں حکیم محمد ابراہیم، حکیم علی حسین، حکیم عبد العلی اور حکیم حسین رضا جو اپنے زمانہ کے چیدہ اور برگزیدہ لوگ تھے، شعرا میں میر مظفر علی اسیر، شیخ امداد علی بحر، میر اسمٰعیل حسین منیر، آفتاب الدولہ قلق احمد حسن عروج، مرزا رحیم الدین حیا، منشی امیر احمد امیر، نواب مرزا خان داغ، شیخ امیر اللہ تسلیم، حکیم ضامن علی جلال، جان صاحب ریختی گو، آغا ہجو، اور خدا جانے کتنے شاعر جو اپنے زمانے میں مشہور و مستند مانے جاتے تھے یہ سب رامپور کے وظیفہ خوار تھے،

غدر کے بعد دلی اور لکھنؤ میں جو جس فن کا باکمال تھا اوس کو رامپور کے سوا کہیں ٹھکانا نہ تھا، کر ری باورچی خانہ میں ایسے ایسے رکابدار [illegible] کیے تھے جن کا مثل ہندوستان میں نہ تھا، داستان گو ایسے ایسے قابل کہ جس وقت داستان گوئی پر آتے تو بات بات میں [illegible] خلعت سے سرفراز ہوتے، چوبدار اور مرد ھے ایسے ادب و آداب اور سلیقے کے کہ دوسری جگہ کے فہمیدہ اور سنجیدہ لوگ [illegible] سے بات نہ کر سکتے تھے،

لطیفہ، مولوی بشارت اللہ فرزند مفتی سعد اللہ مرحوم مجھ سے کہتے تھے کہ ایک بار نواب سر شام سوار ہوکر [illegible] مسجد کے قریب سواری پہونچتے پہونچتے نماز کا وقت آگیا سوادا سے اُتر کر مسجد میں نماز پڑھی اور آکر پھر سوار ہوئے چوبدار نے دیکھا کہ پیشانی پر ایک گرد لگ گیا ہے، جب سوار ہولیے تو اوس نے آگے بڑھ کر یہ آیت پڑھی وسیماہم فی وجوہہم من اثر السجود" نواب نے ہنس کر رومال سے پیشانی صاف کر لی، اِس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ نواب اپنے گرد و پیش کیسے لوگوں کو جمع کر لیا تھا،

مگر یہ بھی سن لو کہ اِس چھوٹی سی ریاست میں اتنے لوگوں کی گنجائش کیسے نکالی تھی یہ جتنے لوگ تھے اون کی تنخواہیں بہت بڑی بڑی نہیں تھیں، مولانا ارشاد حسین مولوی عبد الحق اور منشی امیر احمد کے سوا کسی کی تنخواہ سو روپیہ سے زیادہ نہیں تھی، علاوہ اِس کے جو جس کام کا اہل تھا اوس سے وہ کام بھی لیا جاتا تھا (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

قدرشناس جوہری، ع

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مگر نواب کا رکھ رکھاؤ اس غضب کا تھا کہ جو ایک دفعہ ان کے دربار تک پہونچ گیا وہ پھر رامپور سے نکلنے کا نام نہ لیتا تھا، بات یہ تھی کہ عید بقرعید سالگرہ اور عام طور پر خوشی کے موقعوں پر لوگوں کو خلعت و انعام ملتے تھے، اور جن سے زیادہ خصوصیت تھی اون کی خبر گیری خود نواب رکھتے تھے اون کو معلوم ہوتا کہ مولوی عبدالحق قرضدار ہو گئے ہیں بلاکر حال پوچھتے اور جتنا قرض ہوتا اوس سے کچھ زیادہ ہی عنایت فرماتے، یہ لوگ بھی داد و دہش کے خوگر ہو گئے تھے، بے ضرورت بھی قرضدار بن جاتے تھے

حیدرآباد میں نواب مرزا خاں کو دو ہزار روپیہ ماہوار تک تنخواہ ہوئی اور نواب فصیح الملک خطاب پایا مگر رامپور کو مرتے دم تک نہیں بھولے، حکیم عبدالعلی مرحوم میرے استاد تھے، رامپور سے آنے کے بعد واجد علیشاہ نے اونھیں یاد فرمایا اون کے مرتے وقت تک کلکتہ میں رہے، اوس کے بعد بھوپال بلائے گئے، نواب شاہجہان بیگم جیسی فیاض اور سیر چشم فرمانروا کا زمانہ، دوں جگہ سے تنخواہ المضاعف مگر میں نے انکو دیکھا ہی کہ جس وقت نواب کلب علیخان کا نام آجاتا آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوجاتے اور پہروں اونہیں کا ذکر کرتے،

نواب کی خاص صحبتوں میں مولانا عبدالحق مولانا عبدالعلی مفتی سعداللہ منشی امیر احمد اور دیگر علما و شعرا حاضر رہتے، مناظرہ کا شوق تھا، علما میں کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے اور مزے لیتے، شعر و حسن الفاظ کی تحقیق اور محاوروں کی صفائی و صحت پر شعرا کی گفتگو سنتے اور خود قول فیصل بیان کرتے

دینداری کی حیثیت سے دیکھو تو اوس میں شان بے مثالی تھی، نماز روزہ کے پابند ذکر و شغل کے عادی زکوٰۃ باقاعدہ ادا کرتے، حج کا سفر جس دھوم دھام سے کیا ہی جس کو زمانہ جانتا ہی، دلی سے حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو تشریف لانے کی تکلیف دی وہ خود تشریف نہیں لائے مگر اپنے فرزند احمد مظہر شریعت و طریقت حضرت شاہ عبدالرشید علیہ الرحمہ کو بھیجدیا، اون کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور اون کی (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

نواب کی زندگی پھر رامپور مین رہے اور مزہ مین رہے، نواب کی قدر دانی اسیر، منیر
داغ، تسلیم، جلال، اوج، عروج اور بحر کی صحبت شعر وسخن کے چرچے ایسی باتین تھین جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تشریف رہی کے بعد مرتے دم تک مولانا ارشاد حسین خلیفہ حضرت ممدوح سے اذکار
واشغال کی ورزش کرتے رہے،

حکیم عبد العلی مرحوم فرماتے تھے کہ مرض الموت مین ایک دن مجھ سے فرمایا کہ تم پر میرے جس قدر حقوق ہیں
وہ تم جانتے ہو اور مین بھی اس بات کو سمجھتا ہون کہ تم جس قدر محبت ومحنت سے میرا علاج کر رہے ہو، مگر جب وقت
آجاتا ہے کوئی تدبیر کارگر نہین ہوتی، اس لئے تم سے صرف ایک کام متعلق کرتا ہون اور وہ یہ ہے کہ جس وقت
تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ مین اب جانبر نہ ہوسکون گا مجھے فوراً مطلع کردو، وہ فرماتے تھے کہ مین اس بات کو سنکر
سناٹے مین آگیا اور سوچنے لگا کہ مین اس فرض کو کیونکر ادا کر سکتا ہوں، نواب مجکو فکر مند دیکھکر سمجھ گئے اور مجھ سے
دوبارہ تاکید کی جب وقت آیا تو مینے بار بار قصد کیا مگر زبان ہلتی نہ تھی، خدا جانے کیونکر اون سے کہا یا وہ خود
سمجھ گئے، حکم ہوا کہ مولانا ارشاد حسین کو بلاؤ، وہ تشریف لائے تو لوگون کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور اون سے
فرمایا کہ یہ وقت آپ کی ہمت اور توجہ کا ہے یہ کہکر دونون مراقب ہوگئے اور اسی حالت مین روح نے جسد عنصری سے
مفارقت کی، سبحان اللہ دنیا خوردو عقبیٰ بردو کے یہی معنی ہین ۱۳ھ کا یہ واقعہ ہے، چار دیوان ریختہ کے اون سے
یادگار ہین، کلام کا رنگ ملاحظہ ہو،

مرے ہی سامنے اغیار سے ہنس ہنس کے باتین ہوں | مجھی سے ہو پھر الٹا شکوہ میری بدگمانی کا

بچا ہوا تھا جو کچھ چال سے ترا فتنہ | بدل کے رنگ وہی گردش زمانہ ہوا

کالا... در... یہ ہم نے سنا ہے نواب | اور کچھ شب کو ہوا آپکا اعزاز نیا

(تصحیح ... نمبر ۵ ...)

جو رامپور سے ہٹنے نہین دیتی تھین،

نواب کے انتقال کے بعد زمین پانْون کے نیچے سے نکل گئی وہ قدردانی، وہ صحبتین وہ اطمینان و فراغت سب باتین خواب پریشان ہوکر آنکھون سے اوجھل ہوگئین چنانچہ خود فرماتے ہین ؎

امیر اب ہم کہان اور اب کہان داغ ۔ یہ جلسے ہوچکے خلد آشیان تک

سب سے پہلے نواب مرزا داغ حیدر آباد کو سدھارے، ایک مدت تک امیدواری کی مگر جب دربار شاہی تک رسائی ہوگئی تو روز ورود سے اوس وقت تک کی تنخواہ مل گئی،

منشی امیر احمد کو بھی قسمت آزمائی کا شوق ہوا یہ بھی گئے مگر وہان کی خاک دامنگیر تھی چند ہی روز کے بعد ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۱۸ھ کو سفر آخرت گوارا کیا،

سچ یہ ہو کہ امیر و داغ اِس دور آخر مین فلک شاعری کے آفتاب و ماہتاب تھے

(بقیہ اشعار حواشی صفحہ گذشتہ)

دیا ہو بوسہ اوسے پھیر لو تو ہم جانین ۔ یہ دل نہین ہے کہ لیجاؤ مُسکرا کر تم

عجب حسرت سے دیکھا ہو سوئے جانان دم آخر ۔ رہے گی یاد اوس کو بھی نگاہِ واپسین برسون

کہتی ہو جس کو فتنۂ محشر تمام خلق ۔ ڈرتا ہون وہ بھی کوئی تمھاری ادا نہ ہو

اوا سے ناز سے غمزے سے مُسکرانے سے ۔ وہ دل کو لیتے ہین ملجائے جس بہانے سے

ایک مضمون آفرینی کا دلدادہ تھا تو دوسرا بیان کی شوخی اور معاملہ نگاری پر فریفتہ، امیر کے ہان نازک خیالی کے ساتھ شکوہ الفاظ کی بھی چاشنی ملی ہوئی تھی اور مزہ یہ ہی اوس مین وقت پسندی کو وہ جائز نہین رکھتے تھے،

اہل سخن کا اتفاق ہی کہ امیر اس فن مین اُستاد مسلم الثبوت تھے، وہ ایسی طبیعت لیکر آئے تھے جو شعر و انشا کے لیئے موزون تھی، انھون نے تمام اصناف سخن مین طبع آزمائی کی ہی، اس پر کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ہر جگہ دست و گریبان ہی بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظون کو خوبصورتی سے پہلو بہ پہلو جڑتے جاتے ہین، خیالات نازک اور مضامین بلند اس طور پر باندھتے ہین کہ اس باریک نقاشی پر فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہی،

ان مین ایک خصوصیت یہ بھی ہی جو داغ مین نہین ہی کہ جیسے جیسے یہ بوڑھے ہوتے گئے کلام مین جوانی کی اُمنگین بڑھتی گئین پہلا دیوان ان کا مراۃ الغیب ہے، بہت ضخیم اوس مین سب کچھ ہی، قصائد دیوان ریختہ جس مین لاجواب غزلین باغیان قطعات تاریخین مخمس وغیرہ،

دوسرا دیوان صنمخانۂ عشق ہی جو ضخامت مین مرۃ الغیب سے کم نہین صحت زبان صفائی محاورہ اور پختگی کلام مین اوس سے بہتر ہے،

تیسرا دیوان محامد خاتم النبیین نعت مین ہی جو اس لحاظ سے اچھا ہی کہ نعت کا وہ مذموم طریقہ جس مین تناسب نہ مبالغہ کے ساتھ دیگر انبیائے کرام کے جناب مین گستاخی کا پہلو نکلتا ہی اوس کو چھوڑ کر نئی راہ نکالی ہی، مگر افسوس ہی کہ باوجود صحت زبان و پختگی کلام کے تاثیر یا سوز و گداز کا کہین پتہ نہین اصل یہ ہی کہ انداز بیان کا جو سانچہ ناسخ و آتش کے

زمانے مین تیار ہوا تھا، اوس مین ڈہلکر شعر بامزہ ہو بھی نہین سکتا، اِس سانچہ کو توڑ کر دوسرا سانچہ تیار کرلو تو اوس کی دوسری بات ہی،

اُردو نثر مین خیابان آفرینش ایک رسالہ جس کی صاف وسادہ عبارت مین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مولود مسعود کا ذکر صحت اور صفائی کے ساتھ کیا ہی، یہ رسالہ اِس قابل ہی کہ عورتون اور بچون کے نصاب درس مین داخل کیا جائے،

ایک تذکرہ شعرائے رامپور کا انتخاب یادگار کے نام سے بفرمایش نواب کلب علیخان مرحوم لکھا تھا، اوس کی نسبت امیر نے ایک دوست کو خط مین لکھا ہی کہ اِس مین مجکو حالات تاریخی اور انتخاب اشعار مین ایسی مداخلت ہی جیسی قلم کو دست کاتب مین،

اِن تصنیفات کے سوا جوہر انتخاب، گوہر انتخاب، مضامین دل آشوب، واسوختون اور قصیدون کا مجموعہ، مثنویون مین نور تجلی، ابر کرم، ایک مسدس نعتیہ جس کا نام ذکر شاہ انبیا ہی چھپ چکے ہین،

سب سے بڑی اور مفید تصنیف امیر مینائی کی امیر اللغات ہی جو افسوس ہے کہ پوری نہ ہوئی، صرف دو جلدین اوس کی الف ممدودہ والف مقصورہ کی شائع ہوئی ہین یہ کتاب پوری ہوگئی ہوتی تو اُردو زبان کے سرمایہ مین بیش بہا اضافہ ہوجاتا،

نمونۂ قصائد

شب دوشینہ جو لی خواب مین مینے کروٹ — آئی اِک حور اٹھا پانُ لٹ کر گھونگھٹ

شعلہ رخسار جفاکار قیامت آفت — شوخ عیار غضب تھہ چھیلاوانٹ کھٹ

وہ نگاہین غضب آلود وہ مژگان کی صفین — لشکر صبر جنھین دیکھکے کھائے گھونگھٹ

پختہ کار اوس کو جو دیکھین طمع خام کرین — ثمر بیش رس حسن مین وہ گدرا ہٹ

طرفہ چہرہ کی لطافت وہ سُنہری رنگت — دست افشار طلا سے بھی سوا نرماہٹ
آپ ہی چھیڑ کرے آپ ہی پھر حد سے بڑھے — توسنِ ناز کو پوئی سے وہ پھینکے سرپٹ
مستیِ حُسن سے گردون پہ کبھی ڈالدے ہاتھ — بے چھوئے گاہ بجا کی طرح جائے سمٹ
پتلیان آنکھون کی درپردہ اشارون سے کہین — ناچنے ہی کو نکلے تو کہان کا گھونگھٹ
فتنۂ حشر کو دیکھے تو کہے زلف سے آنکھ — لاچپیٹے مین اسے دیر نہ کر دو ڈر جھپٹ
طاق کاکل وہ پھینکتی ہین کہ سر کی کوئی چوٹ — روک لے مڑکے تو وہ جھک کے لگائے پالٹ
دیکھکر ابروِ پیوستہ یہ ہوتا تھا گمان — پہلوان دو ہین کہ کُشتی ہین ہُوئے ہین غٹ پٹ
جلوہ گر مردمِ چشم وصف مژگان سے یہ صاف — حور بیٹھی ہے درِ خلد پہ کھولے ہوئے پٹ
بڑھ کے گلبرگ سے بھی وہ کفِ رنگین نازک — غنچے لین اونگلیون کی کیون نہ بلائین چٹ چٹ
سینہ آئینۂ شفاف شکم چشمۂ حُسن — موج دریائے لطافت شکمِ صاف کی بٹ
غرض اِس شکل کی معشوقہ کیا جس کا بیان — نظر آئی تو عجب جی کو ہوئی للچاہٹ
شوق دل نے یہ کہا مست ہی یہ سروِ سہی — عشق پیچے کی طرح جائے مستی مین لپٹ
ہاتھ دامن پہ پڑا تھا کہ وہ پیچھے سرکی — سر قدم تک بھی نہ پہونچا کہ گئی دور وہ ہٹ
چوٹ سی دل پہ لگی ہاتھ گیا جب خالی — تازیانہ سے نہین کم وہ پڑی تیغ جو پٹ
ہنس کے ظاہر مین کہا واہ ری ٹھنڈی گرمی — آپ ہی لطف و کرم آپ ہی یہ جھنجھلاہٹ
چُپ ہی پہلے کہا تو یہ کہا دیر کے بعد — تھی ملاقات کہان کی کہ یہ تیری جھٹ پٹ
ہوش مین آؤ ذرا خیر ہے کیسا ہی مزاج — خفقان سے تو طبیعت مین نہین گھبراہٹ
مین وہ ہون جسکی ہوس مین ہین ہزارون نامی — سیکڑون مر گئے تھی جن کو مرے نام کی رٹ
ذوقِ وصلت مین ہوئے گور کنارے کتنے — شوقِ دیدار مین کتنون کی گئی آنکھ اُلٹ

پانون کتنون کے گھسے مثلِ سبو پھوڑے سے | بادۂ وصل کی پائی نہ کسی نے تلچھٹ
ناطقہ خانۂ دولت ہے مرا نام صفت | مین مکین ہون تو مکان چاہئے زر و سیم سے پٹ
ملہمِ غیب نے بھیجا تو مین آئی ترے پاس | ہو گران تجکو جو آنا ابھی جاؤن مین پلٹ
وصف تو کرتا ہی جس کا مین اوسکی ہون صفت | دیکھ اعضا کو ذرا پردۂ غفلت کو الٹ
رائے انور سے اوسیکی مری آنکھون مین ہے نور | خلق اوسکا مرے گیسو مین ہی خوشبو کی لپیٹ
صفِ مژگان سے عیان پنجۂ پر زور کی شکل | عزم اوس کا مرے شاہین نگہ کی ہے جھپٹ
اوس کی جو راستی طبع وہ ہے قد میرا | دامنِ فیض کا لٹکاؤ مرے زلف کی لٹ
مصحفِ رخ کو جو دیکھو تو نمایان وہی شان | کعبۂ دل کو جو دیکھو تو اوسی کی چوکھٹ
کون وہ کلبِ علیخان بہادر جم جاہ | دیتے ہین جس کو ملک عالمِ بالا کی رپٹ

عالمِ خواب مین پہونچا مین عجب خواب مین کل | شجرِ طور کو جس باغ کی کہئیے کوپل
خواب مین سبزۂ خوابیدہ جو بیبان کا دیکھے | خواب ہو طالعِ خوابیدہ کا خواب مخمل
سامنے اوس کے کسی اور چمن کا کیا ذکر | گلشنِ خلد بھی مجکو نظر آیا جنگل
اک شگوفہ تھا اوسی باغ کا باغِ عشرت | ایک غنچہ اوسی گلزار کا گلزار امل
ساغرِ عشرت کو مین وہین کے دو پھول | میوۂ مقصدِ دارین وہین کے دو پھل
سخت حیران ہون کہ دیوار کو دون کس سے مثال | کہون آئینہ تو آئینہ مین آتا نہین دل
دستِ مژگان سے سنبھالے تھین نگہ کو آنکھین | پھر بھی دیوار پہ جب چڑھتی تھی جاتی تھی پھسل
خطِ گلزار سے ہو گل پہ یہ مصرع تحریر | نقشِ ثانی ہی یہ فردوس ہی نقشِ اول
ہی یہ تاثیر نمو لہلہے جو محرم کے کٹین | صورتِ دستِ چنار آئین لٹے سر سے نکل

اور شاخون کا تو کیا ذکر یہ ہے فیض نُمو | نکلے گربات مین بھی شاخ تو پھوٹے کوپل

ٹکرے بدلی کے نہ تھے ہندی سوسن کے لیئے | بھر کے آیا تھا وہان چھاگلون مین گنگا جل

نوجوانانِ چمن دھوپ مین کیا کملاتے | چتر کھولے ہوئے پھرتے تھے ہوا پر بادل

لڑکھڑاتا تھا جو مستی مین کہین پاے نسیم | غنچہ کہتا تھا چٹک کر کہ خبردار سنبھل

ہوگیا لوٹ مین سامان یہ آیا جو نظر | پانوُن کس طرح سنبھلتا کہ گیا دل ہی پھسل

لے اُٹھی ہوش مرے حیرتِ نظارہ باغ | آگیا غش مجھے بیہوش گرا سر کے بھل

متحیّر تھا کہ یارب ہے یہ کیسا گلزار | غنچہ ہے تنگ دہن کس سے معما ہو یہ حل

گوش گل مین ہی ہوائے طرب انگیز بھری | کون سنتا ہی جو پوچھون مین کہ کیا ہی یہ محل

قمریون کو نہین کوکو سے مجال گفتار | بلبلون کو نہین نغمون سے کسی شاخ پہ کل

تھا اِسی فکر سے دریائے تحیّر مین غرق | کہہ رہا تھا کہ زہے صنعتِ صناعِ ازل

ناگہان طرفِ چمن مین نظر آیا اِک نور | آنکھ نے دل سے کہا دیکھ کے اوسکو کہ سنبھل

طرفۃ العین مین وہ روشنی آ پہونچی قریب | کھل گیا دیکھتے ہی اوسکو مرے دل کا کنول

دیکھتا کیا ہون کہ ہی بیچ مین اِک حورلقا | کچھ حسین گرد ہین آگے ہی فروزان مشعل

حور وہ حور جسے دیکھے تو فردوس سے حور | مضطرب نعرہ زنان خاک بسر آئے نکل

فرق سے تا بقدم پیکر انداز و ادا | غمزۂ و ناز سے ڈالے دل عاشق کو مسل

گرمیِ حسن سے [illegible] | [illegible] سے دیکھ کے دل جائے پگھل

جو کڑی آہوئے مشکین کو ختن مین [illegible] | بال کھولے جو حلب مین وہ دکھائے چھل بل

قطرے کہتے تھے پسینے کے رخِ گلگون پر | جوش کھا گرمی حسن آئے ہی چہرے سے نکل

تیلیون کا جو اُن آنکھون کی تماشا دیکھا | دل ناداں مرے پہلو مین گیا اور مچل

تیر پر تیر پڑے دل پہ نگاہین جو لڑین — نیمجان پاؤن پہ اوسکے مین گرا سر کے بل

اور کی عرض کہ اے عشوہ گرِ جلوہ فروش — رحم کر رحم بس آگئے دلِ مضطر کو جھل

رُخِ روشن کی طرح آئینہ تو مجکو کیا — اپنے گیسو کی طرح کر مرے عقدون کو بھی حل

کون سا باغ ہے یہ کون ہے تو مین ہون کہان — تجھ سے وحشت نہین یہ اور ہے حیرت کا محل

متبسم ہوا نہلے تو سرمایۂ ناز — پھر اک انداز سے بولا یہ کھا کر کس بل

سر اُٹھا پاؤن سے یہ بے ادبی خوب نہین — اچھی صورت پہ گیا دیکھتے ہی خوب پھسل

ہوش مین آ یہ نہین قسمِ نباتات سے باغ — ہے سراپا یہ چمنِ صنعتِ خلاقِ ازل

اُنس کچھ آج نیا تجکو نہین ہے مجھ سے — کھا چکا چوٹ مرے حُسن کی تو روزِ ازل

نہ پری ہون نہ مین انسان ہون نہ غلمان ہون نہ حور — پر لطافت مین نزاکت مین ہون ان سب سے افضل

باغ نقشہ ہے صفاتِ حسنہ کا اوس کے — حسنِ فطرت مین جو یوسف سے کہین ہے اکمل

ہاتھ پھیلائے جو شاخین زرِ گل دیتی ہین — ہے یہ مطلب کہ دہش مین ہے وہ بے مثل و بدل

اشرفی کے جو گلون کا ہے چمن مین انبار — یہ اشارہ ہے کہ دولت مین ہے وہ ضرب مثل

جوشِ رحمت کا ہے اوس بحرِ کرم کے شمہ — اس گلستان مین جو برستا ہے یہ پانی بادل

دیکھتا ہے جو روان نہر مین پانی شفاف — چشمۂ فیض یہ اوس کا ہے نہین گنگا جل

پوچھتا ہے جو حقیقت کو مری او نادان — طبعِ نازک ترے آقا کی ہوئے صیدِ اجل

تغزل کا رنگ ملاحظہ ہو

کہان وہ اہلِ وطن کی صحبت وطن کو چھوٹے ہوئی ہے مدت — کسی کسی کی ہے یاد دل مین خیال کچھ ہے کہین کہین کا

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتون کا خون کیونکر — جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا

لاکھون اوس لیلی کے دیوانے ہین اون مین عشق نے ایک مشتِ استخوان کا نام مجنون رکھدیا

وہ آئے کھینچ کے تلوار سب کو شاد کیا امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا

مرے ہی سامنے دامن اُٹھا کر ناز سے چلنا مجھی سے پھر گلہ اُلٹا مرے چاکِ گریبان کا
جگر کو دو دن کہ دل کو دو دن بتا اے ناوکِ قاتل کہ دو پیاسون مین ہے یہ ایک قطرہ آبِ پیکان کا

پہلو مین میرے دلکو نہ اے درد کر تلاش مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا

جب کہا اوس نے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا درد نے اُٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

ہر جگہ جوشِ محبت کا نیا عالم ہوا آنکھ مین آنسو جگر مین داغ دلمین غم ہوا
روکنا فرقت مین اشکون کا نہین اچھا امیر چار دن کے ضبط مین دیکھو تو کیا عالم ہوا

مرغانِ باغ! تم کو مبارک ہو سیرِ گل کانٹا تھا ایک مین، سو چمن سے نکل گیا

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا

صورت تری دکھا کے کہونگا مین روزِ حشر آنکھون کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہی یارب
مرے دونون پہلوؤن مین دلِ بیقرار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیون چرائی
وہی تیر کیون نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

دیر کی تحقیر اتنی کر نہ اے شیخ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا

دیکھ اسے درد جدا ہو نہ دلِ محزون سے
اور اُلجھے گا یہ بیمار جو تنہا ہوگا

خواہشِ وصل تو کیونکر کہون لیکن ناصح
دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارمان ہوگا

آگ جو دل مین لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی
اور کیا تجھ سے بھلا اے دیدۂ گریان ہوگا

سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی
وہ اُمنگین مٹ گئین وہ ولولہ جاتا رہا

آنے والا جانے والا بیکسی مین کون تھا
ہان مگر اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا

گل ہوا غنچہ تو آواز یہ اوس سے آئی
جمع پھر دل نہین ہوتا ہے پریشان ہوکر

ہمارے سامنے بڑھ بڑھ کے بولتا ہی بہت
ملے وہ اب کی تو ناصح کو سامنے کر دین

عمر کو سارا زمانہ گزران کہتا ہے
دن جدائی کا مگر عمر مین محسوب نہین

کانٹا ہوا ہون سوکھ کے لیکن نہال ہون — کھٹکون گا اور اپنے عدو کی نگاہ مین
تو نے تو اے سیاہی شبہائے تارِ ہجر — دھبّا لگا دیا مرے بختِ سیاہ مین

اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی — یان عمر کٹ گئی ہو اِسی اضطراب مین

ظاہر مین ہم فریفتہ حُسنِ بتان کے ہین — پھر کیا کہین نگاہ مین جلوے کہان کے ہین
وہ اور وعدہ وصل کا قاصد نہین نہین — سچ سچ بتا یہ لفظ اونھین کی زبان کے ہین

نہ کر اے یاس یون برباد میرے خانۂ دلکو — اِسی گھر مین جلایا ہی چراغ آرزو ہون

دنیا ہے طرفہ میکدۂ بےخودی امیر — سب مست ہین کسی کو کسی خبر نہین

زاہد امیدِ رحمتِ حق اور ہجوث — پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

محال بر ہی جو وصل امتحان کا دیکھیے — امیر یون ہی سہی چند روز دیکھو

الست مین برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو — ہر بات مین لذت ہی اگر دل مین مزا ہو

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہین ہم امیر — سارے جہان کا درد ہمارے جگر مین ہی

غیرون کے حال پر تو بہت لطف ہین تمہین
ہم پر بھی لطف حال ہمارا ابھی غیر ہے

مسجد مین بلاتا ہے مجھے زاہدِ نا فہم
ہوتا جو اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے

قدم کو لغزش، زبان کو لکنت، ہے رعشہ ہاتھون کو، سر مین جنبش
کہان گئی ہائے نوجوانی اِن آفتون مین مجھے پھنسا کر

لگی دل کی بجھائے بیکسی مین کون ہے ایسا
مگر اک گریۂ حسرت کہ بیتابانہ آتا ہے

شبِ وصلت قریب آنے نہ پائے کوئی خلوت مین
ادب ہم سے جدا ٹھہرے حیا تم سے جدا ٹھہرے

ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جانِ جہان
اوسی انداز سے کہدے کہ نہین تھوڑی سی

چھوڑے کہین نہ گیسوئے پرخم نے اوسکے پیچ
کچھ رہ گئے تو میرے مقدر مین رہ گئے

آنکھ کہتی ہے یہ دل سے کہ کریگی برباد
خواہشِ وصل تجھے حسرتِ دیدار مجھے

تھی کھٹک درد کی پہلے سے مرے دل مین مگر
تم مرے پاس سے اُٹھے کہ قیامت آئی

ہین تغافل مین بھی سرگرم ستم وہ آنکھین
آپ تو سوتے ہین فتنون کو جگا رکھا ہے

قاصد یہ زبان اوسکی بیان اوسکا نہین ہو
دھوکہ ہو تجھے اوس نے کہا اور ہی کچھ ہے

آفت تو ہے وہ ناز بھی انداز بھی لیکن
مرتا ہون مین جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

نہ گھبرا اے دل واماندہ اب منزل قریب آئی
اسی بستی کے آگے اور آباد ایک بستی ہو

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہو نہ دیوارِ چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہو

قطعہ

محفل برخاست ہو پتنگے
رخصت شمعون سے ہو رہے ہین

ہو کوچ کا وقت آسمان پر
تارے کہین نام کو رہے ہین

انکی بھی نمود ہے کوئی دم
وہ بھی نہ رہین گے جو رہے ہین

دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو
کچھ ہوش نہین ہو سو رہے ہین

نواب مرزا خان داغ

شوخی کہ در کلام اوست بندہ وندانم کہ امروز دیگرے را دادہ باشد و زمانیکہ اور انجشیدہ اند فی زماننا ہیچ کس را میسر نیست بیش ازین ستایش گفتار اوچہ توان گفت خیر الکلام ماقل و دل اھ طور کلیم،

نواب مرزا خان نام داغ تخلص، نواب شمس الدین خان خلف نواب احمد بخش خان

دہلی کے بیٹے تھے، ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ کو دلی مین پیدا ہوئے، چھ سات برس کی عمر مین باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، مان شاہزادہ فتح الملک عرف مرزا فخرو خلف بہادر شاہ ابوظفر کے گھر بیٹھ گیئن اور شوکت محل کا خطاب پایا،

یہ بھی مان کے ساتھ لال قلعہ پہونچے، وہین ان کی تعلیم و تربیت ہوئی، قلعہ مین شعر و سخن کا چرچا زورون پر تھا، بادشاہ اور مرزا فخرو دونون شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے، یہ بھی اُستاد ذوق سے مشق سخن کرنے لگے، اور ایک عرصہ تک مشاعرون مین اون کے ساتھ جاتے اور داد سخن لیتے رہے،

۱۲۷۲ھ مین مرزا فخرو نے وفات پائی، مان کے ساتھ یہ بھی لال قلعہ سے نکلے، یہ مصیبت کیا کم تھی کہ ۱۲۷۳ھ مین عالم آشوب ہنگامہ غدر کا برپا ہوگیا، وہ ایک عام مصیبت تھی ان کو بھی وہی جھیلنا پڑی جو سب جھیل رہے تھے،

غدر کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد رامپور چلے آئے اور نواب یوسف علیخان بہادر کی عنایت سے دم لینے کی مہلت ملی، نواب کے بعد اون کے لائق جانشین نواب کلب علیخان مرحوم نے سرپرستی فرمائی پھر اون کی زندگی بھر رامپور مین رہے، کہین اور جانے کی ضرورت نہین پیش آئی،

نواب کلب علیخان کے انتقال کے بعد حیدر آباد گئے، کئی برس اُمیدواری مین بسر ہوئی، آخر کار قسمت نے یاوری کی، پہلے ساڑھے چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے اور روزِ ورود سے اوس وقت تک کی تنخواہ مل گئی، چند روز کے بعد ایک ہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہوگیا، اوس دن سے اعلیٰحضرت میر محبوب علیخان آصفجاہ ششم[۱] کی مصاحبت مین

---

[۱] میر محبوب علیخان فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک مظفر الممالک آصف جاہ ششم (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

زندگی بسر کی اور بیش قرار صلون کے علاوہ سپہ سالار، یار وفادار، مقرب السلطان بلبل ہندوستان، جہان اُستاد، ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ فصیح الملک کا خطاب پایا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نواب افضل الدولہ میر تہنیت علیخان آصفجاہ پنجم کے بیٹے تھے، ۶ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ مین پیدا ہوئے ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مین باپ نے سفر آخرت اختیار کیا، دستور کے موافق محلسرا اور شہر کے دروازے بند کر دیئے گیے، اور آصفجاہ ششم کی حکمرانی کی منادی کی گئی، اوس کے بعد مرحوم کی تجہیز و تکفین عمل مین آئی اور فاتحہ سوم کے بعد تخت نشینی کے رسوم ادا کیے گئے،

نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر نائب حضور اور نواب مختار الملک سالار جنگ اول مدار المہام قرار پائے، سالار جنگ اول نے جس خوش اسلوبی سے ملک و دولت کا انتظام کیا وہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا،

اعلی حضرت مین فرزانگی و دانشمندی کے آثار نمایاں ذہن و ذکاوت خدا داد تھی، مولوی محمد زمان خاں شہید، مولوی مسیح الزمان خاں، مولوی انوار اللہ خاں، مولوی اشرف حسین، مظفر حسین خوشنویس، مرزا نصر اللہ خان، مسٹر کلارک سرور جنگ، افسر جنگ اور مٹو خاں، علوم و فنون شہسواری نشانہ بازی وغیرہ کی تعلیم پر وقتاً فوقتاً سرافراز ہوئے، اور اعلیٰ حضرت نے تھوڑے زمانے مین بہت سی چیزون مین دستگاہ حاصل کر لی،

۱۳۰۰ھ میں سر سالار جنگ اول نے وفات پائی، راجہ نریندر پرشاد اون کی جگہ مدار المہام ہوئے، ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ میں اعلیٰ حضرت نے زمام حکومت اپنے ہاتھ مین لی، اور لارڈ رپن وسیرائے و گورنر جنرل ہندوستان نے حیدرآباد جا کر گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کمر میں تلوار باندھی، نواب لائق علیخاں سالار جنگ دوم نے مدار المہامی کا عہدہ حاصل کیا، اور اسی سال کونسل آف اسٹیٹ قائم ہوئی، (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

نواب مرزا خان داغ حریف ظریف خوش طبع رنگین مزاج، زبان مین فصاحت وسادگی بیان مین شوخی اور بانکپن، کلام کو دیکھو فصاحت اور محاورے کا دریا بہہ رہا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اعلیٰ حضرت میں بعض صفتیں غیر معمولی تھین، سب سے مقدم کی اون کی بے نظیر فیاضی اور سیر چشمی ہو جس نے رامکہ کی فیاضی اور سخاوت کو افسانہ کر دیا، ہندوستان کا کوئی گوشہ مشکل سے ایسا ملے گا جہاں اون کی داد و دہش کا فیض نہ پہونچا ہو، دور دراز مقامات پر بھی خانقاہین مدرسے اور مسجدیں اب تک اون کے احسانات کی منت پذیر ہین، اور خاص کر دکن کے منادر اور دیول تک آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہین،

دلی اور لکھنؤ کی تباہی کے بعد ارباب فضل وکمال کا ملجا و ماویٰ صرف اعلحضرت کی سرکار تھی جہان سے ہر ایک کے درخور حال تنخواہیں ہوگئی تھیں، مولانا کرامت علی صاحب سیرۃ احمدیہ، مولانا حیدر علی صاحب منتہی الکلام، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، مولوی محمد حسن بیوتی، مولوی امین الدین خان خلف علامہ سدید الدین خان، مولانا محمد لطف اللہ صاحب، مولوی وحید الزمان خاں، مولوی محمد زمان خان، مولوی مسیح الزمان خان، مولوی مہدی علی، مولوی مشتاق حسین، مولوی سید حسن، مولوی سید علی، مولوی نظام الدین حسن، مولوی نذیر احمد مولوی عزیز مرزا اور خدا جانے کتنے جوہر قابل وہاں جاکر مناصب عالیہ پر فائز ہوئے،

مولانا عبد الحی لکھنوی، مولانا عبد الحق خیر آبادی، مولانا عبد الحق دہلوی، مولانا عبد الحق کانپوری، خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، دو چار ہوں تو کوئی اونکا نام گنا سکتا ہو، سیکڑوں ارباب کمال تھے جن کے دامن فیض سے ایک عالم تربیت پا رہا تھا اور وہ صرف اسی سرکار کی بدولت فارغ البالی سے گھر بیٹھے علمی خدمتین انجام دے رہے تھے، اور سیکڑوں ایسے ہیں جن کی بیش قرار تنخواہیں اون کو گھر بیٹھے مل رہی تھین،

دوسری غیر معمولی صفت اون کی بے خطا نشانہ بازی تھی شاہزادہ جرمنی اور ولی عہد روس (بقیہ صفحہ آیندہ)

حُسن و عشق کے معاملات ہین اور عاشق و معشوق کے خیالات، گویا اوس مین شراب ناب کا سرور پیدا کرتے ہین جس کو سن کر عوام سر دھنتے ہین اور خواص مزے لیتے ہین،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (بعد کو شہنشاہ روس) سے جس وقت نشانہ بازی مین سابقہ ہوا تو وہ ان کی قدراندازی کو دیکھکر محو حیرت ہوگئے اور اون کو ماننا پڑا کہ یہ اس فن میں بھی درد فرید ہین، اپنی تھوڑی سی زندگی مین ہزار ہا خونخوار شیر شکار کیئے اور ایسے صعب و دشوار گزار مقامات مین ہو بچے جہان بڑے بڑے دلیرون کے بھی چھکے چھوٹتے تھے،

تیسری صفت ان کی جفاکشی اور محنت تھی، باوجود تنعم اور نازپروری کے جب کسی کام کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب اِس کے سوا اور کوئی کام پیش نظر نہین، اہلکار اور مصاحبین تھک کر چور ہوجاتے تھے، اور وہ تازہ دم اوسی کام مین لگے رہتے، آفتاب کتنے بار طلوع و غروب کرتا مگر وہ اوس کام سے ہاتھ نہین کھینچتے تھے،

چوتھی صفت رحم دلی اور رعایا پروری تھی، آج رعایا اون کو یاد کرتی ہے اور روتی ہے، جس کو ملک بدر بھی کیا تو اوس کی زندگی بھر کی آسایش کا انتظام اول کردیا، فرماتے تھے کہ پیٹھ کی مار دو، پیٹ کی مار مت دو،

پانچویں صفت خاصان حق کی خدمت میں عقیدت و نیازمندی تھی،

چھٹی صفت سادہ زندگی،

ساتویں صفت خودداری تھی جسکی وجہ سے باوجود رحم دلی و بے آزاری کے لوگ ہمیشہ خائف رہتے تھے

مگر افسوس ہے کہ باایں ہمہ ذہانت و ذکاوت بعض خودغرضون نے اون کو جام و ساغر پر لگا دیا تھا، جس کی وجہ سے یہ خداداد قوتین یہانتک کہ اون کی صحت جسمانی کمزور ہوتی گئی اور (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

حسن اتفاق سے زمانہ بھی ان کو اچھا ملا شاعری کا آغاز لال قلعہ سے جو اردوے معلیٰ کا گہوارہ تھا اور اوس کے شباب کا زمانہ نواب کلب علیخان مرحوم جیسے قدردان کے سایۂ عاطفت مین بسر ہوا، گلزار داغ، آفتاب داغ دو دیوان اور ایک مثنوی فریاد داغ اُسی زمانے کی کمائی ہی، حیدرآباد مین تیسرا دیوان مہتاب داغ تیار ہوا مگر اوسکو دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ایک مسافر بڑی بڑی منزلین طے کر کے تھک کر کسی مقام پر بیٹھ گیا ہی،

رامپور مین اسیر، امیر، تجر، جلال اور تسلیم کا جمگھٹا تھا، خود نواب سخنگو و سخن سنج

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عمر طبعی تک پہونچنے سے پہلے اونھون نے ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو وفات پائی،

اون کو شعر سخن کا بھی شوق تھا، اکثر درباروں کی اسپیچیں بھی نظم مین ارشاد فرماتے تھے جو کلام ون کی طرف منسوب ہی اوس مین سے چند شعر ملاحظہ ہوں،

اے یاس تونے داغ تمنا مٹا دیئے ۔۔۔ گلزار تھا یہ دل اوسے ویرانہ کر دیا

ایسے لوگون مین نہیں ہم جو کہیں اور نہ کرین ۔۔۔ مرد جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھا دیتے ہین

جھگڑے تو ہزاروں ہین مگر بات ہو اتنی ۔۔۔ ہم تم سے وفا کر کے پشیمان بہت ہیں

ہوا بھی ہم اسیروں تک نہیں آتی جو یہ پوچھیں ۔۔۔ فضائے باغ کیسی نکہت گلزار کیسی ہی

بکر کسی سے محبت یہ ہم سے کہتے تھے ۔۔۔ دل فریفتہ سنتا ہے تو بھلا کیسکی

کلام کی نوک پلک کے دیکھنے اور کھرے کھوسٹے کو پرکھنے مین مشاق اوس وقت طبیعت پر غیر معمولی زور ڈالنے کی ضرورت نہ تھی، ذرا چوکے تو ٹکسال باہر حریفون سے داد سخن لینا ہنسی کھیل نہین تھا،

برخلاف اس کے حیدرآباد عیش و عشرت کا گہوارہ کاوش فکر جو شاعری کا جزو اعظم ہے مقصود وہان جاکر طبیعت بجائے محنت کش ہونے کے عشرت پسند ہوگئی، کچھ جوانی کی اُمنگین بھی رخصت ہوچکی تھین، ان سب وجوہ سے کلام پھیکا پڑ گیا اور آخرکار ذی الحجہ ۱۳۲۲ سنہ ھ مین زبان تک بند ہوگئی، مرنے کے بعد یادگار داغ اور ضمیمہ یادگار داغ کے نام سے دو مجموعے اون کے کلام کے اور بھی شائع ہوگئے ہین،

غزلون کے منتخب اشعار

ستم وہ چشم کافر سے ترے چلنا اشارون کا غضب وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا بیقرارون کا

خدا جانے ہوئی ہین دفن کیا کیا حسرتین اسمین یہ پھولون سے مرے سینہ پہ عالم ہے مزارون کا

ہوسکے ظاہر تو کیا عشق نے اک حشر بپا حسرت اوس دل پہ کہ جسمین یہ نہان ہوگا

عشق کیا شے ہے یہ وہ شے ہے کہ دلمین شوق دل خون ہوکر آگیا غم بن گیا سم ہوگیا

اک حرف آرزو پہ وہ مجھ سے خفا ہوئے اتنی سی بات کہہ کے گنہگار ہوگیا

خدا کریم ہے یونہی تو مگر سب ہے آتنا رشک کہ میرے عشق سے پہلے تجھے جمال دیا

لیئے تو چلتے ہین حضرتِ دل تمھین بھی اوس انجمن مین لیکن
ہمارے پہلو مین بیٹھ کر تم ہمین سے پہلو تہی نہ کرنا

مری تقدیر کی برگشتگی سب مین بڑھی سی — حسینون کے لیئے اِک حسن ہی برگشتہ مژگان کا
بہت آنکھین ہین فرشِ راہ چلنا دیکھکر ظالم — کفِ نازک مین کانٹا چبھ نجائے خارِ مژگان کا

ڈوب کر سینہ مین اِس رنگ سے پیکان نکلا — دِل سے بیساختہ نِکلا کہ وہ ارمان نکلا

دِل مین لے دے کر رکھا تھا ایک قطرہ خون کا — کچھ نیازِ غم ہوا کچھ صرفِ مژگان ہوگیا
بوسہ لے کر دل دیا ہی اور پھر نالان ہین داغ — کوئی جانے مفت مین حضرت کا نقصان ہوگیا

وہ میرا چھیڑنا آغازِ الفت مین شکایت سے — وہ رکھکر ہاتھ کانون پر ترا کہنا کہ بھر پایا

ترے دستِ حنائی مین بھی ہی چور — کِسی کو ہاتھ کا سچا نہ پایا

وصل مین ہان وہ اترا کے مرا بول اُٹھنا — اے فلک دیکھ تو یہ کون مرے گھر آیا

عرض وفا یہ دیکھنا اوسکی ادائے پُر فریب — دل مین کچھ اعتبار سا آنکھ مین کچھ ملال سا

امید کرم ہو کر ہم سے کرین توبہ
دوزخ مین پڑے زاہد بے لطف ثواب ایسا

وعدہ یہ مرے اون کے قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج

جھکی ہی جاتی ہے کچھ خود بخود حیا سے وہ آنکھ
گری ہی پڑتی ہے بیمار ناتوان کی طرح

اے شیخ جس کو جو نہ ملے گا بڑھے گا شوق
جنت مین پسند جہنم کو تو پسند

عمر کیونکر نہ بسر کیجیے غافل ہو کر
کہ ملا ہے ہمین اک قطرۂ دل سے ہو کر

بزم اغیار کا ظاہر ہے اثر آنکھون پر
مہربان آنکھ کی خفت مرے سر آنکھون پر

اپنی نظر مین ہیچ ہے سارے جہان کی سیر
دل خوش نہو تو کس کا تماشا کہان کی سیر

دل مین سما رہی ہین قیامت کی شوخیان
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ مین

مجکو تباہ چشم مروت نے کر دیا
لجائے تو چہ اون کسی کی نظر کو مین

کس کے وعدہ ہی جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو
یہ وہ گردش ہے کہ میرے بھی مقدر مین نہین

کبھی فلک کو پڑا دل جلون سے کام نہین | اگر نہ آگ لگا دون تو داغ نام نہین

رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے | اِس مین دو چار بہت سخت مقام آتے ہین

رخِ روشن کے آگے شمع رکھکر وہ یہ کہتے ہین | اودھر جاتا ہی دیکھین یا اِدھر پروانہ آتا ہے
وہی جھگڑا ہی فرقت کا وہی رونا ہی الفت کا | تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

یاد سب کچھ ہین مجھے ہجر کے صدمے ظالم | بھول جاتا ہون مگر دیکھ کے صورت تیری

دل دے تو اِس مزاج کا پروردگار دے | جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

دنیا مین جانتا ہون کہ جنت ملی مجھے | راحت اگر ذرا سی مصیبت مین مل گئی

ہزار بار جو مانگا کرون تو کیا حاصل | دعا وہی ہی جو دل سے کبھی نکلتی ہے

ایک تو حُسن بلا اوس پہ بناوٹ آفت | گھر بگاڑین گے ہزارون کے سنورنے والے
خوش نوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد | ہم سے اچھے رہے صدقے مین اُترنے والے

شرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری | غیر کی ہو رہے یا شبِ فرقت میری

نہین آتا تجھے گر اے تمنا　　نکلنا سیکھ لے جانِ حزین سے

مرگ دشمن کی دعا مانگ کے پچھتاتا ہون　　کہین ایسا نہ ہو وہ غیر کے ماتم مین ہے

وقتِ خرامِ ناز دِکھا دو جدا جدا　　یہ چال حشر کی یہ روش آسمان کی ہے

تیرے جلوہ کا تو کیا کہنا مگر　　دیکھنے والے کو دیکھا چاہیئے

سید ظہیرالدین ظہیر

ظہیرالدین نام ظہیر تخلص، سید جلال الدین حیدر کے بیٹے اور دلی کے رہنے والے تھے، اِن کے والد ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ کے خوشنویسی مین اُستاد اور دربار شاہی سے اصلاح الدولہ مرصع رقم خان بہادر کے خطاب سے سرافراز تھے،

بارہ سال کے سن تک فارسی کی درسی کتابین اور عربی کی مختصرات پڑھنے پائے تھے کہ قوربیگی کے عہدے پر سرافراز ہوگئے اور پڑھنا چھوٹ گیا، چند روز کے بعد کارگزاری کے صلہ مین راقم الدولہ کا خطاب پایا، تنخواہ پچاس روپیہ ماہوار تھی وہی قائم رہی،

شعر وسخن سے خداداد مناسبت تھی مکتب ہی مین کچھ غوغان کرنے لگے تھے. اتفاق سے اِن کے مکان کے قریب قطب الدین شبر شاگرد شاہ نصیر اپنے مکان پر

مشاعرہ قایم کیا تھا، یہ بھی اوس مین آنے جانے لگے، اور جب زیادہ شوق بڑہا تو شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد ہوگئے اوس وقت ان کا سن چودہ برس کا تھا،

غدر ۵۷ء مین ناچار دلی سے نکلنا پڑا، جھجھر سونی پت اور نجیب آباد ہوتے ہوئے بریلی آئے، یہان سے لکھنؤ کا قصد تھا کہ معلوم ہوا کہ دہان انگریزون کا قبضہ ہوگیا، مجبور ہوکر کچھ دنون بریلی مین رہ کر رامپور چلے گئے، وہان چار برس رہے اوس کے بعد دلی آئے اور محکمۂ چونگی مین ملازمت مل گئی،

چونگی مین زیادہ دنون نہین رہے تھے کہ اخبار جلوۂ طور (بلند شہر) کی ایڈیٹری مل گئی، یہ اخبار مہاراجہ شیودان سنگھ والی الور کی نظر سے گزرتا تھا وہ نہایت ہنرپرور رئیس تھے، ان کو الور بلا بھیجا، چار برس الور مین رہے، علاوہ تنخواہ کے تقریبون مین قصائد کا صلہ بھی عنایت ہوتا تھا، جس سے بہت اچھی طرح ان کی گزراوقات ہوتی جاتی تھی، مگر بدقسمتی سے مہاراجہ کے بعض بدخواہون نے جھوٹی سچی شکایتین کر کر کے مہاراجہ کے اختیارات سلب کرادیے، یہ مجبور ہوکر پھر دلی آئے اور نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کی سفارش لیکر جے پور گئے، سفارش کا یہ اثر ہوا کہ محکمۂ پولیس مین ان کو جگہ مل گئی،

کم وبیش انیس برس جے پور مین رہے، مہاراجہ رام سنگھ والی جے پور کے مرنے پر ان کا تعلق ریاست سے منقطع ہوگیا، چندروز پریشانی مین بسر ہوئے تھے کہ نواب احمد علی خان رونق خلف نواب میر خان مرحوم نے ان کو ٹونک بلا بھیجا، جب تک رونق زندہ رہے یہ بہت آرام سے اون کے ساتھ رہے اور نواب ابراہیم علیخان بہادر فرمانروائے حال نے ان کا وظیفہ مقرر کردیا، اس طریقہ سے پندرہ سولہ برس ٹونک مین رہے،

آخر عمر مین حیدرآباد جانے کا شوق پیدا ہوا، ٹونک سے رخصت لیکر حیدرآباد

چلے گئے اور آٹھ مہینہ تک باریابی کی تمنا مین وہین پڑے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ٹونک سے جو کچھ ان کو ملتا تھا وہ بند ہوگیا،

حیدر آباد مین آٹھ مہینے کے بعد باریابی ہوئی اور ہر تقریب پر قصیدے بھی پیش ہوئے، مگر تنخواہ مقرر ہونے کی نوبت نہ آئی تھی کہ موت نے ساری آرزؤن کا خاتمہ کردیا،

بیکاری کے زمانہ مین مہاراجہ کشن پرشاد نے ایک سال بعد چالیس روپیہ ماہوار مقرر کردیئے تھے، راجہ بھگوان سہائے اور نواب محمد عمر خان وفا بھی کچھ کچھ خدمت کرتے رہتے تھے،

تصنیفات کی تفصیل یہ ہو کہ ایک دیوان کا جس کا نام گلستان سخن ہی مطبع مفید عام آگرہ مین چھپ گیا ہی، دیوان دوم و سوم کا حق تصنیف قاضی عبدالکریم مالک مطبع کریمی بمبئی نے خرید لیا ہی معلوم نہین چھپایا نہین، دیوان چہارم جس مین بقول حسرت موہانی تین سو غزلون کے علاوہ بہت سے قصیدے اور مسدس شامل ہین اون کے نواسہ کے پاس ہی،

کلام کے متعلق حسرت موہانی کی رائے سے مجھے اتفاق ہی، اس مین بجائے ذوق کے مومن خان کا رنگ زیادہ پایا جاتا ہی، ذوق کے کلام کی ممتاز خصوصیت کلام کی پختگی، محاورہ کی صفائی اور زبان کی درستی کے ساتھ تعقید الفاظ کا عیب بھی ہو جو ظہیر کے یہان نہین پایا جاتا،

مومن خان کے یہان شاعری کا مدار خیال کی نزاکت، ترکیب فارسی کی خوبی اور اسلوب بیان کی جدت پر ہو جو ظہیر کی شاعری کا سرمایۂ ناز ہے، چنانچہ خود ظہیر نے

جابجا اس کا اعتراف کیا ہی،

طرز مومن سے نہ آگاہ تھے جب تک کہ ظہیر ؎ سچ تو یہ ہی کہ کبھی رنگ غزل نے نہ دیا

دوسری جگہ فرماتے ہین،

کیا بنا ہی طرز مومن لے ظہیر ؎ طاق ہین لاریب اپنے فن مین ہم

جہان کہین نزاکتِ خیال اور جدتِ اسلوب کے ساتھ الفاظ کی رنگینی اور ترکیب کی تازگی کی خوبیان جمع ہوجاتی ہین تو مرزا نسیم کی طرح سے دلپذیری کی شان ان کے کلام مین بھی پیدا ہوجاتی ہی اور جہان کہین اُستاد کا رنگ ہے وہان مرزا داغ اور ان کے کلام مین فرق کرنا دشوار ہے،

غرضکہ مجموعی حیثیت سے ظہیر کی شاعری دلی کی اصلی اور قدیم شاعری کا ایسا نمونہ ہی جس کی مثال ان کے بعد اور کسی کے کلام مین نہین مل سکتی،

نمونہ ملاحظہ ہو،

فقط اک سادگی پر شوخیون کے ہین گمان کیا کیا ؎ نگاہِ شرمگین سے ہی نہان کیا کیا عیان کیا کیا

دلِ خون گشتۂ حسرت نے کیا کچھ گل کھلائے ہین ؎ بہار آگین ہی کچھ اب کی برس فصلِ خزان کیا کیا

تصور مین وصالِ یار کے سامان ہوتے ہین ؎ ہمین بھی یاد ہین حسرت کی بزم آرائیان کیا کیا

قدم رکھتے نہین ہین وہ زمین پر بے نیازی سے ؎ بڑھا جاتا ہی یان شوقِ سجود آستان کیا کیا

بہت ظہیر کو ہم یاد کرکے وان روئے ؎ کہین جو ذکر حریفانِ بادہ خوار آیا

اک مشغلہ ٹھہری ہی تمہین رنجش بیجا ؎ اک کھیل ہوا تم کو ستانا مرے دل کا

بیخود ہوں تصور میں کسی برق ادا کے　　　سرمایۂ تسکین ہے تڑپنا مرے دل کا

اعجاز دلفریبی انداز دیکھنا　　　ہر ہر ادا پہ مجکو گمانِ نظر رہا
قاصد بھی کوئی صبر دلِ ناشکیب تھا　　　آتے ہی آتے راہ مین کمبخت مر رہا
پرہیز عشق سے مجھے وحشت فزون ہوئی　　　مین کچھ و اسلے و ربھی رنجور تر رہا

بات کیا اون سے کرون انکو اوٹھاؤن کیونکر　　　مدعی بیچ مین دیوار بنے بیٹھے ہین
کیا بُری شے ہے محبت بھی الٰہی توبہ　　　جرم ناکردہ خطاوار بنے بیٹھے ہین
وہ ہین اور غیر ہین اور عیش کے سامان ظہیر　　　ہم الگ سب سے گنہگار بنے بیٹھے ہین

ہی مرے گھر پہ ابھی سے تیرگی چھائی ہوئی　　　گو ابھی شام ہجران سحر سے دور ہے

کہیئے تو کہون انجمنِ غیر کی روداد　　　کیا اب بھی اسے آپ کرامت نہ کہین گے

یہ شوخی ہی کہ تمکین ہے الٰہی کیا قیامت ہی　　　اُلجھتے ہین دمِ رفتار سو سو بار دامن سے
اُلجھکر خار دامن سے مرے کیا کیا پشیمان ہین　　　کہ اب دامن چھڑانا ہوگیا دشوار دامن سے

مرزا قربان علی سالک

قربان علی نام سالک تخلص، نواب مرزا عالم بیگ کے بیٹے تھے، حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور دلی میں نشو ونما پائی اور فارسی کی درسی کتابیں وہیں کے ارباب فضل وکمال سے پڑھیں،

مومن و غالب بقید حیات تھے، اوس زمانہ میں شعر وسخن کا گھر گھر چرچا تھا، ان کو بھی اس کا شوق ہوا، پہلے بطور خود کچھ کہتے رہے اوس کے بعد حکیم مومن خان کی خدمت میں پہونچے اوس وقت قربان تخلص کرتے تھے، غالباً خان صاحب کے مرنے پر مرزا غالب کے یہان رسائی پیدا کی اور سالک تخلص اختیار کیا،

خوش مزاجی اور شگفتہ روئی کے ساتھ خدا نے ان کو ذکاوت ایسی عنایت فرمائی تھی کہ چند روز کی مشق میں سخن سنجی اور سخن فہمی میں یہ اپنے معاصرین سے بہت بڑھ گئے اور مرزا غالب کے شاگردون میں سب سے بہتر نظر آنے لگے،

۵۷ء کے عالم آشوب ہنگامہ کے بعد الور میں جاکر پناہ لی اور خوش قسمتی سے وکالت کے عہدے پر سرافراز ہوگئے، ایک عرصہ تک وہان رہنے کے بعد اپنا مسقط الراس یاد آیا اور حیدر آباد چلے گئے، وہان محکمۂ تعلیمات میں سررشتہ داری کے عہدہ پر تقرر ہوگیا. اسی خدمت پر زندگی بسر کردی،

حیدر آباد میں مخزن الفوائد کے نام سے ایک موقت الشیوع رسالہ زیر سرپرستی نواب عماد الملک بہادر نکلا جو اوس زمانہ میں ناظم سررشتہ تعلیم تھے یہ رسالہ عرصہ تک جاری رہا اور اوس میں بہت بکار آمد تاریخی مضامین نکلا کیئے،

ساٹھ پینسٹھ برس کی عمر تھی کہ ۱۲۹۱ھ مین سفر آخرت اختیار کیا اور حیدر آباد

مین مدفون ہوئے، ہنجار سالک دیوان کا نام ہے،

یون عمر گزاری تری فرقت مین کہ ہردم
جینے کا گمان تھا مجھے مرنے کا یقین تھا

دل وہ کافر ہے کہ مجکو نہ دیا چین کبھی
بے وفا تو بھی اسے لے کے پشیمان ہوگا

نہین اک بار بھی اب سننے کی طاقت ملین
پہلے سو بار ترا نام لیا کرتا تھا

میرا ہو آشیانہ اور آدھا جلا ہوا
بجھ بھی گئی تھی آگ تو بجلی کو کیا ہوا

تم غیر کے ہوئے تو رہا کیا جہان مین
گویا ہمارے واسطے کچھ بھی بنا نہ تھا

کچھ ہو پر اون کو جانب اغیار دیکھنا
اک بار منع کیجئے تو سو بار دیکھنا

گرے ہین چشم خلائق سے خاک ہوکر ہم
ستم سے تم نے کیا کس طرح جہان اپنا

اپنی ستم کشی کا مجھے امتحان ہے اب
درکار ایک اور نیا آسمان ہے اب

ابتک بھی بسرے ہوش ٹھکانے نہین ہوئے
سالک کا حال رات کو ایسا سنا کہ بس

تم بھی وہی کہو تو کہے اِک جہان بجا
مین بھی وہی کہون تو کہے اِک جہان غلط

کاش اے سپہر تجھہ سے بھی رکھتے تو سہل تھین
وہ خواہشین کہ رکھتے ہین دلِ وس بیوفا سے ہم

تم آ گئے تو ہوش کہان میزبان ہو کون
آج آپ اپنے گھر مین ہین کچھ میہمان سے ہم

پھرتے ہین داد خواہ ترے حشر مین خراب
تو پوچھتا نہین تو کوئی پوچھتا نہین

اعتبار نگہ ناز ہے کیا کیا اون کو
قتل کو آتے ہین اور ہاتھ مین شمشیر نہین

اے خضر اتنے دن ترے کیونکر بسر ہوئے
ہم سے تو رات کٹ نہ سکی انتظار مین

ہون وہ خود رفتہ کہ کب جانے کہان دل کھویا
یاد آتا ہی تو اتنا کہ نہین یاد مجھے

جانے دے اے تصورِ جانان نکر تلاش
ایسا نہو کہ وہ کہین دشمن کے گھر ملے

کنجِ مزار مین بھی وہی اضطراب ہے
دِل ہے کہ اِک فرشتۂ قہر و عذاب ہی
پہونچے عدو کے گھر مین تو دامن جھٹک دیا
ہم خاک بھی ہوئے ہین تو مٹی خراب ہی
صیاد اور بندِ قفس سے کرے رہا
جھوٹی خبر کسی کی اُڑائی ہوئی سی ہی

میر مہدی مجروح

میر مہدی مجروح خلف میر حسین فگار دلی کے رہنے والے اور مرزا اسد اللہ خان غالب کے منظور نظر و تربیت یافتہ تھے، وہ زمانہ آنکھون سے دیکھا تھا جبکہ میر نظام الدین ممنون، مفتی صدر الدین خان آزردہ، نواب مصطفےٰ خان شیفتہ، شیخ ابراہیم ذوق اور حکیم مومن خان وغیرہ ارباب فضل و کمال بقید حیات تھے اور اون کے نتایج فکر سے مشاعرون مین زندگی اور زندہ دلی کے آثار نمایان تھے،

غدر ۵۷ء کے بعد یہ بھی خانماں آوارہ ہوکر مدتون پانی پت مین رہے، جب دلی مین امن و امان قایم ہولیا تو واپس آئے مگر وہان کیا دھرا تھا، ناچار گھر سے نکلے اور کچھ دنون مہاراجہ شیو دان سنگھ رئیس الور کی قدردانی سے الور مین رہے تھے کہ وہان بھی بدقسمتی نے رہنے نہ دیا،

اخیر زمانہ مین قسمت نے یاوری کی اور نواب حامد علیخان رئیس رامپور کی عنایت و مہربانی سے زندگی کے آخری لمحے کسی قدر راحت سے بسر ہوئے،

۱۳۱۶ھ مین ایک دیوان مرتب کرکے مظہر معانی کے نام سے چھپوایا ہے جس مین قصائد، غزلین، رباعیان، مخمس، ترکیب بند، وغیرہ اصناف سخن موجود ہین،

مجروح کی زبان نہایت صاف و سادہ ہے، چھوٹی چھوٹی بحرون مین اکثر غزلین لکھی ہین جن مین محاورون کی چاشنی زیادہ پائی جاتی ہے، مگر اسالیب کلام مین جدت

وتازگی نہین ہی، انھین مضمونون کو جنھین متوسط طبقہ کے شعرانے اپنی مخصوص زبان و طریقۂ بیان مین ادا کیا ہی، یہ بھی کام مین لائے ہین مگر بعض جگہ نزاکتِ خیال کی نفرہی نبہہ نہین سکی، معمولی بات چیت کا رنگ پیدا ہو گیا ہی، تاہم اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ زبان کی صفائی اور سادگی کے ساتھ کلام مین پختگی کے لوازم اچھی طرح پائے جاتے ہین،

عودِ ہندی مین مرزا غالب کے ان کے نام بہت سے خطوط ہین جو پڑھنے کے قابل ہین، اون کے ایک ایک فقرے سے پیار و محبت کی تراوش ہوتی ہے، ایک خط مین لکھتے ہین،

میر مہدی! جیتے رہو آفرین صد ہزار آفرین اُردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہی، مجھکو رشک آنے لگا، سنو! دلی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ مین گئی ہی، یہ طرز عبارت خاص میری دولت ہی، سو ایک ظالم پانی پت انصاریون کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے لیا، مگر مینے اوس کو بحل کیا اللہ برکت دے،

سخت مضطر دلِ ہنگامہ طلب ہی یارب ... آج ہی کیون نہ وہ ہو جائے جو فردا ہوگا

کبھی چشم خمار آلود کی مستی نہین دیکھی ... بجا ہے حضرتِ ناصح کو دعوٰی ہوشیاری کا

ساقی کی چشم مست کا گردیدہ رہے ہی ... زاہد کو آج کل ہی مین میخوار دیکھنا

کچھ عرض تمنا مین شکوہ نہ ستم کا تھا ... مینے تو کہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا

اچھا ہوا محفل میں مجروح نہ کچھ بولا وہ حال اگر کہتا تو کس سے سنا جاتا

نہ سوجھتی ہے رہائی نہ موت آتی ہے نہ مہربان ہے قسمت نہ مہربان صیّاد

اِس جہان میں نہیں جز رنج مآل شادی گرتے ہیں خاک میں گل شاخ پہ خندان ہوکر

ہوائے گل ہے اب لے شوقِ پرواز یہ تھے سارے بکھیڑے بال و پر کے

کوئی سخت دِل آکے اٹکا ہے کیا کھٹک سی ہے کچھ چشم پر آب میں

کِسی نے کوٹ کر بجلی کو شاید بھر دیا دل میں نئے ڈھب کی تڑپ ہے کچھ ہماری جانِ مضطر میں

تھی وہ مجنون کے دم ہی تک رونق خاک اُڑتی ہے اب بیابان میں

جو مزہ دِل کی ہے لذت وہ دل ہی جانے ہے یہ دل لگی کی ہیں باتیں کہ بیقرار ہون میں

اب ہم ہیں اور کنج قفس کی صعوبتیں وہ نغمہ سنجیان وہ نشاطِ چمن کہان

دل ہی سمجھے ہے کچھ تڑپ کو مرے برق کو لطفِ اضطراب کہان

یہ بھی کچھ جی مین آگئی ہوگی　　کیا وہ میرے بٹھائے بیٹھے ہین
طور جس آگ نے جلایا تھا　　ہم وہ دل مین چھپائے بیٹھے ہین

ملتی ہی اوس کی وضع زبس نخوتِ یار مین　　آئے نہ کیون مزہ ستم روزگار مین
سوزِ درون نے مجکو کیا نخلِ آتشین　　شعلے بھرے ہوئے ہین مرے برگ و بار مین
کب دیکھین چاک جیب سے فرصت ملے ہمین　　دستِ جنون کا دھیان ہو اک ایک تار مین
گل سے تو لاکھ مرتبہ بہتر ہے روئے یار　　بلبل یہ کیا ہی مین تو یہ کہدون ہزار مین

مرے کس کام کا ہے بختِ خفتہ　　اِسے رشوت مین دونگا پاسبان کو

تھا برا مجروح پر اِتنا نہین　　جس کے مرنے کی مبارکباد ہو

رہے شکوہ سنجِ ستم ہم سدا　　کبھی آسمان کے کبھی یار کے

وان ستم تک دریغ ہی ہم سے　　یان توقع مین ہین عنایت کے
دل کو کوئی بچا سکے کیونکر　　اوس کے انداز ہین قیامت کے

کچھ آن بن ہو چلی ہے باغبان سے　　بس اب نکلا ہی سمجھو گلستان سے

مشکل ہے وصل میں بھی تلافی فراق کی
پہلو میں گر یہی دلِ حسرت مآب ہے

سوزِ غم سے نہ دل بھنے جبتک
سوزشِ عشق کا مزا کیا ہے

صبر کے فائدے بہت ہیں ولے
دل ہی بس میں نہ ہو تو کیا کیجے

کوئی ہمنوا ہے نہ یارِ آشیان
جو چھوٹے بھی ہم تو کدھر جائینگے
یہ اہلِ عدم میں اور ہم میں ہے فرق
گئے وہ تو ہم ٹھہر کر جائینگے

عاشق نہ سمجھتے تو وہ منھ کو نہ چھپاتے
کھویا دلِ بیتاب نے وہ لطفِ نظر بھی

ہم لوگوں میں ہو ربط نہ باہم تو عجب کیا
جب گرم نہ صحبت رہی موسیٰؑ و خضرؑ کی

جز غمِ مرگ دوستان اے خضرؑ
کیا دھرا عمر جاودانی مین

حکیم ضامن علی جلال

ضامن علی نام جلال تخلص حکیم اصغر علی داستان گو کے بیٹے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے، سنہ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے غدر سے پہلے لکھنؤ کچھ اور ہی لکھنؤ تھا، عیش و نشاط کی

گرم بازاری کے ساتھ ہر علم و فن کے ارباب فضل و کمال کا بے نظیر مجمع جن کے فیضان صحبت سے یہان کا معمولی سے معمولی آدمی بھی دوسری جگہ کے قابل اور لائق لوگون سے تقریر کی روانی اور شستگی مین بہتر نظر آتا تھا اوس کی باتین سنکر کبھی اس کا گمان نہ ہو سکتا تھا کہ اس نے درسی کتابین نہین پڑہین،

جلال اوسی زمانے کے آدمی تھے، لکھنؤ مین پیدا ہوئے، فارسی کی درسی کتابین اوس زمانہ کے رواج کے موافق پوری پڑہین، عربی کی ابتدائی کتابین پڑھتے ہی تھے کہ شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا، امیر علی خان ہلال[1] کے پاس آنے جانے اور اپنا کلام دکھانے لگے، ایک عرصہ تک انھین سے مشق سخن کی،

چونکہ ان مین قابلیت اور مناسبت فطری موجود تھی، چند ہی روز مین اوس نے اپنا رنگ دکھایا، جب ہلال نے ان کے کلام اور اپنی اصلاح کا اندازہ کر لیا تو خود انھین اپنے استاد میر علی اوسط رشک کے پاس لے گئے، یہ کچھ عرصہ تک اون سے مشق سخن کرتے رہے،

---

[1] امیر علی خان ہلال پسر تراب علی خان باشندہ لکھنؤ میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے، غزلون کا دیوان مقفی و مروف مثنوی اور سراپا ان کی تصنیفات میں بیان کی جاتی ہیں، واجد علیشاہ کی سرکار میں ان کا توسل تھا انھیں کے ساتھ کلکتہ گئے، نمونہ کلام کا یہ ہے،

بجھ سے الگ جو دس یہ ہوتا تو خوب تھا ۔۔۔ پہلو مین میری قبر کے بنتا مزار دل

بڑھ بڑھ کے کیا ہی وار لگائے ہیں جی میں ہو ۔۔۔ ہاتھوں کے بدلے چوم لوں اوس تیغ زن کے پانوں

یہ ہاتھا پائی بھی کہین دیکھی سنی نہین ۔۔۔ لاتوں کے ساتھ آپ کی چلتی ہین کہنیان

جب وہ کربلائے معلی چلے گئے تو مرزا محمد رضا برق سے اِصلاح لینے لگے اور کثرتِ مشق سے کلام مین رنگ پیدا ہوگیا،

غدر ۵۷ھ کے بعد رامپور چلے گئے، اوس وقت اِن کا سن بائیس برس کا تھا،

اِن کے والد نواب یوسف علیخان ناظم کی سرکار مین داستان گوئی کی خدمت پر مقرر تھے، یہ بھی اُسی سرکار مین نوکر ہوگئے، یوسف علیخان کے بعد نواب کلب علیخان مرحوم نے بھی قدردانی فرمائی، جلال کو سو روپیہ ماہوار ملتا تھا، چند مرتبہ مستعفی ہو کر چلے آئے، مگر قدردان نواب نے ایام معزولی کی بھی تنخواہ ادا کی اور اون کو ہر مرتبہ بلوا بھیجا،

منگرول کے نواب حسین میان اِن کو پچیس روپیہ ماہوار بھیجتے اور ہر قصیدہ پر سو روپیہ دیتے تھے، علاوہ اِن کے اور لوگ بھی اِن کی خدمت کرتے تھے، اِن کا بھی یہ دستور تھا کہ بغیر مالی منفعت کے کسی کے کلام مین اِصلاح نہ دیتے تھے، اور کسی خط کا جواب نہ دیتے جبتک کہ اوس مین جواب کے لیئے ٹکٹ نہ رکھا ہو،

اِن کو اپنی زبان دانی کا بڑا دعویٰ تھا، اور اِس بات پر ناز تھا کہ وہ محاورے کو صحیح طور پر ادا کرتے ہین، اِس بارہ مین وہ کسی کو اپنا مقابل نہین سمجھتے تھے،

مگر باوجود تدمغ اور نازک مزاج ہونے کے اہلِ کمال سے تواضع پیش آتے اور اپنی فروگذاشت کو جلد تسلیم کرلیتے،

نواب کلب علیخان مرحوم کے بعد لکھنؤ چلے آئے تھے اور منصور نگر مین ایک مکان خرید کرکے مستقل سکونت اختیار کرلی تھی،

سرمایہ زبان اُردو کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے، جس مین محاورے کنائے اور اصطلاحین زبان اُردو کی بیان کی ہین، مفید الشعرا ایک رسالہ تذکر و تانیث کی

بحث مین ہی، قواعد المنتخب ایک اور رسالہ ہی، جس مین بعض مفرد و مرکب الفاظ کی تحقیق و تصریف بیان کی ہی،

علاوہ اِن کتابون کے چار دیوان ہین، بعضے بسوط بعضے مختصر، چہتر برس کی عمر پائی اور ۱۳۲۵ھ مین جہان کے تھے وہان چلے گئے،

خبر کیا تھی کہ خاموشی ہی رازِ عشق کہدیگی — وہی غماز ہوگا جو ہمارا راز دان ہوگا
جفا کرتے ہین کبتک باوفاؤن پر دیکھین تو — ہمین جو آزماتے تھے اب اُنکا امتحان ہوگا

جی خوب بہلتا ہی بھلا ہو کہ بُرا ہو — سُن لیتے ہین ناصح سے کچھ افسانہ کِسی کا

دلِ ناکام کو ہم کھو کے بہت پچھتائے — کام اِس سے بھی نکلجاتے تھے بیکار نہ تھا

گناہِ عاشقی خواہانِ تعزیر آپ ہوتا ہی — بتا دیتا ہی شوقِ دارخود منصور ہوجانا

طاقت نے سنبھالا نہ تحمل نے دمِ ہجر — سب دعویٰ ہی کرتے تھے کوئی کام نہ آیا

پائی راحت تِرے خنجر ہی کے نیچے قاتل — پھر جو ٹھہرا تو یہین کچھ دلِ بسمل ٹھہرا

اُٹھے جو بزمِ یار سے تنہا ہم آئے گھر — طاقت کہین حواس کہین دل کہین رہا

بہت بہار کی آمد سے خوش ہین مرغ چمن ۔۔۔ شگوفے دیکھین اونھین کیا نہال کرتے ہین

ترا دامن و بالینا تہ زانو سمجھتے ہین ۔۔۔ ابھی کوئی نہ اُٹھے ہم بھی یہ پہلو سمجھتے ہین

نقشِ قدم پکارتے ہین راہِ عشق مین ۔۔۔ مٹ جائے حوصلے جسنے نام و نشان کے ہین

اندازۂ طلب سے دیا بڑھ کے جب دیا ۔۔۔ کم حوصلہ ہمین ہین وہان کچھ کمی نہین

ادا و ناز پر یون جان دیتے ہین بتاوے گا ۔۔۔ ذرا جینے تو دو چندے کسی مرجانے والے کو

جگر کا درد کھویا اور نہ کی دل کی تڑپ زائل ۔۔۔ تمہین سے پوچھتے ہین کس مرض کی پھر دوا تم ہو

آنسو رکے تو کیا نہین چھپنے کا رازِ عشق ۔۔۔ حسرت ٹپک پڑے گی ہماری نگاہ سے

کوئی دامن جنون مین کھینچتا ہو آستین کوئی ۔۔۔ اُتارے لیتے ہین خارِ بیابان پیرہن اپنا

کیا تھی کسی کی ترچھی نظر کچھ نہ پوچھیے ۔۔۔ اِک تیر تھا کلیجے کے جو پار رہ گیا

رہتا ہو کلیجے مین نہان دردِ محبت ۔۔۔ یہ چوٹ وہ ہو جس کو اُبھرنا نہین آتا

نہو برہم جو بوسہ بے اجازت لے لیا مینے　　چلو جانے دو بیتابی مین ایسا ہو ہی جاتا ہی

جو سمجھاتا ہی ناصح کب ہمارا دل سمجھتا ہی　　نہ یہ نادان سمجھتا ہی نہ وہ جاہل سمجھتا ہے

ایک سی شوخی خدا نے دی ہی حُسن و عشق کو　　فرق بس اتنا کہ وہ آنکھو مین ہی یہ دل مین ہی

لو بند کیئے لیتے ہین ہم دیدۂ مشتاق　　اب دیکھین کہ آجاتے ہو تم دل مین کدھر سے

خوبرویون کے بگڑنے مین بھی ہین لاکھ بناؤ　　کہین اچھون کی کوئی بات بُری ہوتی ہی

سی لین گے گریبان کو ہم یہ تو بتا دو　　کس طرح رفو اوسمین ہو دل تم سے جو پھٹ جائے

شیخ امیر اللہ تسلیم

احمد حسین نام تھا، مگر امیر اللہ کے نام سے مشہور رہین، مولوی عبد الصمد انصاری کے بیٹے تھے، نواح فیض آباد مین منگلسی ایک گانون تھا وہان ۱۲۳۵ھ مین پیدا ہوئے والد ان کے پلٹن مین ملازم تھے اِس تقریب سے لکھنؤ مین نشو و نما ہوا، باپ اور بڑے بھائی مولوی عبد اللطیف سے فارسی اور عربی کی کتابین پڑہین، اور خطاطی مین کمال پیدا کیا،

شعر و سخن سے مناسبت خداداد تھی، لکھنؤ مین صحبت بھی ایسے لوگون کی میسر ہوئی جو شعر و سخن سے مذاق رکھتے تھے، اسلیئے وہ رنگ چمک گیا، جب مرزا اصغر علیخان نسیم لکھنؤ آ گئے تو اوس مین برگ و بار پیدا ہو گئے، اون سے مشق سخن کرنے کے بعد اپنی راہ اہل لکھنؤ سے الگ نکال لی،

اِن کے والد پلٹن مین کسی عہدے پر مقرر تھے جس کی تنخواہ تیس روپیہ ماہوار اون کو ملتی تھی، جب وہ کبر سنی کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہ رہے تو انھون نے محمد علیشاہ کے زمانے مین اِن کو اپنی جگہ پر کرا دیا، یہ مدت تک کام کرتے رہے اور مشق سخن بھی جاری رہی، واجد علیشاہ کے زمانے مین مسٹر سلیمن رزیڈنٹ لکھنؤ کی کسی شکایت پر اِن کی پلٹن توڑ دی گئی یہ بیکار ہو گئے، تین برس مسلسل کوششین کین مگر بے سود،

اوس زمانے مین شاعری زور ون پر تھی، ایک منظوم عرضداشت اپنے ہاتھ سے خوشخط لکھکر مقبول الدولہ مرزا مہدی علیخان قبول کی وساطت سے پیش کی، وقت آ گیا تھا، بادشاہ کی نظر اوس پر پڑ گئی، نظم مین حکم لکھوایا ؎

بشنو اے خوشنویس واے خوش گو ہر دو فن میکنی و ہر دو نکو
اسم تو مندرج بد فتر شد بست و دہ روپیہ مقرر شد

اوس دن سے اِن کو تیس روپیہ ماہوار پھر ملنے لگے، ایام غدر مین جب لکھنؤ مین نوابی ہو گئی تو پھر کسی پلٹن مین اُسی عہدہ پر یہ مقرر ہو گئے جو شاہی زمانے مین تھا، نو مہینے تک جنگ کی کشاکش مین مبتلا رہے جب کام بگڑا تو رامپور چلے گئے اور عرصہ تک وہان رہے، جب لکھنؤ مین پھر انگریزون کا تسلط ہوا اور راستے محفوظ ہو گئے تو رامپور سے چلے آئے، نواب محمد تقی خان نے دس روپیہ ماہوار کر دیئے، اور اپنا کلام اصلاح کے لیئے

اِن کو دینے لگے، اور منشی نولکشور نے اپنے چھاپہ خانہ مین بیس روپیہ ماہوار پر ملازم رکھ لیا، نواب کی زندگی تک تیس روپیہ اِن کو ملتے رہے، اون کے مرنے پر بیس روپیہ ہوگیا، تھوڑے دنون کے بعد نواب کلب علیخان مرحوم مسند نشین رامپور ہوئے، اور اون کی قدر دانی سے ہر طرف سے نامی گرامی شاعرون نے رامپور پہونچکر خلعت ملازمت حاصل کیا، تسلیم اُسی بیس روپیہ پر لکھنؤ مین پڑے ہوئے تھے،

نواب کو خود یاد آیا اور اون کو بلوا کر تیس روپیہ ماہوار تنخواہ کردی، مگر اِس تیس روپیہ مین ان کی بسر اوقات کیا ہوتی، عید بقرعید مین قصیدے پیش کرتے اور ہر موقع پر دو سو روپیہ اِن کو ملا کرتا، اِس پر بھی یہ قرضدار ہو جاتے، نواب مرحوم کو خبر ہوتی تو وہ افسوس کرتے اور بُلا کر پوچھتے کہ کتنا قرض ہی، یہ جو کچھ بتاتے اوس سے دونا چوگنا اِن کو ملجاتا اور تاکید ہوتی کہ آیندہ احتیاط رکھنا، مگر نواب کی فیاضیون نے سیر چشم بنا رکھا تھا احتیاط کون رکھتا،

نواب کی زندگی بھر یہی تماشا رہا، نواب کے مرنے کے بعد اِن کی پنشن ہوگئی اور بجائے تیس کے دس پندرہ روپیہ رہ گئے، اِس پریشانی اور ناکامی مین ٹونک گئے اور وہان سے ناکام واپس ہوئے، پھر مانگرول گئے، نواب حسین میان قدر دان رئیس تھے، پچاس روپیہ ماہوار اور خرچ پر روکنا چاہا مگر وہان کی آب و ہوا اِن کو موافق نہ آئی چلے آئے،

جب نواب حامد علیخان مسند نشین ہوئے تو داداجان کے وقت کا شاعر سمجھکر دربار مین بُلایا، اور حال پوچھا، معلوم ہوا کہ پنشن ہوئی ہی، فرمایا کہ پنشن کیسی، یہ کوئی سپاہی تھے کہ اب بندوق نہین چلا سکتے، یہ تو شاعر ہین جو کام پہلے کرتے تھے، وہ اب بھی

کر سکتے ہین، خلد آشیان کے عہد کے تیس روپے بحال کیئے جائین اور ہماری طرف سے دس روپیہ ماہوار اضافہ،

اِس طرح تھوڑی فراغت پھر نصیب ہوئی، مگر آنکھون اور کانون کی نعمتون سے محروم ہوگئے تھے، بقیہ حیات مستعار کو پورا کر کے چھیانوے برس کے سن مین ۱۳۲۹ھ مین وفات پائی،

غدر سے پہلے ایک دیوان تیار ہو گیا تھا، وہ غدر کے ہنگامہ مین ضائع ہو گیا، دوسرا دیوان غدر کے بعد مرتب کیا، جس مین قصائد غدر سے پہلے کے شامل ہین، یہ دیوان نظم ارجمند کے نام سے چند قصیدون اور دو مثنویون کے ساتھ لکھنؤ مین شایع ہوگیا ہی، اور اوس کی کاپی خود انھین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہی، رامپور مین تیسرا دیوان تیار ہوا جو نظم دل افروز کے نام سے چھپا ہی، اوس کے بعد چوتھا دیوان دفتر خیال کے نام سے شائع ہوا، پانچوین دیوان کے متفرق اجزا اون کے رامپور کے شاگردون کے پاس ہین جن کے شائع ہونے کی توقع نہین،

مثنویون مین نالۂ تسلیم اور شام غریبان پہلے دیوان کے ساتھ شائع ہوئی ہین، اوس کے بعد صبح خندان، دل و جان، نغمۂ بلبل، شوکت شاہجہانی، گوہر انتخاب، اور تاریخ بدیع یعنی تاریخ رامپور وقتاً فوقتاً لکھین، اور شائع ہوئین، سفرنامہ نواب رامپور جس مین پچیس ہزار شعر سے کم نہون گے، رامپور کے سرکاری کتبخانہ مین قلمی موجود ہے،

تسلیم کو اصناف سخن مین جو قدرت مثنویون پر حاصل تھی وہ اون کے معاصرین مین سے کسی کو حاصل نہ تھی، اخیر زمانے کی مثنویان جو اون کی کمزوری اور بدحواسی کے

زمانے کی تصنیف ہین، دیگر اساتذہ کی بہترین مثنویون کے برابر بلکہ اون سے بہتر کہی جاسکتی ہین،

قصیدون مین بھی اون کا رنگ خاص ہی مضمون کی بلندی اور بلاغت کو الفاظ کی رنگینی اور فصاحت کے ساتھ ایسا نمایان کرتے ہین کہ اکثر موقعون پر قصیدہ مین غزل کا رنگ جھلکنے لگتا ہے،

تغزل مین نظم ارجمند کی غزلین اپنی خصوصیتون اور گوناگون صفتون کے لحاظ سے اون کی عمر کا بہترین سرمایہ ہین، اِس کے بعد کلام مین کمزوری کی علامتین ظاہر ہونے لگین،

عام جوہر اون کے کلام کا پختگیِ کلام رنگینیِ الفاظ اور دلپذیریِ مضامین ہی، جس سے بے مثالی کی شان اوس مین کھُلی ہوئی معلوم ہوتی ہی،

قصیدون کا نمونہ ملاحظہ ہو،

نغمہ سنجی کے نہ قابل نہ سزاوارِ فغان	بلبل تصویر ہون رکھتا نہین گویا زبان
ہر طرح پوشیدگی حاصل ہی مجکو غیب سے	سینہ مین مانندِ دل ہون دلمین ہون مثلِ گمان
بوئے گل ہون گل کو بھی صحبت مری ہی ناگوار	ہون سبکروحی سے اپنے طبعِ نازک پر گران
عین پستی مین خیال سربلندی ہی وہی	ہون ترقی آشنا مثلِ غبارِ ناتوان
ہوشیار اے خامۂ بیہودہ پیما ہوشیار	تا لجا وقفِ زبان آئین ورسمِ شاعران
مطلع مضمون عالی یاد آیا ہے مجھے	جس سے پیدا ہے عروجِ التماسِ قدسیان

وہ دکھلا ہی حسنِ پست فطرت سبزہ زار	بوسۂ روئے زمین لیتا ہی کیا کیا آسمان

جوشِ مستی مین جوانانِ چمن کے سامنے　　چلتی ہے بادِ صبا کرتی ہوئی اٹکھیلیان

منبرِ ہر شاخ پر پڑھتی ہے بیٹھی عندلیب　　خطبہائے مدحتِ واجد علی شاہِ جہان

جس کی ادنی ریزشِ زر کی بدولت ہر زمین　　مختصر ہی طولِ دامانِ زمین و آسمان

ٹپکے ہین دیدۂ بیخواب سے کیا کیا گوہر　　دیکھتے دیکھتے مٹ مٹ گئے کیا کیا گوہر

بے ثباتی کو مرے دیکھ کے آنسو کی طرح　　خود بخود ٹوٹ گیا ہاتھ جو آیا گوہر

تھا وہ غم دوست کہ صناعِ ازل کے آگے　　اشک ہوتا مین بگڑ کر جو بناتا گوہر

دیتے ہین اہلِ صفا اہلِ صفا کو قوت　　ضعفِ دل کے لئے لکھتے ہین اطبا گوہر

کس طرف جوش مین جاتا ہی کدھر اے تسلیم　　تا کجا تارِ پریشان مین پرونا گوہر

عذر شوریدہ سری ہی جو تجھے سن مجھ سے　　مطلعِ صاف کہ ہر نقطہ ہو جس کا گوہر

غور سے دیکھ ذرا ہمدمِ والا گوہر　　آبرو مین درِ مضمون ہین سوایا گوہر

یہ دل و جان ہی دل و جان صفا طینت کا　　آبلہ ہی جگرِ چاک صدف کا گوہر

اس سے ہے حشر تلک زینتِ نامِ ممدوح　　چند دم ہی سببِ رونقِ دنیا گوہر

گر تامل ہی تو چل منصفِ دوران کے حضور　　نرہے تنک سخن اچھا ہی کہ اچھا گوہر

یون ہی چندے جو رہا حوصلۂ صرف و کرم　　عالمِ بحر مین ہو جائے گا عنقا گوہر

پرتوِ عارضِ روشن جو دکھائے اعجاز　　دمِ نظارہ ہو اک دیدۂ بینا گوہر

نقشِ پا ہے سببِ زینتِ عالم ایسا　　جیسے ہو تاجِ سرِ شاہ کو زیبا گوہر

غزلون کا رنگ ملاحظہ ہو

وطن مین تازہ وارد ہون طبیعت گھر مین کیا بہلے
ابھی پھرتا ہی آنکھون مین مرے نقشہ بیابان کا

وہ ہوا خواہِ اسیری تھے کہ آزادی کے بعد
رو دیئے ہم دیکھکر خالی قفس صیاد کا

ہائے کب تک نہ مین گھبراؤن گا اے دستِ جنون
اب تو دامن بھی نہین ہی کہ بہل جاؤنگا

اللہ رے اضطراب تمنائے دیدِ یار
اِک فرصتِ نگاہ مین سو بار دیکھنا

اجل خفا ہے فلک مدعی زمین دشمن
مرا جہان مین کوئی نظر نہین آتا
حجاب دیدۂ نرگس سے باغ مین نہ کرو
یہ دیکھنے کی ہین آنکھین نظر نہین آتا

نالہ کھنچا ہی دل ہی خفا شوق ہی اوداس
تو کیا بدل گیا کہ زمانہ بدل گیا

آبرو گر چاہتا ہے کنجِ خلوت کر قبول
قطرۂ نیسان صدف مین آکے گوہر ہو گیا

محبت مین یہ بیرحمی کہ جینا ہو گیا مشکل
خدا ناکردہ کیا ہوتا جو وہ کافر عدو ہوتا

تنگیِ کنجِ قفس، رنجِ اسیری، داغِ گل
اتنے سامانِ ستم اور ایک جانِ عندلیب

راحت طفلی جوانی غفلتِ پیری دمرگ　　جیتے مرتے ہم نے وآنکھون سے دیکھے چار خواب

خشک گل افسردہ سبزہ شمع چپ پالین اداس　　جی بھر آیا عالم گورِ غریبان دیکھکر

تڑپتی دیکھتا ہون جب کوئی شے　　اُٹھا لیتا ہون اپنا دِل سمجھکر

پرواز اولین مین اسیری ہوئی نصیب　　گویا قفس مین تھے جو اُڑے آشیان سے ہم

چاہیے سب کچھ مگر اے دوستو آتی ہی شرم　　اِن نصیبون مین کسی شے کی تمنا کیا کرون

مانا کہ حسنِ یار سے لبریز ہے جہان　　لیکن وہ حوصلہ وہ شکیبِ نظر کہان

غیر کیا دوست بھی ہوتا نہین مشکل مین شریک　　پھر گئین وقتِ اجل دیکھ کے بیدم آنکھین

وہ برق مین شوخی وہ لگاوٹ تھی ہوا مین　　دی رخصتِ مے خود مجھے توبہ نے گھٹا مین

لے چلے ہین وحشت سے کیون اقربائے سو وطن　　اب تو مجھکو وادیِ غربت بھی گھر سے کم نہین

دو دن کی زندگی ہی اسیری مین عندلیب　　فکرِ قفس کرے کہ اسیری کا غم کرے

کیونکر کہون کہ لطف بھی اونکا ستم نہین
کب آئے دیکھنے کو کہ جب مجھمین دم نہین
اوسکی سحر نہ اوس کی زمانے مین شام ہی
فرقت کی شب بھی روزِ قیامت سے کم نہین

کیا خبر مجکو خزان کیا چیز ہے کیسی بہار
آنکھین کھولین آکے مینے خانۂ صیاد مین

ملین صبحِ وطن کی آرزو مین خاک مین آکر
مبارکباد دے اے بیکسی شامِ غریبان کو

پارسائی کیسی اے زاہد بتون کے عشق مین
مین اسی کا شکر کرتا ہون کہ ایمان رہگیا

ہٹ اوس کی رہگئی یہ بڑی بات ہی مجھے
دل چیز کیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا

گل ہون تو جگر چاک ہون بو ہون تو پریشان
ہر رنگ مین اک آفتِ غم دل سے لگی ہے

ہمسائیگی بھی سوختہ قسمت کی قہر ہے
بھڑکی جو دل کی آگ کلیجہ کو جا لگی

کیا خاک سنون ناصحِ مشفق تری باتین
کہنے مین نہین میرے طبیعت کئی دن سے

رہا بھی ہون تو کیا پرواز کی دل سے ہوس نکلے
کہ ہل سکتے نہین جو بال و پر زیرِ قفس نکلے
امیدِ فیصلہ محشر مین کیا ہو وہ جو بیٹھے ہین
وہان تجھ سے جان کے دشمن یہان یادِ رس نکلے

پُر ارمان گردن و خنجر ہین دونون دیکھئے کیا ہو — کسے ناکام رکھے آسمان کس کی ہوس نکلے
نکالے گا کوئی کبتک دلِ بسمل سے پیکان کو — جو سو مین ایک بھی نکلے تو یہ لاکھون برس نکلے
یون ہی لڑتے جھگڑتے عمرِ دو روزہ گزر جائے — نہ ہم نکلین نہ میخانہ سے اے ساقی عبس نکلے

قیامت ہی قفس مین دیکھکر بازو کو رہجانا — بلا سے صبر آجاتا اگر بے بال و پر ہوتے
اُٹھا لینے کی فرصت اضطرابِ دل اگر دیتا — تو جیتے جی مرے پامال کیون لختِ جگر ہوتے
مجھے تو طعنۂ پرواز فصلِ گُل مین کیون دیتا — اسی قابل اگر صیاد میرے بال و پر ہوتے
چلو ہم مر گئے فرصت ملی جھگڑا اِمٹا ورنہ — یہی شکوے گلے باہم مری جان عمر بھر ہوتے
دمِ پیری مآلِ کار سے کیونکر نہ غفلت ہو — کہ اکثر آنکھ لگ جاتی ہی انسان کو سحر ہوتے
برنگِ شمع مہمان شب کا ہون رو لے جو رونا ہو — کہان پائیگی تو اے بیکسی مجکو سحر ہوتے
نہ رہتا کفر و دین کا ایک بھی پابند دنیا مین — خدائی اوس طرف ہوتی مری جان تم جدھر ہوتے
پسِ پردہ سے یہ پردہ دری ہی جانِ مضطر کی — قیامت جلوہ گر ہوتی جو تم پیشِ نظر ہوتے
فقط آوازِ سن سن کر وہ رو دیتے ہین غیرون کی — خدا معلوم کیا ہوتا جو نالے با اثر ہوتے

نہ شامیانہ نہ شمعِ تربت نہ موجِ سبزہ نہ چادرِ گل
بلا نصیبون مین پھنس کے کیا کیا خراب مٹی ہی بیکسی کی

نالۂ تسلیم کا نمونہ

آغاز کلام

شگافِ کلکِ رنگین خندہ زن ہے — مبارکباد آغازِ سخن ہے
بھری ہے بے نیازی مدعا مین — سرِ تمکین ہے عرضِ التجا مین
بڑھی ہے ناتمامی گفتگو سے — مرا مطلب سوا ہے گفگو سے
خیال آئینہ حیرت فزا ہے — زبان مصروفِ حمدِ کبریا ہے

دعائے عاشقانہ

الٰہی دے زبانِ نکتہ دانی — دکھاؤن جلوۂ حسنِ معانی
اجازت خواہِ لطفِ گفتگو ہے — خموشی بہرِ رخصت روبرو ہے
نظر لوثِ سخن سے پارسا ہے — ابھی نادیدہ حسنِ مدعا ہے
سحاب آسا عطا کر چشمِ گریان — مصیبت زادۂ آغوشِ طوفان
رہے بیداریون کا حفظِ آداب — نہون آنکھین کبھی منت کشِ خواب
نہ کم ہو کوئی دن سامانِ سودا — رہے سر منزلِ احسانِ سودا
ترقی پر رہے شوقِ اسیری — رہے وحشت کو پاسِ دستگیری
فلک کو لذتِ ذوقِ جفا سے — نہ دون فرصت تقاضائے بلا سے

خاتمہ

پلا ساقی شرابِ جامِ حسرت — کہ ہون خدمت سے اب مشتاقِ رخصت
جو تو نے شیشۂ و ساغر اٹھایا — مجھے قولِ غنیمت یاد آیا

بیا ساقی بیا اے قبلۂ شوق | کہ دور آخر شد و باقی است این ذوق
طبیعت جوش پر آنے نپائی | عروجِ فکر دکھلانے نپائی
نہ نکلا حوصلہ اپنی زبان کا | قلق ہی دل کو انجام بیان کا
احبا نے کہا ہنگام اتمام | کہ اس کا نالۂ تسلیم ہے نام
یہان تک یہ پسندِ طبع آیا | کہ گویا دل سے میرے نقل پایا
ہوا ہاتف سے بہرِ سال ارشاد | قبولِ خاطرِ اربابِ فن یاد

۱۲۹۵

نمونۂ شامِ غریبان

حمد

اجازت او خیالِ قاصدِ دل | کہ آپہنچا دمِ تکلیفِ مشکل
طبیعت پھر مری کچھ ناز پر ہے | کوئی مطلب مگر آغاز پر ہے
مضامین لیٹے ہین فکرِ رسا سے | زبان جنبش مین ہی حمدِ خدا سے
طلسمی کارخانہ اک بنا کے | نظر سے چھپ رہا صورت دکھا کے
کسی کو عشق کی لذت عطا کی | مزا دیتی رہی اندوہ نا کی
کہین ہی التماسِ شوقِ دیدار | کہین ہے محرمِ اسرار انکار
کہین طالب کہین مطلوب ہو دو | غرض ہر رنگ مین محبوب ہو دو
تماشا دوست یار خود نما ہے | تصور بن کے پھرتا جا بجا ہے
کہانتک ایک سی آہنگ فریاد | بدل اب اور کوئی رنگ فریاد

ملک مشتاق ہین حرفِ دعا کے ۔ فلک پر بھیجے تحفے التجا کے

مناجات عاشقانہ

الٰہی دے کوئی دل سر بسر جوش ۔ بہ رنگ زخم خندان غم فراموش

ہمیشہ سایۂ خنجر مین تڑپے ۔ اگر محشر بھی ہو محشر مین تڑپے

ہنسے رسوائی حالِ زبون پر ۔ بہائے اشک تدبیرِ جنون پر

نہو پامال غم کی سرکشی سے ۔ اُٹھائے ناز دشمن بھی خوشی سے

بڑھے گر بدگمانی چشمِ تر کی ۔ قسم کھائی سرِ داغِ جگر کی

نہو کامل مذاق تلخکامی ۔ رہے ہر مدعا مین ناتمامی

رگِ سودا جنون مین جونکو ترسے ۔ سُنے طعنے زبان نیشتر سے

مرون تیور اگر بدلین الم کے ۔ رُکے سینے مین دم رُکنے سے دم کے

اجل سامانِ شادی کا سبب ہو ۔ صفِ ماتم صفِ بزمِ طرب ہو

بڑھین رتبے یہ جنسِ سرسری کے ۔ اُٹھاؤن ناز قحطِ مشتری کے

سیہ کاری قبولِ لم یزل ہو ۔ لباس کعبہ طومار عمل ہو

بس اے تسلیم کبتک جوشِ مستی ۔ کہانتک شیوۂ مطلب پرستی

کمی کر شوق عرضِ التجا مین ۔ گرہ دے طولِ زلفِ مدعا مین

زبان ہے مائلِ ذکرِ پیمبر ۔ دہن ہی حلقۂ گرداب کوثر

مولوی محمد محسن محسن

مولوی محمد محسن محسن تخلص مولوی حسن بخش خلف مولوی حسین بخش علوی کاکوروی کے بیٹے تھے، ۱۲۴۲ھ مین بمقام کاکوری پیدا ہوئے، سات برس کے سن سے سولہ برس کے سن تک اپنے دادا کے دامن تربیت مین پرورش پائی، اون کے انتقال کے بعد باپ اور مولوی عبدالرحیم سے تحصیل علم کی،

مولوی ہادیعلی اشک اِن کی مان کے خالہ زاد بھائی تھے، ثقہ، پرہیزگار، عالم باعمل تحقیقات علمی اور اُصول شاعری پر اون کو عبور کامل حاصل تھا، اِنھین سے مشق سخن کی،

مین پوری مین چند روز عہدۂ نظارت پر کام کیا اور وہین سے وکالت ہائیکورٹ کا امتحان دیکر کامیابی حاصل کی، اوس زمانے مین صدر دیوانی عدالت آگرہ مین تھی، بعد کامیابی آگرہ مین بود و باش اختیار کی، غدر ۱۸۵۷ء تک آگرہ مین رہے، اوس کے بعد مین پوری مین مستقل قیام کرکے وکالت کو خوب ترقی دی، چند روز مین اون کی دیانت راستبازی، صفائی معاملہ، نازک خیالی اور عالی دماغی کی دھوم مچگئی، حکام اون کو خاص عزّت و وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے،

ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے اور ہر کسی کے دُکھ درد مین شریک ہوتے، انکسار جوہر طبعی تھا، پُرانی وضعداری اور ایشیائی مروت کا وہ بے مثل نمونہ تھے، جسمین حکمت عملی ضرورت وقت اور پالسی کا گزر نہ تھا، جس شخص سے جو برتاؤ ایک مرتبہ ہوجاتا اوس کو وہ اخیر تک نباہتے رہتے تھے۔

شعر و سخن کا شوق بچپن سے تھا ابتدا مین کچھ غزلین بھی لکھین، اور کبھی کبھی کسی کی فرمایش سے قصیدہ یا مثنوی یا دوستون اور بزرگون کی تحریک سے تاریخہائے ولادت و وفات لکھین، اِس کے سوا نعت کے سوا انھون نے کچھ نہین لکھا، کلیات اِن کے بڑے بیٹے مولوی نور الحسن بی اے ایل ایل بی نے جمع کر کے چھپوا دیا ہی، اوس مین سب سے پہلے ایک نعتیہ قصیدہ گلدستہ کلام رحمت ہی ۱۲۵۸ھ مین لکھا تھا، اوس کے بعد سراپائے رسول اکرم ہے جس کو ۱۲۶۲ھ مین تصنیف کیا تھا، پھر اون کا مشہور قصیدہ ہی جو شہیدی کے قصیدہ کے جواب مین ہی اوس کو ۱۲۷۴ھ مین لکھا تھا، اور منشی امیر احمد امیر نے اُسکی تضمین کی ہی، پھر چہتر شاہنشاہی ایک ترکیب بند ہی جو واجد علیشاہ کی تعریف مین کسی دوست کی فرمایش سے اور اونھین کے نام سے لکھی تھی، پھر مثنوی صبح تجلی ہی جو ۱۲۸۹ھ مین لکھی ہی، پھر فغان محسن اور نگارستان اُلفت دو چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین جن کو ۱۲۸۹ھ اور ۱۲۹۳ھ مین لکھا تھا، پھر مدیح خیر المرسلین اون کا وہ مشہور نعتیہ قصیدہ ہی جس نے ہر کہ و مہ سے خراج تحسین وصول کیا ہی، اوس کا پہلا مصرع ہی ع

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اِس کو ۱۲۹۳ھ مین لکھا تھا، اور اِس کا خمسہ منشی عبد المجید سحر نے بھی بڑے زور کا لکھا ہی،

پھر اون کی مشہور مثنوی چراغ کعبہ شب معراج کے حال مین ۱۳۰۱ھ مین لکھی تھی، پھر اون کی مثنوی شفاعت و نجات ہی اس کو ۱۳۱۱ھ مین لکھا تھا، اس کے بعد رباعیان غزلین اور تاریخین ہین،

عام جوہر اِن کے کلام کا مضامین کی بلند پروازی الفاظ کا شان و شکوہ بندش کی چستی، استعارون کی رنگینی اور قصہ طلب تلمیحات ہین جس مین اون کے معاصرین مین کوئی

اِن کا شریک نہین بلکہ اُردو شاعری مین اِس کا جواب نہین،

ثاقب نے مکتوبات امیر مینائی کے مقدمہ مین ایک جگہ لکھا ہی کہ
مین نے ایک مرتبہ منشی امیر احمد امیر سے محسن کاکوروی کی سخن آفرینی اور بلاغت کلام کا
تذکرہ کیا تو فرمایا کہ "اِن کا کلام ایک عالم ہی خیالات نادرہ کا کہ اوس کو دیکھکر انسان حیران
ہوتا ہی اور انکا ہر شعر معراج بلاغت ہی"

۱۸ صفر ۱۳۲۳ھ کو اِس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت کی مرتے وقت پاس انفاس
جاری تھا، تاریخ وفات منشی زین العابدین فرجاد نے بڑی معقول نکالی جو کہ آیہٗ کریمہ ہے
" فی الآخرۃ لمن الصالحین،

صبح تجلی

بیضاوی صبح کا بیان ہے	تفسیرِ کتاب آسمان ہے
ہے خاتمہ شبِ دل افروز	دیباچۂ نگارِ نسخۂ روز
آثارِ سحر ہوئے نمایان	سیپارے ہوئے ہی دوران
واللیل کو ختم کر چکا ہے	آمادۂ دورِ والضحیٰ ہے
عنوانِ فلک ہے درِّ منثور	لوحِ زرین سورۂ نور
اطرافِ بیاضِ مطلعِ صاف	والفجر کے حاشیہ پر کشاف
ہر دشت ہی مثلِ دشتِ ایمن	ہر کوہ برنگِ طورِ روشن
گردون کے غلاف مین ہی نہان	مشکوٰۃ شریف پھرتا بان
ظلمت کا چراغ بے ضیا ہے	انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے

ہنگام سپیدۂ سحر گاہ　　ساعات مین روز شب کے واللہ
اِک مخبرِ صادق البیان ہی　　پیغمبرِ آخر الزّمان ہے
کیفیتِ وحی مین ہے بلبل　　ہے وقت نزولِ مصحفِ گل
سبزہ ہے کنارِ آبِ جو پر　　یا خِضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہی صداے قمریان کی　　تیاری ہی باغ مین اذان کی
اِک شاخ رکوع مین رُکی ہے　　اور دوسری سجدہ مین جُھکی ہے
سُوسن کی زبان پر مناجات　　جاری لبِ جو سے التحیّات
تسبیح شگوفہ یا مصوّر　　تحریمہ تاک ربّ اغفر
اللہ اللہ کیا سمان ہے　　ہر شئ کو حیاتِ جاودان ہی
سرسبزی ہے باغ مین جنان کی　　آمد ہی بہارِ بےخزان کی
لوح و قلم ادیبِ تقدیر　　محو خطِ نسخِ عالمِ پیر
ایام کا بخت پھر جوان ہے　　پھر عہدِ شبابِ آسمان ہی
ہستی و عدم مین ایک لے ہی　　لاشے کے بھی لب پر آج نے ہی
کیفیتِ خرمی سے آج مسرور　　رنگین طبعانِ عالمِ نور
رضوان نے کہین سبیل رکھی　　ہر کوزے مین سلسبیل رکھی
تیار کیے بحکمِ باری　　میکائیل اِک طرف نہاری
آلی بے ساغر و صُراحی　　کوثر سے کھنچی ہوئی صبوحی
گلدستے بہشت نے بنائے　　جبریل درود پڑھتے آئے
بیٹھے ہوئے ہین خوشی سے پھولے　　غلمان لیئے ہار حور گجرے

خاکہ ہے زمین میں آسمان کا
نقشہ ہی مکان میں لامکان کا

گویا اُتر آئے ہیں زمین پر
مینا بازار چرخ اخضر

ناگاہ بجلوہ عبارت
پیدا ہوئی غیب سے بشارت

یہ صبح سعادتِ جہان ہے
نوروز بہارِ جاودان ہے

نازل ہے زمین پہ کبریائی
بندے کے لباس میں خدائی

اِس وقت دیارمیں عرب کے
مطلع سے تجلیّات رب کے

برج شرفِ قریشیان مین
اور ہاشمیون کے خاندان مین

کعبے کی زمین نامور سے
اور عبدالمطلب کے گھر سے

اِسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا

پیدا ہوئے سرورِ دوعالم
پیدا ہوئے فخرِ نوح و آدم

محبوبِ خدا نبی مرسل
صبح و مین روز اوّل

مقصود ازل اجل و اعلیٰ
منظورِ حضورِ حق تعالیٰ

عین عرفان و مردمِ عین
ابروئے جبین قاب قوسین

جان و دل مرسلین محمدؐ
روح روح الامین محمدؐ

کیفیتِ وجد مین ہوا اب ذوق
کہتا ہے خطیب خامۂ شوق

ہے ذکرِ ولادتِ پیمبرؐ
اعلیٰ و اولےٰ اہم و اکبر

چراغِ کعبہ کا نمونہ

جبرئیلؑ

عنانِ کرم کے در منثور قرآن شرف کی سورۂ نور
مانندِ دوا زمین پہ نازل مانندِ دعا سپہر منزل
منشور اوامر و نواہی عنوانِ صحیفۂ الٰہی
وارد ہوئے ابر سان زمین پر ساتھ اون کے بُراقِ برق پیکر

بُراق

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل کھیت اوس کا بہشت خلد جنگل
مہ پارہ فلک سے آنے والا اطلس کو کتان بنانے والا
یون چرخ سے نکلے وہ سُبک رو فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم سیپی سے گہر حباب سے دم
گلشن سے بہار جسم سے جان آنکھون سے نیند دل سے ارمان

ورود

حاضر ہوئے اوسکے آستان پر جس کا کہ مکان ہے لامکان پر
محبوب خدائے انس و جان کا مقصود رموز کُن فکان کا
ہاشم کی کلاہ مین گلِ تر دامن مین قریشیون کے گوہر

امکان کے گہر کا ابر نیسان
دریائے قدم کا شاخِ مرجان
صانع کے قلم کا رنگ ایجاد
بندون کے چمن کا سرو آزاد
ایمان کی سند کا نقشِ خاتم
عرفان کے نگین کا اسمِ اعظم
لاہوت مقام عرش مسند
شاہنشہ انبیا محمدؐ

بیداری

آداب سے آپ کو اٹھایا
یا اپنے نصیب کو جگایا
بیدار ہوئی جو چشمِ حق بین
آہو ہوئی شکل خواب شیرین
دیکھا کہ عجیب ماجرا ہے
گھر برجِ قمر بنا ہوا ہے
انشائے رموز غیب مخبر
ہونے کا نہین یہ دن کبھی پھر
سونا کبھی ہو نہ جگانا
لیتا رہے کروٹین زمانا
طالع ہین نہین یہ شب کسی کے
اختر سو بار سو کے جاگے
ہوگی نہ یہ پھر زمین کی توقیر
مٹی ہو ہزار بار اکسیر
انوار کا ہے ورود پیہم
تارون کی برس رہی ہے شبنم
جبریل ہین اور براق بھی ہے
قاصد بھی ہے اشتیاق بھی ہے

سیر مقام اعلیٰ

زیرِ قدمِ جناب والا
اعلیٰ سے تھا جو مقام اعلیٰ
دِل کی تگ و دو تھی دم سے آگے
سر چار قدم قدم سے آگے

چمکا ہوا ایمنِ تجلّی | پھیلا ہوا دامنِ تجلی
وحدت کا کھُلا ہوا وہ ناکا | جس مین نہین دخل ماسوا کا
وارفتہ خیال جست وجو کے | چھاپے لیئے خونِ آرزو کے
اُمید کی تہ نشین سفینے | ٹوٹے ہوئے حوصلے کے زینے
نکلی ہوئی ہمتون کی جانین | اُترہی ہوئی چلّے سے کمانین
جھیلے ہوئے دورباس ادب کی | طوبیٰ و بہشت وعرش وکرسی
جانے کا نہ لے سکین ملک نام | روحون کا پہونچ سکے نہ پیغام
تاثیر دعا کے در سے محروم | کوشش شرفِ اثر سے محروم
اِنسان کی وان تھی کب رسائی | آنکھون مین کشش بٹھا کے لائی
وہ مردمِ چشمِ دین و ایمان | کحل البصر وجوب وامکان
آنکھون کو تلاش جلوۂ رب | کانون مین صدائے نحن اقرب
آیا سوے بزم لی مع اللہ | آئینہ مین جیسے پرتوِ ماہ
پہونچا وہ وہان جہان نہ پہونچے | جبریلؑ کی عقل کے فرشتے
نزدیک خدا حضور پہونچے | اللہ اللہ دور پہونچے

مدیح خیر المرسلین

تشبیب

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل | برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر مین اشنان کرین سرو قدانِ گوکل | جا کے گنگا پہ نہانا بھی ہی اک طول امل
خبر اوڑتی ہوئی آئی ہی مہابن مین ابھی | کہ چلے آتے ہین تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسون نظر آتی ہین گھٹائین کالی | ہند کیا ساری خدائی مین انکا ہی عمل
جانبِ قبلہ ہوئی ہی یورش ابرِ سیاہ | کہین پھر کعبہ مین قبضہ نہ کرین لات و ہبل
ڈہر کا ترساچہ ہی برق لیے جل مین آگ | ابر چوٹی کا برہمن ہی لیے آگ مین جل
ابر پنجاب تلاطم مین ہے اعلیٰ ناظم | برق بنگالہ ظلمت مین گورنر جنرل
نہ کھلا آٹھ پہر مین کبھی دو چار گھڑی | پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
ڈوبنے جاتے ہین گنگا مین بنارس والے | نوجوانون کا سنیچر ہی یہ بڑھوا منگل
شاہدِ کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ | چشم کافر مین لگائے ہوئے کافر کاجل
جوگیا بھیس کیے چرخ لگائے ہی بھبھوت | یا کہ بیراگی ہی پربت پہ بچھائے کمبل
وہ دھوان دھار گھٹا ہی کہ نظر آئے نہ شمع | گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اوسے لیکر مشعل
ابر بھی چل نہین سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے | برق سے رعد یہ کہتا ہی کہ لانا مشعل

غزل

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل | تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
خوب چھایا ہی سرِ گوکل و متھرا بادل | رنگ مین آج کنہیا کے ہی ڈوبا بادل
سطحِ افلاک نظر آتی ہی گنگا جمنی | روپ بجلی کا سنہرا ہے رو پہلا بادل
بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیون | وہ اندھیرا ہی کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل
میری آنکھو مین سماتا نہین یہ جوش و خروش | کسی بیدرد کو دکھلائے کرشما بادل
دل بیتاب کی ۔۔۔ سی چمک ہی بجلی | چشم پر آب کا ہے ایک کرشما بادل

طپش دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی | چشم پر آب کا دھویا ہوا خاکا بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے | میری آنکھوں کا ہی اترا ہوا صدقا بادل
جام عمرِ فلکِ پیر ہوا ہے لبریز | لیئے آتا ہے جنازہ دُیے کاندھا بادل
راجہ اندر ہے پری خانہ مے کا پانی | نغمہ نے کا سر کشن کنھیا بادل
دیکھتا گر کہیں محسن کی فغان و زاری | نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

گریز

روئے معنی ہی بھٹکنے مین بھی اعلی کی طرف | تاکتا ہی تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن | ہاتھ مین جام زحل شیشۂ مہ زیر بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہان جا پاؤن | کہ تصور بھی وہان جا نہ سکے سر کے بھل
یعنی اوس نور کے میدان مین پہونچا کہ جہان | خرمنِ برق تجلی کا لقب ہے بادل
تار باران مسلسل ہی ملائک کا ورود | پیئے تسبیح خداوند جہان عز و جل
گلِ بیرنگیِ مطلق کے لہکتے گلزار | بے نیازی کے ریاحین مہکتے جنگل
باغِ تنزیہہ مین سرسبز نہالِ تشبیہ | انبیا جس کی ہین شاخین عرفا ہین کوپل
گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی | زیب داماں ابد طرۂ دستار ازل

سراپا کے چند بند۔

للّٰہ الحمد شب غم نے اُٹھایا بستر | مرحبا طالع بیدار مبارک ہو سحر
مژدہ اے دل کہ ہوا نورِ خدا پیش نظر | بارک اللہ طبیعت کا ہے رنگ دیگر

گر نہو پاسِ ادب تو مجھے کچھ دعویٰ ہو

سجدہ کرتے ہین ملائک مرا وہ رتبہ ہی

لامکان تک لیئے جاتی ہی مجھے طبع رسا لڑ گیا عرش کے پائے سے سخن کا پایا
ہو رہا ہی صفِ ارواح ہین میرا چرچا خیر مقدم کی چلی آتی ہی ہر سو سے صدا

بزمِ قدسی کا بُلایا ہوا مہمان ہون ہین
ملک آنکھون پہ بٹھاتے ہین وہ انسان ہون مین

آج کس دھوم سے خدّامِ سخن آتے ہین مسندین فکر کی محفل ہین بچھا جاتے ہین
تنگیِ بزمِ جہان دیکھ کے گھبراتے ہین گاؤ تکیہ کرۂ ارض کا اُٹھواتے ہین

جشن کا روز ہے معنی کی شبِ اقدس کا
اور اونچا کرو خیمہ فلکِ اطلس کا

ہم دکھاتے ہین طبیعت سے تماشے کتنے عالمِ نور ہین چھوڑ آئے ہین شوشے کتنے
حل کیئے غنچۂ خورشید سے نُکتے کتنے عقدِ پروین سے لکھے ہم نے معمے کتنے

سادہ کاغذ ورقِ مہرِ درخشان ہی آج
دستِ پُر نور عطا ردین قلمدان ہی آج

تضمین

کنوین جھانکا کرون کنعان کے تو سودا ہی طرہ پر جاون تو ناحق کا بھٹکنا ہی مجھے
خبط ہی گر سر اعجاز مسیحا ہی مجھے سچ تو یہ ہے کہ ترے گھر مین کمی کیا ہی مجھے

حُسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

دورِ سوم

جدید شاعری کا آغاز

اُردو شاعری کا یہ نیا دور اوس وقت سے شروع ہوتا ہی جب پنجاب کے دار السلطنت لاہور مین کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سرشتۂ تعلیم ہو کر آئے اور اون کو اُردو زبان کے اصلاح کی طرف توجہ ہوئی، اس کے لیئے اونھون نے اُردو مین قواعد کی چھوٹی چھوٹی کتابین تیار کرائین، اُردو نثر مین قصے لکھوائے، مضمون نگاری کو ترقی دینے کے واسطے ایک سرکاری اخبار نکالا اور ایک مشاعرے کی بنیاد ڈالی،

اِس مشاعرہ مین بجائے مصرعہ طرح کے عنوان مضمون دیا جاتا تھا تاکہ عاشقانہ خیالات کی جگہ پر مناظر قدرت اور جذبات اِنسانی کے خاکے کھینچے جائین، سب سے پہلے مولوی محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی نے جو اُردو شاعری مین ذوق وغالب کی یادگار تھے اور حُسن اتفاق سے ان کا تعلق سرشتۂ تعلیم سے تھا بطور نمونے کے چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین،

کوئی طرز بھی ہو اوّل اوّل اوس مین کمزوریان ہوتی ہین، لیکن رفتہ رفتہ اوس مین تراش خراش ہوتی ہی، اور وہ حُسن کے سانچے مین ڈھل جاتا ہی یہی حالت اِس طرز کی بھی ہوئی، پہلے پہل اخبارون مین غل شور برپا ہوا، پھبتیان اوڑائی گئین اور کمزوریون کو خوب نمایان کر کر کے دکھایا گیا، مگر اب آندھی کل گئی ہے اور یہ طرز اتنا مقبول ہو گیا ہی کہ کہن سال اور کہنہ مشق شاعر جن کی ساری عمر

گل و بلبل کی داستان سرائی مین بسر ہوئی تھی اسی طرز پر اُتر آئے ہین،

مولوی محمد حسین آزاد

مولوی محمد حسین خلف مولوی باقر علی، آزاد تخلص، دلّی کے رہنے والے اور قوم کے مغل تھے، شمالی ہندوستان مین اُردو اخبار پہلے پہل مولوی باقر علی کے قلم سے نکلا ہے،

مولوی باقر علی کا بچپن سے شیخ محمد ابراہیم ذوق سے یارانہ تھا اوس زمانے کی یاری رشتے اور ناطے سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتی تھی اِس لحاظ سے اُستاد ذوق آزاد کو اپنا بھتیجہ سمجھتے تھے انھین کے سایۂ عاطفت مین آزاد نے تعلیم و تربیت پائی اور اونکے مرنے کے بعد حکیم آغا جان عیش[۱] کے فیض صحبت سے فائدہ اُٹھایا،

---

[۱] خاندانی طبیب تھے اور شاہی دربار سے تعلق تھا آزاد کہتے ہیں کہ زیور علم و لباس کمال سے آراستہ صاحب اخلاق خوش مزاج شیرین کلام شگفتہ صورت، جب دیکھو یہی معلوم ہوتا تھا کہ مسکرا رہے ہیں، ساتھ اس کے شعر کا عشق تھا، طبیعت ایسی ظریف و لطیف اور لطیفہ سنج پائی تھی کہ جسے شاعری کی جان کہتے ہین غزل صفائی کلام شوخی مضامین اور حسن محاورہ سے بھی لو ان کی جھڑی ہوتی تھی اور گویا لطائف و ظرائف کی پھلجھڑی،

آزاد نے ان کو پہلے پہل اُستاد ذوق کے ساتھ [illegible] دیکھا تھا، کہتے ہیں کہ اوس وقت کی تصویر اِس وقت آنکھون مین پھر گئی، میانہ قد خوش اندام سر پر ایک اُنگل بال سفید ایسی ہی ڈاڑھی، اِس گوری [illegible] و سفید رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی تھی، گلے مین ململ کا کرتہ جیسے سنبلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے، اُستاد مرحوم [illegible] [illegible] اون کی ملال کشش نے کھینچ کر کئی دفعہ تک مین بھی پہنچایا اب اِس رتونکو (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

غدر کے ہنگامے مین آزاد کا گھر بار لٹ گیا، باپ شہید ہوئے اور اُستاد کی عمر بھر کی کمائی جس کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتے تھے برباد ہو گئی، کچھ دنون پریشان حالی مین اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے آخر کار لاہور پہونچے اور سررشتۂ تعلیم مین پندرہ ماہوار کی اسامی ملگئی اس پر مدتون پڑے رہے رفتہ رفتہ پچھتر روپیہ ہوگئے، پھر اور کچھ بڑھ گئے اور اِن کو موقع ملا کہ یہ اپنی کارگزاری کے جوہر دکھائین، اوس وقت گورنمنٹ کو بھی اُردو کے نشو و نما و ترقی کی فکر تھی اِن کو اِس سے خاص طرح کا لگاؤ تھا، انجمن پنجاب مین مشاعرہ کی بنیاد ڈالی گئی اور بجائے طرح کے مصرع کے مضمون کا عنوان دینا قرار پایا اِنھون نے نمونے کے طور پر کئی نظمین لکھین اور مقبول ہوئین،

اِسی اثنا مین تعلیمی کامون کے علاوہ ملکی کامون مین بھی اِن کو شریک کیا گیا ایک مرتبہ کسی سرکاری کام پر کلکتہ بھیجے گئے، کچھ دنون کے بعد پنڈت من پھول میر منشی گورنمنٹ پنجاب کے ہمراہ کابل و بخارا کا سفر کیا پھر ایران گئے،

کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم نے قصص ہند کا دوسرا حصہ اِن سے لکھوایا اوس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آنکھین ترستی ہین اور ہین باتین، غدر کے کچھ دنون بعد دنیا سے انتقال کیا، افسوس ہے کہ آزاد نے اِن کے دو شعر بھی نہین لکھے،

سب سے زیادہ حیرت یہ ہی کہ نواب مصطفی خان مرحوم نے گلشن بیخار مین اِنکا ذکر بھی نہین کیا، دو شعر صحن شعرا سے اور ایک آبحیات سے نقل کرتا ہون،

کہتا ہی کوئی شعلۂ جوالہ کوئی برق	اس دل پہ گمان لوگون کا کیا کیا نہین ہوتا

اک رنگ کا بل ہو تو کہون سینکڑون بل ہین	پیشانی سے ابرو تک ابرو سے کمر تک

اوس کے بعد اونھون نے خود اپنی خواہش سے نیرنگ خیال کے دو حصے تالیف کیے اور اوس مین انگریزی طریقہ کی مضمون نویسی کا چربہ اُتارا،

سب سے بہتر اور عمدہ تصنیف اِن کی آبحیات ہی جو اُردو زبان اور ریختہ شعر کی تاریخ مین پہلی کتاب اور اُردو انشاپردازی کا بہترین کارنامہ ہی عبارت کی بیساختگی اور برجستگی اور اوس مین شاعرانہ تخئیل استعارون کی دلفریبی کے ساتھ ایسی چیز ہی جس پر غزلون کے سینکڑون دیوان قربان کر دینے کے قابل ہین،

اس کتاب کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہی کہ جو غلط اور نادرست روایتین مصنف کے جادو نگار قلم نے لکھدیے ہین وہ آج اُردو کی انشاپردازی کے قالب مین روح کی طرح سے پیوست ہو گئی ہین اور ضرب المثل کی طرح زبانون پر چڑھ گئی ہین، جس طرح سے اقلیدس کے اُصول موضوعہ بے چون وچرا مانے جاتے ہین اوسی طرح سے اونکو بے تکلف کام مین لایا جاتا ہی،

آزاد کی ایک اور تصنیف دربار اکبری ہی جو اوسی قلم کی کشش کا نتیجہ ہی، جس نے آبحیات لکھی تھی، فرق اتنا ہی کہ اوس کے مسودے کو وہ خود صاف نہین کر سکے، یکایک دماغ بگڑ گیا اور اون کے شاگردون نے اوس کو مرتب کر کے شائع کر دیا،

ایک اور تصنیف اون کی سخندان فارس ہی جو ایران سے لوٹ کر لکھی تھی، علاوہ اِن کتابون کے مجموعۂ نظم اُردو، قواعد اُردو، اور چھوٹی چھوٹی درسی کتابین ہین جو سررشتۂ تعلیم کے تعلق سے لکھی تھین،

اخیر زمانہ مین پچھتر روپیہ ماہوار کی پنشن ہو گئی تھی، مگر دماغ کے بگڑ جانے سے یہ کام کے نہین رہے تھے، ۱۳۲۸ھ مین وفات پائی،

صنم ہے گردشِ عالم نگاہِ مہر سے تیرے | اگر تو مہربان ہوتا تو عالم مہربان ہوتا

سر اپنا کاٹ کے پھینک آیا کوئے قاتل مین | یہ بوجھ تھا مری گردن پہ سو اُتار آیا

جوان معرکۂ حسن و عشق تھا آزاد | چلا نہ دل پہ جو قابو تو جان ہار آیا

ادھر بھی چشمِ عنایات ہو ذرا ساقی | کہ مست دیر سے امیدوار بیٹھے ہین
کمان ابروئے جانان کے دل سے ہون قربان | کہ جتنے تیر ہین سینے کے پار بیٹھے ہین

آفرین ہمت کو اوسکے دل کی جس نے عشق مین | جان تک پیاری نہ کی ایسا جگر والا تو ہو
ناخنِ خار آکے خود کر دے گا تیرا عقدہ وا | پہلے پائے شوق مین پیدا کوئی چھالا تو ہو

پوچھتا حالت ہو کیا مرے دلِ ناشاد کی | آہ کی ہمت نہین طاقت نہین فریاد کی

دیکھنا قید تعلق مین نہ آنا آزاد | دام آتے ہین نظر سبحہ و زنار مجھے

سُنے گا دیکھنا رو رو کے آواز اک جہان میری | تمہارے عشق کی ہو داستان اور ہو زبان میری
تقاضا ہو گریبان کا کہ مجھکو چاک کر ڈالو | تمنا ہو یہ دامن کی اُڑا دو دھجیان میری

از مثنوی شب قدر

اے رات تیرے وصف کہانتک رقم کرون | اور اتنی روشنائی کہان سے بہم کرون
وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر | بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر
کھولے ہوئے شفق کانشان زرق برق سے | رکھکر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے
اوس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے | سکہ ہی اب ستارون پہ اور تیرا نام ہے
محنت ثمر تھا اِس کا تو راحت تھا پھل ترا | چاندی تھا اوسکا حکم تو سونا عمل ترا

از مثنوی ابر کرم

چلنا وہ بادلون کا زمین چوم چوم کر | اور اٹھنا آسمان کی طرف جھوم جھوم کر
بجلی کو دیکھو آتی ہی کیا کوندتی ہوئی | سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
آتی اِدھر صبا ہی اودھر ہے نسیم بھی | اور اون کے ساتھ ساتھ ہی آتی شمیم بھی
مستی مین جھومنا وہ جوانانِ باغ کا | جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا
سبزے کے عکس سے در و دیوار سبز سبز | سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز
جھولون مین نوجوان ہین نگین چڑھا رہے | اور پ آم کے مین پپیہے بجا رہے
ساون کے گیت اٹھا رہے طوفان لونمین ہین | پردیسیوں کی یاد ا ران دلونمین ہین

ہر تان مین ملہار کی مستی کا شور ہے
بادل گرج کے پردے مین دیتا ٹکور ہے

خواجہ الطاف حسین حالی

مولوی الطاف حسین خلف خواجہ ایزد بخش پانی پتی امروز در دلی است در بیعت حضرت

شیفتہ جیلے سر بردہ مرزا غالب را فرد ہیدہ یادگار است در بعز سرائے نادرہ گفتار اعطور کلیم

مولانا الطاف حسین حالی اِس زمانہ کے مسلم الثبوت شاعرون مین شمار کیے جاتے

تھے، اون کی نظمین ہندوستان مین بچہ بچہ کی زبان پر ہین، اون کی ولادت پانی پت مین

۱۲۵۳ھ کو ہوئی، دادھیال اونکا انصاری اور ننھیال سادات کے ایک معزز گھرانے

مین تھا،

ولادت کے بعد اون کی والدہ کا دماغ مختل ہوگیا جب نو سال کے ہوئے تو

والد نے رحلت کی اِس وجہ سے تعلیم و تربیت کا جیسا انتظام ہونا چاہیئے تھا و ان کو

یسر نہین ہوا، قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد اپنے شوق سے سید جعفر علی سے کچھ فارسی

پڑھی اوس کے بعد مولوی ابراہیم حسین انصاری سے جو شیعون مین ایک جیّد عالم تھے

عربی شروع کی ابھی اچھی طرح کتابین نکلی نہ تھین کہ اون کے سرپرستون نے مجبور کرکے

شادی کردی، اوس وقت ان کا سن سترہ سال کا تھا، شادی کے بعد یہ روپوش

ہوکر دلّی چلے گئے،

دلی مین مولوی نوازش علی مرحوم سے صرف و نحو اور منطق کی کتابین پڑہین،

عربی مین اچھی طرح استعداد نہ ہونے پائی تھی کہ اہلِ وطن نے ان کو پانی پت بُلا لیا، یہ

وطن مین تھے کہ ہندوستان مین غدر ۱۸۵۷ء کا محشر خیز ہنگامہ برپا ہوگیا، اور چھ سات

برس تک اِن کو نکلنے کا موقع نہ مِلا تاہم کچھ نہ کچھ کرتے رہے، مولوی محب اللہ مولوی

قلندر علی اور مولوی عبد الرحمن محدث سے بغیر ترتیب و انتظام سے کبھی منطق و فلسفہ کی کتابین پڑہین کبھی حدیث و تفسیر کا درس لیا جب یہ لوگ باہر چلے جاتے تو شروح و حواشی کی مدد سے ادب کی کتابین بطور خود مطالعہ کرتے رہتے تھے،

جس زمانہ مین دلی مین تحصیل علم کے لیئے ٹھہرے ہوئے تھے، اون کو اکثر مرزا غالب کے پاس جانے کا اتفاق ہوتا تھا، اون کے اُردو فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ مین نہ آتے تھے اون کے معنی اون سے پوچھا کرتے تھے، اُسی زمانہ مین مرزا نے اپنے فارسی کے دیوان کے چند قصیدے بھی اِن کو پڑہا دیے تھے، مرزا غالب کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والون کو اکثر فکر شعر سے منع کرتے تھے، انھون نے جو ایک دو اُردو یا فارسی کی غزلین لکھکر مرزا کو دکھائین تو اونھون نے کہا کہ مین اگرچہ کسی کو شعر کہنے کی صلاح نہین دیتا، مگر تمھاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہوگے تو اپنی طبیعت پر ظلم کروگے، مگر دلی مین اِن کو ایک دو غزل سے زیادہ کہنے کا اتفاق نہین ہوا،

غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت مین اِن کو بیکار رہتے گزر گیئے اور فکر معاش نے انھین وطن سے باہر جانے پر مجبور کردیا تو حُسن اتفاق سے نواب مصطفی خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد سے شناسائی ہوگئی، اور اون کی مصاحبت مین رہنے کا موقع مِل گیا، نواب مرحوم جس درجہ کے شاعر تھے اوس سے کہین زیادہ اونکا مذاق شاعری تھا، حکیم مومن خان کے بعد وہ اپنا کلام مرزا غالب کو دکھاتے تھے،

یہ جب اون کے پاس پہونچے تو اونکا پُرانا شوق شعر و سخن کا جو ایک مدت سے افسردہ ہو رہا تھا تازہ ہوگیا، اونھوں نے متعدد غزلین اُردو و فارسی کی لکھین اور جس طرح نواب مرحوم اپنا کلام جہانگیر آباد سے دلی مرزا کے پاس بھیجتے تھے انھون نے بھی بھیجین،

مرزا کی اصلاح نے اِن کی طبیعت پر اتنا اثر نہین کیا جتنا کہ نواب مرحوم کے فیض صحبت سے یہ متاثر ہوئے، نواب مرحوم مبالغہ کو ناپسند کرتے اور حقائق و واقعات کے بیان مین لطف پیدا کرنے اور سچی باتون کو محض حُسن بیان سے دلفریب بنانے کو نتہائے کمال سمجھتے تھے چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب کو یکسان نفرت تھی، اِن کی شاعری نے نواب مرحوم کے دامن تربیت مین پرورش پائی اور اون کی صحبت مین رہ کر ایک خاص مذاق ان کی طبیعت مین پیدا ہو گیا جس پر اونھون نے آگے چلکر جدید شاعری کی بنیاد ڈالی،

گورنمنٹ بک ڈپو کی ملازمت مین جبکہ اِن کو انگریزی سے اردو مین ترجمہ کی ہوئی کتابین درست کرنی پڑتی تھین تو رفتہ رفتہ اِن کو انگریزی خیالات اردو انگریزی طرز ادا سے ایک خاص مناسبت پیدا ہو گئی، اور مشرقی شاعری اور مشرقی نشا کے فضول حصون کی وقعت اِن کے دل مین کم ہوتی گئی،

جب کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر صیغۂ تعلیمات کے ایما سے لاہور مین ایک نئے قسم کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی گئی جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستان مین پہلا مشاعرہ تھا اور جس مین بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعرون کو دیا جاتا تھا، مولانا حالی نے چار مثنویان لکھکر اِس مشاعرہ مین پڑھی تھین، (۱) برکھارُت، (۲) نشاط اُمید (۳) مناظرۂ رحم و انصاف، (۴) حُبِ وطن، یہ مثنویان بہت مقبول ہوئین اور بار بار چھپکر شائع ہوئین،

اینگلو عربک اِسکول کی مدرسی کے زمانہ مین بھی کئی نظمین اُسی طرز کی لکھین جسکی تحریک لاہور کے مشاعرے مین ہوئی تھی، اسی زمانہ مین سر سید احمد خان مرحوم نے

اِن کو ترغیب دلائی کہ مسلمانون کے موجودہ تنزل اور پستی کی حالت اگر نظم مین بیان کیجائے تو بہت مفید ہوگی، انھون نے اون کی تحریک پر مسدس مدوجزرِ اسلام لکھا جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہی اور جس کے اشعار ہر شخص کی زبان پر ہین اور ہر قومی مجلس مین پڑھا جاتا ہی،

آخر عمر مین ایک حصہ اپنے عربی کلام کا شائع کیا ہی، اُردو کا دیوان انھون نے مرتب کیا ہی اور اُردو شاعری پر سوا دسو صفحہ کا ایک بسوط مقدمہ لکھکر اوس مین شامل کردیا ہی، جو دیکھنے کے قابل ہی اور اُردو زبان مین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نئی چیز ہی اوس سے مولانا کے مذاق شاعری کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہی،

اون کی مشہور تصنیف حیات سعدی ہی، جس مین شیخ سعدی شیرازی کے حالات زندگی لکھے ہین اور اون کی نظم ونثر پر نہایت عمدگی اور خوبی سے تنقید کی ہی،

ایک کتاب یادگارِ غالب ہی اس مین مرزا اوستہ کے حالات زندگی تفصیل سے لکھی ہین اور اون کے فارسی واُردو اشعار کا انتخاب بھی شامل کردیا ہی،

ایک کتاب حیات جاوید ہی جس کی ضخامت ہزار صفحہ سے زیادہ ہی، اس مین انھون نے سرسید مرحوم کے حالات زندگی لکھے ہین اور اون کی تمام حیثیتون پر مورخانہ وفلسفیانہ بحث کی ہی،

علاوہ اِن کتابون کے اور بھی اون کی تصنیفات ہین جن مین سے کچھ شائع ہوئین اور اب ملتی نہین اور کچھ اب تک شائع نہیں ہوئین،

بہرحال مولانا حالی اس زمانہ کے اون مشہور لوگون مین تھے جنھون نے پرانے مدرسہ مین تعلیم پاکر ایسے کارنمایان کئے ہین کی مثال تعلیم جدید ابتک نہین پیدا کرسکی،

۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ کو مولانا نے وفات پائی،

یارب طلبِ وصل ہو یا ہو طربِ وصل — جس دن کہ یہ دونون نہون وہ دن نہ دکھانا

عِشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید — خود بخود دِل مین ہے اک شخص سمایا جاتا

مِلتے ہی اون کے بھول گئین کلفتین تمام — گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجران سے کم نہ تھا — کچھ صبح ہی سے شامِ الم کا ظہور تھا

تعزیرِ جرمِ عِشق ہے بے صرفہ محتسب — بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یان سزا کے بعد

دِل سے خوشیان سب ہوئی ہین گوشہ گیر — نام تھا شاید جوانی کا نشاط
غنچہ چٹکا اور آپہونچی خزان — فصلِ گل کی تھی فقط اتنی بساط

رہا ہون رند بھی اے شیخ پارسا بھی ہین — مری نگاہ مین ہین رند و پارسا اک ایک

اب بھاگتے ہین سایۂ زلفِ بتان سے ہم — کچھ دِل سے ہین ڈرے ہوئے کچھ آسمان سے ہم

ہم جس پہ مر رہے ہین وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم مین تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہان

بیقراری تھی سب اُمیدِ ملاقات کے ساتھ ‏ ‏ ‏ ‏ اب وہ اگلی سی درازیِ شبِ ہجران مین نہین

مین تو ہین غیر کو مرنے سے اب اِنکار نہین ‏ ‏ ‏ ‏ اِک قیامت ہی ترے ہاتھ مین تلوار نہین

یارانِ تیزگام نے محمل کو جا لیا ‏ ‏ ‏ ‏ ہم محوِ نالۂ جرسِ کاروان رہے

چارہ گر کار باندازۂ تدبیر نہین ‏ ‏ ‏ ‏ کیجیو ہمت اگر وقت دعا یاد رہے

سخت مشکل ہی شیوۂ تسلیم ‏ ‏ ‏ ‏ ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

ہی کچھ اِک باقی خلش اُمید کی ‏ ‏ ‏ ‏ یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیئے

ترک دنیا کے علائق تو کیے سب زاہد ‏ ‏ ‏ ‏ گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اور سہی

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر،

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف ‏ ‏ ‏ ‏ طبع رنگین تھی مئے عشق کی جب متوالی
اپنی رو داد بھی جو عشق کا کرتے تھے بیان ‏ ‏ ‏ ‏ جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ اُلفت ہی نہ چاہت نہ جوانی کی اُمنگ ‏ ‏ ‏ ‏ سر ہی سودا سے تہی عشق سے دل ہی خالی
گر غزل لکھیئے تو کیا لکھیئے غزل مین آخر ‏ ‏ ‏ ‏ نہ رہی چیز وہ مضمون سجھانے والی

آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بےلطف
گرچہ ہون لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی

ہان مگر کیجیۓ کچھ عشق کا غیرون کے بیان
لائیے باغ سے اورون کے لگا کر ڈالی

کھینچیۓ وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر
کیجیۓ درد جدائی کی کبھی نقالی

تاکہ بھڑکائے جوانون کے دل آتش کی طرح
وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہی خالی

پر یہ ڈر ہی کہین اپنی بھی وہی ہو نہ مثل
قحبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دون ہمارے بس مین ہے
گر کبھی حملہ پہ اوسکے نالب جاتے تھے ہم

پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیان تھین نفس کی
جن کو نادانی سے حملے اوس کے ٹھہراتے تھے ہم

جب کیا حملہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

قوم کی پاس داری

اِک مسلمان خاص انگریزون پہ تھا یون نکتہ چین
پاس اِن لوگون کو اپنی قوم کا ہی کس قدر

چاہتے ہین نفع ہو پہنچے اپنے اہلِ ملک کو
گو کہ اون کے نفع مین ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا یہ ہی راجس کے کبھی چاقو نہ لین
اوسکا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر

خور و نی چیز جو یہان سے لینی پڑتی ہین اونھین
اُنکو لندن سے منگائین بس چلے اِن کا اگر

الغرض اہلِ وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
جانتے ہین دین و ایمان اپنا قصہ مختصر

سُن کے حالی نے کہا ہی حصر انگریزون پہ کیا
ایک سے ہی ایک قوم اِس عیب سے آلودہ تر

ہین محبت مین سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
یہ وہ خصلت ہی کہ مجبول اس پہ ہی طبعِ بشر

انکھیان جبتی نگلجاتے ہین پاسِ قوم مین
اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر

ہان بری اِس عیب سے لے دے کے اس دنیا مین ہے
چشم بد دور امت مرحوم اے جانِ پدر

اور قومون سے انھین لوگون ہی یہ امتیاز
حملہ جب کرتے ہین یہ کرتے ہین اپنی قوم پر

ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یہان
جسقدر ہی ان سے اپنون اور یگانون کو خطر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر
یارون سے کہا پیر مغان نے ہنسکر

باقی نہ رہے گا کوئی انسان مین عیب
ہوجائینگے پھل پھلا کے سب عیب ہنر

توقع بیجا

ہین یار رفیق پر مصیبت مین نہین
ساتھی ہین عزیز لیک ذلت مین نہین

اس بات کی انسان سے توقع ہی عیب
جو نوع بشر کی خو و جبلت مین نہین

کام کرنا جان کے ساتھ ہی

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لئے
بنتی نہین زندگی مین بے کام کیئے

جیتے ہو تو کچھ کیجیئے زندون کی طرح
مُردون کی طرح جیئے تو کیا خاک جیئے

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے جا را
پر تجھ سے بگڑنے کا نہین ہی یارا

ہوجائے گر ایک تو ہمارا ساتھی
پھر غم نہین پھر جائے زمانہ سارا

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر
مواج ہے بحر رکھو کشتی کی خبر

گاہک چوکس ہے لیچلو مال کھرا
ہلکا کرو بوجھ سخت کٹھن راہ گذر

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی

محمد اسمٰعیل[1] نام، وطن میرٹھ تھا، ۱۲ر نومبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے، ۱۶ سال کا سن تھا، کہ سررشتۂ تعلیم کی ملازمت اختیار کی،

پہلے سررشتۂ تعلیم کے دفتر مین ملازم رہے، اِس کے بعد اسکول مین ہیڈ مولوی کے عہدے پر مامور ہوئے، اوّل سہارنپور پھر میرٹھ مین مدت تک رہ کر ۱۸۸۸ء مین سنٹرل نارمل اسکول آگرہ کو تبدیل ہو گئے، چنانچہ اُردو ریڈرون کی تصنیف قیام آگرہ کے زمانہ مین ۱۸۹۳ء کے درمیان کی، تقریبًا ۱۲ سال آگرہ مین مدرس فارسی کے عہدہ پر مامور رہ کر ۱۸۹۹ء مین پنشن پائی، اور اپنے وطن مالوف میرٹھ مین واپس آکر قیام اختیار کیا،

اِن کو تصوف کا بھی ذوق تھا، اور حضرت غوث علی شاہ قدس سرہٗ العزیز پانی پتی کے مریدان خاص مین تھے،

اُردو زبان کی نظم اور نثر مین خواہ وہ عاشقانہ رنگ مین ہو یا تمدنی و اخلاقی و سیاسی ہو قدیم و جدید ہر ایک طرز مین بلند پایہ رکھتے تھے، اور بقول مولانا شبلی کے جدید رنگ مین مولانا حالی کے بعد اگر کِسی نے سننے کے لایق کچھ کہا ہے تو وہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی تھے،

مرحوم کا یہ بھی قصد تھا کہ لغات اُردو کی ترتیب اور قواعد اُردو کی تکمیل

---

[1] مرحوم مصنف نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا حال لکھنے کے لیئے بیاض چھوڑ دی تھی، مین نے اتنا حال لکھکر بڑھا دیا ہے، یہ حالات بیام الدین صاحب میرٹھی نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کی وفات کے بعد دو مضمون میں لکھکر شائع کیئے تھے، سید سلیمان ندوی

جدید طرز پر اپنے خیالات مین کر جا ٔ ین، چنانچہ اون کے مسودات محفوظ ہین، اور اون کے جانشینون سے اُمید ہی کہ اوس کی تدوین و اشاعت کرکے پبلک کو مستفید کرینگے،

اون کی آخری علمی خدمت یہ تھی کہ نواب محمد اسحق خان صاحب آنریری سکرٹری ایم اے او کالج علی گڈھ کی فرمایش سے حضرت امیر خسرو کے کلام کی تنقید اور اون کی سوانح عمری نہایت مدلل طور پر مستند کتب و تواریخ وغیرہ سے مرتب کر رہے تھے، اور تنقید مثنوی قرآن السعدین منجملہ اِس کے مکمل ہو چکی تھی، اور کچھ حصہ کتب مذکورہ کا مرحوم کے ناگہانی حادثہ کی وجہ سے نامکمل رہ گیا،

پچھتّر سال کی عمر مین یکم نومبر ۱۹۱۷ء کو اپنے وطن مین وفات پائی، اور وہین مدفون ہوئے،

کلیات اِن کا چھپ چکا ہی اور سررشتۂ تعلیم کے تعلق سے اُردو ریڈرین اِن کی اسکولون مین بسبب کمال سادگی اور سلاست کے مقبول ہو چکی ہین، ان سے بہتر درسی کتابین گورنمنٹ کا سررشتۂ تعلیم آج تک نہین لکھوا سکا،

نظم بے قافیہ کی بیرنگی کو اردو زبان مین گوارا اور پسندیدہ کرنا انھین کا کام ہے،

انھون نے غزلین بھی لکھی ہین اور وہ کلیات مین موجود ہین جو بلحاظ متانت بیان و پختگی الفاظ کے وہی انداز رکھتی ہین جو دیگر اساتذہ کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہی،

کھولا ہی بھید بہتر حقیقت مجاز نے | یہ پختگی صلہ ہے خیالاتِ خام کا
ہین بے قرار منزلِ مقصود بے نشان | رستہ کی انتہا نہ ٹھکانا مقام کا

وصل و فراق وہم سہی دل لگی تو ہے | پھر ہم کہان جو پردۂ رازِ نہان اُٹھا

اب اور ڈھونڈھیے کوئی جولانگہ جنون | صحرا بقدر وسعت یک گام ہو گیا

سب جتایا کیے نیاز قدیم | وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا
کیا کھلے جو کبھی نہ تھا پنہان | کیون ملے جو کبھی جدا نہ ہوا
تو نہ ہو یہ تو ہو نہین سکتا | میرا کیا تھا ہوا ہوا نہ ہوا

ہی اشک و آہ راس ہمارے مزاج کو | یعنے پلے ہوئے اسی آب و ہوا کے ہین
ان بد دلون نے عشق کو بدنام کر دیا | جو مرتکب شکایت جور و جفا کے ہین

تو ہی نہین ہی رمز محبت سے آشنا | ورنہ دیار حسن مین رسم ستم نہین

خود فروشی حسن کو جب سے ہوئی مد نظر | نرخ دل بھی گھٹ گیا جانین بھی ارزان ہو گئین

کچھ لم ہی جو کرتے ہین کرم حضرت ناصح | تھے ورنہ مرے ایسے ہوا خواہ کہان کے

رہ گئی تیرے سوا شاید تمنا اور بھی | کچھ کھٹکتے ہین ابھی پہلوے دل مین خار سے

بتلا دیا ہے راہ فنا نے مجھے پتا | دنیا بھی اک مقام سر رہگذر مین ہے
چل شاد راہ دل مین اڑا توسن طلب | وحشت کا جوش چاہیے صحرا بھی گھر مین ہے

کشودِ کار سے تسکینِ دل کبھی نہ ہوئی
عجب نشاط تھی جو ترکِ مدعا نے دی

کوئی دن کا آب و دانہ اور ہی
پھر چمن اور آشیانہ اور ہی

ہان دلِ بیتاب چندے انتظار
امن و راحت کا ٹھکانا اور ہی

شمع بیکی رات کم محفل اُداس
اب مغنی کا ترانہ اور ہی

اتفاقی ہے یہان کا ارتباط
سب ہین بیگانے یگانہ اور ہی

راحت جسے کہتے ہین وہ محنت کا صلہ ہی
راحت طلبی وجہِ راحت نہین ہوتی

بااین ہمہ درماندگی انسان کے یہ دعوی
کیا ذاتِ شریف اِن کو بنایا ہی خدا نے

ہی آج رُخ ہوا کا موافق تو چل نکل
کل کی کسے خبر ہے کدھر کی ہوا چلے

برسات

وہ دیکھو اُٹھی کالی کالی گھٹا
ہے چارون طرف چھانے والی گھٹا

گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی
ہوا مین بھی اِک سنسناہٹ ہوئی

گھٹا آن کر منہ جو برسا گئی
تو بےجان مٹی مین جان آگئی

زمین سبزے سے لہلہانے لگی
کِسانون کی محنت ٹھکانے لگی

جڑی بوٹیان پیڑ آئے نکل
عجب بیل بوٹے عجب پھول پھل

ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہی
ہر اک پھول کا اِک نیا رنگ ہی

یہ دو دن مین کیا ماجرا ہو گیا
کہ جنگل کا جنگل ھرا ہو گیا

جہان کل تھا میدان چٹیل پڑا
وہان آج ہے گھاس کا بن کھڑا

ہزارون پھُدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

بارش کا پہلا قطرہ

گھنگھور گھٹا تُلی کھڑی تھی
پر بوند ابھی نہین پڑی تھی

ہر قطرہ کے دِل مین تھا یہ خطرہ
ناچیز ہون مین غریب قطرہ

تر مجھ سے کسی کا لب نہ ہوگا
مین اور کے کون نہ آپ جوگا

کیا کھیت کی مین بجھاؤن گا پیاس
اپنا ہی کرونگا ستّیا ناس

آتی ہے برسنے سے مجھے شرم
مٹی پتھر تمام ہین گرم

خالی ہاتھون سے کیا سخاوت
پھیکی باتو نین کیا حلاوت

کس برتے پہ مین کرون دلیری
مین کون ہون کیا بساط میری

ہر قطرہ کے دِل مین تھا یہی غم
سرگوشیان ہو رہی تھین باہم

کھچڑی سی گھٹا مین پک رہی تھی
کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی

اِک قطرہ کہ تھا بڑا دِلاور
ہمّت کے محیط کا شناور

فیّاض وجواد و نیک نیّت
پھڑکی اوس کی رگِ حمیّت

بولا للکار کر اِدھر آؤ
میرے پیچھے قدم بڑھاؤ

کر گزُرو جو ہو سکے کچھ احسان
ڈالو مُردہ زمین مین جان

یارو یہ ہیچر مچر کہان تک	اپنی سی کرو بنے جہان تک
ملکر جو کروگے جانفشانی	میدان پہ پھیر دیگے پانی
کہتا ہون یہ سب سے برملا مین	آتے ہو تو آؤ لو چلا مین
یہ کہہ کے وہ ہو گیا روانہ	دشوار ہے تن پہ کھیل جانا
ہرچند کہ تھا وہ بے بضاعت	کی اوس نے مگر بڑی شجاعت
دیکھی جرأت جو اوس سخی کی	دو چار نے اوسکی پیروی کی
پھر ایک کے بعد ایک ٹپکا	قطرہ قطرہ زمین پہ ٹپکا
آخر قطرون کا بندھ گیا تار	بارش لگی ہونے موسلادھار
پانی پانی ہوا بیابان	سیراب ہوئے چمن خیابان
تھی قحط سے پائمال خلقت	اس منہہ سے ہوئی نہال خلقت
جرأت قطرہ کی کرگئی کام	باقی ہے جہان مین آجتک نام

نظم بے قافیہ (تارون بھری رات)

ارے چھوٹے چھوٹے تارو	کہ چمک دمک رہے ہو
تمھین دیکھ کر نہ ہووے	مجھے کس طرح تحیّر
کہ تم اونچے آسمان پر	جو ہے کُل جہان سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے	کہ کسی نے جڑ دیے ہین

گہر اور لعل گویا

جو ہین آفتاب تابان	نے چھپایا اپنا چہرہ
وہین جلوہ گر ہوئے تم	یہ تمھاری جگمگاہٹ

ہی مسافرون کے حق مین	بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی	نہ میسر آتی اون کو
تو غریب جنگلون مین	یون ہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راس وچپ کی	نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشان راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے	وہ اُمید وار دہقان
کہ کھڑی ہی جن کی کھیتی	کہین کھیت کٹ رہا ہے
کہین گہ رہا ہی خرمن	کہین آنکھ اون کی جھپکی
یون ہی شام سے سحر تک	ہین تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہی وان نہ گھنٹہ	نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو	ہو تمہین اُنھین بجھاتے
کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے	ہے وسیع بحر اعظم
اِنھین ہولناک موجون	سے مقابلہ ہی کرنا
کوئی ہے چلا وطن سے	کوئی آرہا ہے واپس
اِنھین کچھ خبر نہین ہے	کہ کدھر ہے اونکی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی	نہ سُراغ راہ کا ہے
نہ کوئی دلیل و رہبر	مگر اے فلک کے تارو
تمھین اون کے رہنما ہو

سید اکبر حسین اکبر

سید اکبر حسین نام، اکبر تخلص، میر تفضل حسین کے بیٹے، الہ آباد وطن، ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء مین بمقام بارہ ضلع الہ آباد پیدا ہوئے، جہان اون کے چچا تحصیلدار تھے، بچپن ہی سے آثارِ ذہانت و فرزانگی اون کے ناصیۂ اقبال پر درخشان تھے،

۱۲۸۴ھ ۱۸۶۷ء مین وکالت درجۂ اولیٰ کا امتحان پاس کیا، ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء مین نائب تحصیلدار مقرر ہوئے، اور ایک سال بعد ہائیکورٹ مین مسل خوان ہو گئے، مگر اون کی ترقی خواہ طبیعت کے لیئے یہ سہارا کافی نہین ہوا، ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء مین ہائیکورٹ کی وکالت مین کامیابی حاصل کی اور چند برسون کے بعد منصف مقرر ہو گئے،

انگریزی بطور خود سیکھی تھی مگر عہدۂ منصفی مین قانونی قابلیت کے ایسے گران قدر جوہر اُن سے نمایان ہوئے کہ سب ججی پر اون کو ترقی دی گئی، پانچ سال نہین گزرے تھے کہ ڈسٹرکٹ و سشن ججی کے لیئے اون پر نظر پڑی، اور اوس کی قائم مقامی بھی اون نے سالہا سال کی، ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۳ء مین اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ سے پنشن پر سبکدوش ہو کر خانہ نشین ہو گئے، اور گورنمنٹ نے بطور اعتراف خدمات کے "خان بہادر" کا خطاب عنایت کیا،

شعر و سخن کا ذوق اون کو بچپن سے تھا، کچھ دنون مولوی وحید الدین[1] وحید رئیس

---

[1] مولوی وحید الدین وحید کڑہ ضلع الہ آباد کے رہنے والے عالی خاندان اور ذی وجاہت بزرگ تھے، ایک بھائی مولوی رفیع الدین مرحوم لکھنؤ مین وکالت کرتے تھے، میرے بچپن مین اون کی وکالت اچھی تھی اور مہمان نوازی مین بہت مشہور تھے، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

کڑہ ضلع الہ آباد سے جو مصحفی کے شاگرد تھے مشق سخن کی اور باوجودیکہ ساری عمر سرکاری ملازمت اور عہدہ ہائے جلیلہ کی ذمہ داریوں میں بسر کی مگر چونکہ شعر و سخن سے ازلی مناسبت تھی ان مخصوصون پر بھی شاعری ترقی کرتی رہی،

جس زمانہ میں الہ آباد مین پڑھنے کو گیا ہون، اکبر کی شاعری کا آغاز تھا، ان کے چچا زاد بھائی اکبر حسین ستم اور نسبتی بھائی میر کاظم علی سے ہر وقت یکجائی رہتی تھی، اوس وقت اکبر کی نظمین اودھ پنچ میں چھپا کرتی تھین اور ان کی شوخی اور ظرافت کا چرچا رہا کرتا تھا، یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اکبر روم و روس کی جنگ کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مولوی وحید الدین کہن سال اور کہنہ مشق شاعر تھے، مصحفی کا زمانہ انھون نے پایا تھا اور ان سے مشورۂ سخن کیا تھا، الہ آباد کے اکثر شعرا ان کے شاگرد تھے تحصیل علم کے لیے پہلی مرتبہ جو مجکو سفر کا اتفاق ہوا تو میں الہ آباد گیا، اوس وقت چودہ پندرہ برس کا سن تھا، وہان پہونچکر دیکھا کہ وحید میاں کی شاعری کا غلغلہ بلند تھا، یون تو منشی غلام غوث خاں بیخبر، مولوی غلام امام شہید، محمد جان حسرت، حکیم خلیل الدین خاں وغیرہ سبھی اپنے اپنے رنگ مین خوب سمجھے جاتے تھے مگر وحید میاں کا نام بہت وقار اور عزت کے ساتھ لیا جاتا تھا،

ایک مرتبہ وحید کے گھر میں آگ لگی ان کو اپنا دیوان یاد آیا جو ساری عمر کی کمائی تھی اوس کے نکالنے کو کوٹھری مین گھسے، دیوان تو ہاتھ آگیا مگر دھواں اتنا بھر گیا تھا کہ نکلنے کو انھین راستہ نہ سوجھا، جب لوگ تلاش کرتے ہوئے مکان کے اندر گھسے تو دیکھا کہ دیوان ہاتھ مین ہے ایک کرسی پر بیٹھے ہیں اور دم نکل چکا ہے،

بچپن کے سنے ہوئے دو شعر اون کے یاد ہین،

ہم نے جب وادیِ غربت مین قدم رکھا تھا … دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

ہم سے اپنے آشیانے کے لیے … خو چھپے دل میں وہی تنکے لیے

حالی نظم کر رہے ہین خدا جانے انجام کو پہونچا یا نہین،

اوسی زمانہ مین انھون نے مسٹر بلنٹ کی فیوچر آف اسلام کا ترجمہ بھی اردو مین کیا تھا

جنگ روم و روس کا دلون پر اثر غالب تھا لوگون نے ہاتھون ہاتھ لیا، اور قدردانی کی،

پنشن لیکر خانہ نشین ہونے کے بعد اون کی شاعری چمکی، اور زمانے کے میلان

ناتمام بہ جدید طرز معاشرت کی خرابیون کا جو اثر ان کے دل پر پڑا ہوا تھا اوس کو

ظرافت کے پردے مین ظاہر کرنے کی راہ انھون نے ڈھونڈھ نکالی،

میرے دوست شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن (حال خان بہادر جسٹس عبدالقادر)

نے ایک بار مخزن مین ان کے کلام پر بحث کرتے ہوئے خوب لکھا ہے، جو اونھین کے

لفظون مین سننے کے قابل ہے،

ایک دن میرے ایک طباع دوست نے جو خود ایک نامور شاعر ہیں مجھ سے پوچھا کہ تمہارے

نزدیک اکبر کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت کیا ہے، میں نے کہا کہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ اکبر روشن خیالی

کے ساتھ مشرق کی سچی محبت کا واعظ ہے، اس کے نزدیک ہر مشرقی کا فرض ہے کہ اپنے وطن سے

محبت رکھے اپنے مذہب کی حفاظت کرے اپنے بزرگوں کا احترام رکھے اور اپنے ہر رسم و رواج کو

صرف اسلیے مذموم نہ سمجھے کہ وہ کسی مغربی رسم و رواج کے خلاف ہے، بلکہ ایک حد تک اپنی پیروی

ماراں ہو اپنے ماضی سے واقف ہو اپنے حال کی تنقید کرسکے اور اپنے مستقبل کی نسبت اچھی امید

رکھے، یہ خیالات اس زور اور اس خوبی کے ساتھ معاصرین میں سے کسی کے ہاں نہیں پائے جاتے،

میرے دوست نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور یہ کہا کہ تمام باتیں جو آپ نے بیان کیں اکبر کے

کلام میں پائی جاتی ہیں، بہت سی اور خوبیاں گنی جاسکتی ہیں مگر آپ نے جس قدر کہیں لیکن میں ان سب کا

ایک مرکب لفظ میں ادا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اکبر لسان العصر ہے،

اکبر کے لیئے لسان العصر کا خطاب اتنا موزون ثابت ہوا کہ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک اسکی صدائے بازگشت پہونچ گئی اور گورنمنٹ کے دیئے ہوئے خطاب سے زیادہ قبولیت حاصل کی،

افسوس ہی کہ ۱۳۴۰ھ کو لسان العصر کی زبان بند ہوگئی، اور جس منزل کی وہ دوسرون کو یاد اور زاد راحلہ کے مہیّا کرنے کی رغبت دلایا کرتے تھے وہی آخر کار ان کو پیش آگئی، ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ان کے کلیات کی تین جلدین ابتک شایع ہو چکی ہین اور سُنا ہی کہ خواجہ حسن نظامی اون کی سوانح عمری لکھ رہے ہین،

ہم آہ بھی کرتے ہین تو ہو جاتے ہین بدنام — وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہین ہوتا

مری آنکھون سے ہی کیفیت مستیِ دل پیدا — لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہی راز مینا کا

ملا ہی ہم کو یہ مضمون روشن چشم بینا سے — کہ چھوڑی جس نے خود بینی اوسے سب کچھ نظر آیا

ہی صاف نگاہون سے عیان جوشِ جوانی — آنکھون سے سنبھلتا نہین مستانہ پن اونکا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب — آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جان ہوگیا

اک جھلک اونکی دیکھ لی تھی کبھی — وہ اثر دل سے آجتک نہ گیا

جو دل مین آتی ہو لے واعظو نہین رکتی — سکوت خوب ہی لیکن تمہین سے کیون نہ کیا

ضبط سے کام لیا دل نے تو کیا فخر کرون — اس مین کیا عشق کی عزت تھی کہ رسوا نہ ہوا

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا — حسینون کو بھی کتنا سہل ہی بجلی گرا دینا
یہ طرز احسان کرنے کا تمہین کو زیب دیتا ہو — مرض مین مبتلا کر کے مریضون کو دوا دینا

حلاوت زندگانی کی کہان اس تلخکامی مین — خدا کا حکم ہے جیتے ہین اے اکبر مزا کیسا

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ مین خوش ہون یا ملول — یہ بات منحصر ہے تمہاری نگاہ پر

نہ سحر چشم جانان ہے نہ لطف غمزۂ ساقی — تو پھر صحن چمن مین دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھین مجھے کب — موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہین

ادھر ہم سے بھی باتین آپ کرتے ہین لگاوٹ کی — اودھر غیرون سے بھی کچھ عہد و پیمان ہوتے جاتے ہین

ہو جس طرف طبیعت لازم ہی شوق کامل
ہر بات مین اثر ہی ہر رنگ مین مزا ہے

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہگئے غفلت مین یہ آیا بھی گیا بھی

مین سمجھ گیا وہی ہی مرے پردۂ نفس مین
مجھے اب تو سانس لینا بھی ہی لطفِ زندگانی

میرے حواس عشق مین کیا کم ہین منتشر
مجنون کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہی

اسبابِ انتشارِ جنون مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہی کہ عشق و جوانی کے دن گئے

اس مے سے نہین مطلبِ دل جس سے ہی بیگانہ
مقصود ہی اوس مے سے دل ہی مین جو کھنچتی ہی

حضرتِ منصور نا بھی کہہ سکے ہین حق کے ساتھ
دار تک تکلیف فرمائین جب اتنا ہوش ہی

اخلاق تعلیم ظرافت کے پیرایہ مین

بے پردہ کل جو آئین نظر چند بیبیان
اکبر زمین مین غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اون سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگین کہ عقل پہ مردون کے پڑ گیا

مغوی کو بھی بد نہ کہئے ترغیب ہی یہ
کس سے مین کہون کہ دل کی تخریب ہی یہ

شیطان کو رجیم کہدیا تھا اک دن
اک شور مچا خلافِ تہذیب ہی یہ

ہر چند کہ کوٹ بھی ہی پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے، پاٹ بھی ہی، صابون بھی ہی
لیکن یہ مین پوچھتا ہون تجھ سے ہندی
یورپ کا تری رگون مین کچھ خون بھی ہی

مذہب کی کہون تو وہ لگی مین اڑ جائے
مطلب کی کہون تو پالسی مین اُڑ جائے
باقی سر قوم مین ابھی ہی کچھ ہوش
غالب ہی کہ یہ بھی اِس صدی مین اُڑ جائے

جینا تھا جس قدر ہمین دنیا مین جی لیئے
ساغر کسی طرح کے ملے اور پی لیئے
غم بھی رہا خوشی بھی تحیر بھی فکر بھی
جاتے ہین اب کہ آئے تھے ہم بس اِسی لیئے

عمل اون سے ہوا رخصت عقیدہ مین خلل آیا
کوئی پوچھے کہ اون کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا
محلّے مین نہ کی جب شیخ کی عزت عزیزون نے
تو بیچارہ کمیٹی ہی مین جا کر کود اُچھل آیا

مسجد مین چھوڑ کے جا بیٹھے ہین میخانون مین
واہ کیا جوشِ ترقی ہی مسلمانون مین

پریون کے عاشقون کو سودا ہوا مشون کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہین

آج بنگلہ مین مرے آئی تھی آوازِ اذان
جی رہے ہین ابھی کچھ اگلے زمانے والے

زوال قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب — تجارت آپ نے کی ترک نوکری کرلی

صبر خودداری دلیری حق پرستی اکھابان — رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلمان ہو گئے

فٹن نفیس، سڑک خوشنما، ڈنر ہر شب — یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر نہ خوب کبھی

نئی تہذیب مین دقت زیادہ تو نہین ہوتی — مذاہب بنتے ہین قائم فقط ایمان جاتا ہے

اِسلام کی رونق کا کیا حال کہین تم سے — کونسل مین بہت سید مسجد مین فقط جُمّن

حریفون نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے مین — کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اِس زمانے مین

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نماز عید بھی — تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی کرے

اغیار تو دنیا ہین اُٹھائے ہوئے سر پر — ہم بیٹھے ہین اِس طرح کہ اُٹھتا نہین سر بھی
اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہوئے واقف — ہم وہ ہین کہ پاتے نہین اُس بُت کی کمر بھی

دیر مین محبوب بھی ہے وعظ مین قبلہ رو بھی ہے — شیخ ہمارا خوب ہے پیر بھی ہے گرو بھی ہے

وضع مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی
ناز تو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی

ہم کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

یہ پردہ در کو سوئے قوم کس نے بھیجا ہی
کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے

یہی ہی عقدہ کُشائیِ قوم تو اک دن
ازار بند کو کہدینگے بس بیجا ہے

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہوگا

حواس مختل سمجھ پریشاں عمل میں سستی قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہتا ہی کبھی کوئی یاس ہی غالب

مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبر
مقیم دیرہ مرید شیخ و اسیر قانونِ نو مغرب

آمادگی مجھے تو ہی ہر گناہ پر
فضلِ خدا سے بت ہی نہیں آئے راہ پر

گزرا ان کا ہوا کب عالمِ اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

اونچے میدان میں سر دیکے کیا قوم کا نام
آپ بنگلے میں منایا ہی کئے جان کی خیر

باقی کچھ بھی نہیں جب نہ ہو ذوقِ طاعت
قوم کی خیر نہیں جب نہیں ایمان کی خیر

لطف چاہو اِک بُتِ نوخیز کو راضی کرو
نوکری چاہو کِسی انگریز کو راضی کرو

لیڈری چاہو تو لفظِ قوم ہی مہمان نواز
گپ نویسوں کو اور اہلِ میز کو راضی کرو

طاعت و امن و سکون کا دل کو لیکن ہو جو شوق
صبر پر طبعِ ہوس انگیز کو راضی کرو

معاذ اللہ غفلت باریاں یہ ابرِ غرب کی
کوئی آلودہ آنر کوئی صرفِ جوانی ہی
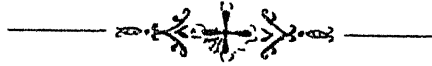
ضمیمہ نمبر ۱

مراثی کا بیان

عرب مین شاعری کی ابتدا اظہارِ جذبات سے ہوئی تھی، اسلئے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی جو سب سے قوی تر جذبہ ہی، فارسی شاعری کی بنیاد تکلف آورد اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اسلئے اوس کی ابتدا قصیدہ گوئی سے ہوئی اور اسلئے شاعری کے وہ انواع جن کو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعتہً پستی کی حالت مین آگئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہی اسلئے قدما کی شاعری مین جابجا جذبات کا اظہار خوبی کے ساتھ نظر آتا ہی،

اُردو شاعری کی ابتدا دکن مین ہوئی تھی، وہان شروع سے مرثیہ گو پیدا ہو گئے علی عادل شاہ کے زمانہ مین ایک مرثیہ گو تھا جو اُردو مین مرثیہ کہتا تھا اور بادشاہ کے اصرار پر بھی اوس نے اپنی زبان کو بادشاہ کی تعریف سے آلودہ نہین کیا، جبتک جیتا رہا صرف مرثیے کہتا رہا،

مولانا نصرتی کا دیوان مفقود ہی ورنہ معلوم ہوتا کہ دیگر اصناف سخن کے ساتھ انھون نے مرثیہ پر ہاتھ ڈالا ہی یا نہین، محمد قلی قطب شاہ کے کلیات مین معتدبہ حصہ مراثی کا ہی،

ابو الحسن تانا شاہ کے زمانہ مین کثرت سے مرثیہ گو تھے جو اُردو مین طبع آزمائی کرتے تھے اون مین سے شاہ قلی خان شاہی تخلص بڑے اچھے شاعر تھے۔ میر حسن اپنے تذکرہ مین کہتے ہین کہ شایقین اِن کا کلام ہاتھون ہاتھ دکن سے ہندوستان لایا کرتے تھے،

دکن کے شعرا مین سب سے پہلے ولی کا دیوان دلی مین آیا ہی اور وہ چھپ کر شائع ہو چکا ہی
ولی نے کربلا کے حالات مین ایک مثنوی لکھی ہی،

میر و مرزا کے زمانے مین میان سکین مرثیہ گو تھے، سودا نے اِن کا نام شہر آشوب
مین لیا ہی، اوس وقت تک عموماً مرثیے چو مصرع ہوا کرتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا
نے مسدس لکھا جو اون کے دیوان مین موجود ہی، اور اُردو مین مرثیہ کی وسعت و ترقی کا
پہلا قدم ہی، کیونکہ چو مصرع مین اوّل سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے
ہر قسم کے مطالب ادا نہین کیئے جا سکتے تھے،

اسی زمانہ مین میان سکندر ایک مرثیہ گو گزرے ہین ان کا ذکر مصحفی نے اپنے
تذکرہ مین کیا ہی، ان کے بعد میر ضمیر، میر خلیق میان دلگیر، میان فصیح کا نام لیا جاتا ہے، مگر اِس
وقت تک مرثیے کم و بیش تیس تیس بند کے ہوتے تھے، اور اون مین حزن و غم کے سوا اور کوئی
مضمون نہ ہوتا تھا، اور شاعری کے دربار سے اون کی کچھ عزت و حوصلہ افزائی نہین ہوتی
تھی، اوس زمانہ کی یہ مثل مشہور ہی "بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خوان"

جہانتک معلوم ہوا ہی سب سے پہلے میر مظفر حسین ضمیر نے اِس مین جدتین پیدا کین،
اور جس نظم کی بنیاد محض درد و غم پر تھی اوس مین گھوڑے تلوار وغیرہ اسلحۂ جنگ کے الگ
الگ اوصاف لکھے، سراپا ایجاد کیا، واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، لڑائی کے داؤن پیچ
اور اوس کے ٹھاٹ کا خاکہ کھینچا اور سب سے بڑھکر یہ کہ کلام مین زور بندش مین چستی
اور صفائی پیدا کی اور سوزخوانی کی جگہ تحت اللفظ پڑھنے کی بنیاد ڈالی،

میر انیس و مرزا دبیر نے اِس بنیاد پر ایک بلند و مستحکم عمارت کھڑی کر دی، بیان
کرنے کے نئے نئے اسلوب اُردو شاعری مین بکثرت پیدا کر دیئے، ایک ایک واقعہ کو

سو سو طرح سے بیان کرکے قوت تخیلہ کی جولانیون کے لیئے ایک نیا میدان صاف کر دیا، مناظر قدرت کی ایسی تصویرین کھینچین کہ فارسی شاعری مین بھی اوس کا نمونہ بمشکل مل سکیگا، اسی طرح سے جذبات انسانی کی صحیح ترجمانی کرکے اُردو شاعری کو پستی سے بلندی پر پہونچا دیا،

سچ یہ ہی کہ اگر اس حصہ کو اُردو شاعری سے نکال لو تو پھر اوس مین سوا خط و خال اور گل و بلبل کے کچھ نہین رہ جاتا، اور اُردو شاعری کی تاریخ ناممکل رہ‌جائے گی، اگر اوس مین اس کا ذکر نہ کیا جاے،

مرزا سلامت علی دبیر

مرزا سلامت علی نام دبیر تخلص، مرزا غلام حسین والد کا نام تھا کہتے ہین کہ ۱۲۱۸ھ کو دلی مین پیدا ہوئے، چھہ سات برس کی عمر مین باپ کے ساتھ لکھنؤ آئے، فارسی اور عربی کی کتابیں لکھنؤ کے نامور علماء سے پڑھین،

حیات دبیر کے مصنف نے لکھا ہی کہ درسی کتابین ان کی لکھی ہوئی تھین مولوی غلام ضامن اور مرزا کاظم علی اخباری وغیرہ علماء کے شاگرد تھے اور استعداد علمی فاضلانہ رکھتے تھے،

شعر و سخن سے قدرتی مناسبت تھی، میر مظفر حسین ضمیر اوس زمانے مرثیہ گو شاعرون مین بہت ممتاز تھے، اون کی مجلسون مین شریک ہوتے ہوتے ان کو بھی ذوق پیدا ہوا اور یہ اون کے شاگرد ہو گئے،

جو کچھ اُستاد سے پایا اوسے تسول آزاد بہت بلند اور روشن کرکے دکھایا، جو

مرثیے بیس تیس بند سے آگے نہ بڑھتے تھے اون کو دو سو ڈھائی سو تک پہنچا دیا، شوکت الفاظ مضامین کی آمد اوس مین جا بجا غم انگیز اشارے در خیز کنائے، المناک و الگداز انداز جو مرثیہ کی اصلی غرض ہو ان وصفون مین وہ میر انیس سے ممتاز ہین،

کچھ شک نہین کہ میر انیس زبان کی صفائی بندش کی چستی اور مناظر قدرت کی صحیح تصویر کھینچنے مین اپنا مثل نہین رکھتے، مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات و استعارات ہین، یہ اپنی قوت متخیلہ کے زور سے ایسے عجیب استعارے اور نادر تشبیہین ڈھونڈ ڈھونڈھ کر پیدا کرتے ہین کہ وہان تک اون کے حریفون کا طائر وہم پرواز نہین کر سکتا بقول علامہ شبلی خیال آفرینی، قوت پرواز، جدت استعارات، اختراع تشبیہات، شاعرانہ استدلال، شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین،

مگر میری رائے مین اس فیصلہ کا یہ مطلب نکالنا خطرناک غلطی ہو کہ مرزا دبیر زبان کی صفائی، بندش کی چستی اور مناظر قدرت کی صحیح تصویر کھینچنے سے عاری ہین یا میر صاحب قوت متخیلہ مین بالکل ہیٹے ہیں اور ان کے ہان عجیب استعارے اور نادر تشبیہین نہین ہین، ایسا خیال کرنا ان دونون بزرگون کے دامن کمال پر دھبہ لگانا ہی،

مقصد یہ ہی کہ ہر شاعر کا رنگ طبیعت، انداز بیان اور طرز مذاق مخصوص قسم کا ہوا کرتا ہی، ایک چیز ایک کے ہان افراط سے ملے گی دوسرے کے ہان اوس سے کم، یہی حال میر و مرزا کا بھی ہی، اس سے نہ اون کی تنقیص کی جا سکتی ہی نہ اون کی، ع

ہر طرز مین جو خوب کہے خوب ہی وہ

مرزا صاحب نے چوہتر برس کی عمر پائی، چودہ پندرہ برس کے سن سے مرثیہ کہنے لگے، اس پچاس ساٹھ برس مین کم سے کم تین ہزار مرثیہ لکھا ہوگا، نوحے اور

رُباعیون کا کچھ شمار نہین۔ ۳۰ محرم سنہ ۱۲۹۶ھ مین وفات پائی اور اپنے ہی مکان مین مدفون ہوئے،

صُبح

گلگونہ شفق جو ملا حورِ صبح نے
اسپند مشک شب کو کیا نورِ صبح نے

گرمی دکھائی روشنئ طورِ صبح نے
ٹھنڈے چراغ کر دیئے کافورِ صبح نے

لیلائے شب کی رات کو دولت جو لُٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشانِ صُبح
سلطانِ صُبح نے کیا قصدِ اذانِ صبح

باندھا عمامہ نور کا پہنا کتانِ صبح
چرخِ چہارمین پہ گیا خطبہ خوانِ صبح

مُنھ سب کے سوئے قبلۂ اُمید ہوگئے
سرگرم سجدہ عیسی و خورشید ہوگئے

آیا جو تیغِ روز لیے شاہِ نیمروز
ماہی تھکا رتیر سوار و جہان فروز

باندھے کمر مین خنجرِ بیضائے کینہ سوز
ہر دو ہفت سر ہوا صیدِ عقابِ روز

مہتاب لشکرِ شہ خاور مین گھر گیا
آرہ شعاع کا سرِ انجم پہ پھر گیا

بڑھ کر نقیبِ نور پکارا سحر سحر
وہ آئی فوجِ نورِ مہر دوڑ آیا قمر قمر

فرمان نور بدر کو پہنچا بدر بدر
لوٹا سحر نے معدنِ شبنم گہر گہر

برقع جو اٹھ گیا تھا رُخِ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبحِ تمت تاب کا

دوسرے موقع پہ کہتے ہیں،

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی — پنہاں درازیِ پرِ طاؤسِ شب ہوئی
اور قطعِ زلفِ لیلیِ زہرہ لقب ہوئی — مجنوں صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی
فکرِ رفو تھی چرخِ ہنرمند کے لیے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لیے

یوسفؑ غریقِ چاہِ سیہ ناگہاں ہوا — یعنی غروبِ ماہِ تجلی نشاں ہوا
یونسؑ دہانِ ماہیِ شب سے عیاں ہوا — یعنی طلوعِ نیّرِ مشرق ستاں ہوا
فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیمؑ اور یدِ بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیبِ دریدہ تھا — یا چہرۂ مسیحؑ کا رنگِ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ چرخ کا اشکِ چکیدہ تھا — یا فاطمہ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کہیئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا
اُمیدِ اہلِ بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا اُفق سے عابدِ روشن ضمیرِ صبح — محرابِ آسماں ہوئی جلوہ پذیرِ صبح
کھولا سپیدی نے جو مصلّائے پیرِ صبح — ہر سجدہ گاہ بن گیا مہرِ منیرِ صبح
کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا — پھر مشکِ شب جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہو گیا — باطل رسالۂ شبِ دیجور ہو گیا

کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرّ دن کے نامے مین

گرمی کی شدت

وہ دھوپ کہ مرغانِ ہوا کرتے ہین نالا — بس ہاتھ دھرا فضہ پہ اور پڑ گیا چھالا
بِریان ہوا دانہ بھی زراعت مین جو ڈالا — اس دھوپ مین اس لو مین کھڑے ہین شہِ والا
پانی کے عوض آگ برستی ہے زمین پر
پر تیرون کی بوچھار ہے جسمِ شہِ دین پر

نایاب ہین مُرغانِ ہوا صورتِ عنقا — بیٹھے ہین سراسیمہ جو تھے لبِ دریا
بالائے فلک ایک پرندہ نہین پیدا — پرِ اوجِ امامت کا ہما ان مین ہے تنہا
کیا قہر ہے سایہ نہین [illegible]
کیا ظلم ہے پانی نہین [illegible]

دوسرے موقع پر

تنہا کھڑے ہین رن مین امامِ فلک جناب — گرمی دکھا رہا ہے قیامت کی آفتاب
بے آگ مُرغِ قبلہ نُما ہوتے ہین کباب — [illegible]
چھالا ہے آفتاب کا گردون کے پانو مین
خود چھپ رہی ہے دھوپ درختون کی چھاون مین

مٹی خراب چرخ پہ ہے بُرجِ آب کی — رنگت ہے [illegible] مین ماہی کباب کی
دریا مین آنکھ بیٹھ گئی ہے حباب کی — حدّت ہے موج موج مین تپ ہے شباب کی
فوارے کو نہ جوش [illegible]

پانی کی بھی زبان دہن سے نکل پڑی

آتش بدل بھنور ہیں تو موجیں ہیں شعلہ وش | آتے ہیں مچھلیوں کو حرارت سے غش پہ غش
نزدیک ہے جگر سے مردم آبی ہیں نالہ کش | نوحہ ہے تین روز کے پیاسوں کا العطش
نزدیک ہے کہ زہد کو بے آبرو کریں
تر دامنی سے شہروں میں زاہد وضو کریں

آمد آمد کا کوکبہ

برہم ہیں صفیں شاہ شہیداں کی ہے آمد | ہر مورچہ اڑا ان ہے سلیمان کی ہے آمد
فرعونیوں پر موسی عمراں کی ہے آمد | تیغوں کے جہازوں پہ بھی طوفاں کی ہے آمد
جن سیر کو نکلے تھے پہ رستے سے مڑے ہیں
پریوں کی طرح ہوش سلیماں کے اڑے ہیں

رن میں پسر فاتح خیبر کی ہے آمد | صف کرتی ہے صف پرشہ صفدر کی ہے آمد
تاج شرف و فخر سکندر کی ہے آمد | شاہ شہداء سبط پیمبر کی ہے آمد
پیشانی جن و ملک اب فرش زمیں ہے
چتر سر اقدس پہ جبریل امیں ہے

خورشید ہے دن کو مہ نو شرم سے گھٹ کر | اغلب ہے کہ سیدھا فلک کج ہوا الٹ کر
پانی ہوئی جاتی ہے گھٹا ڈھالوں کی پھٹ کر | اک سونے کا ننگ بن گئی ہے دھوپ سمٹ کر
ثابت ہے کہ سیارہ ہر اک ماند ہوا ہے
سیارے ہیں کیا شہر بدر چاند ہوا ہے

فتح و ظفر و نصرت و شمشیر و [illegible] ایک | قہر و اجل و رعب شہ جن و بشر ایک

مولا کی سپر اور فلک ہفت سپر ایک
انفعال خدا اور نظرِ غضب اثر ایک
ہیبت ہے یہ بندے کی و یا خوف خدا ہے
سرخود سے دِل سینے سے جان تن سے جدا ہے

نے چرخ ہے نے دشت نہ کہسار نہ قلزم
وہ سکتہ ہے وہ گرد وہ دہشت وہ تلاطم
ہے برج بھی گردش میں گرے پڑتے ہیں انجم
جس طرح سے آندھی میں جدا خوشوں سے گندم
خالی ہیں رگیں خون سے اور خون رگوں سے
ناموں کے حروف اڑتے ہیں مہر کے نگوں سے

عباسؑ نامدار پانی لانے کو جاتے ہیں،

عباسِؑ جبکہ جانب باغِ جنان چلے
شانے پہ لا کے شان سے لیکر نشان چلے
زوجہ نے پوچھا اے مرے والی کہاں چلے
بولے جہان سے اب نہ پھرینگے وہاں چلے
اب آخری وداع کی باری نہ آئے گی
آئی ہے سب کی لاش ہماری نہ آئے گی

عباس سے سنا جو یہ اُس تشنہ کام نے
دنیا سیاہ ہوگئی آنکھوں کے سامنے
اِک آہ کی کمر کو پکڑ کے امام نے
پر وہ اٹھایا بار نہ سے شاہِ انام سے
جھک کر ہلال برجِ فلک سے نکل آیا
نورِ نگاہ تھا کہ پلک سے نکل آیا

پاس ادب سے منھ کو سوئے در دور لے گئے
منھ قصور کے پیکر و غرور آئے
غل پڑ گیا جلو کے لئے فوج نور آئے
بال ملک دو رکاب حضور آئے
آیا سجا سجایا تگاور جناب کا

پاکھر کرن کی تارون کی زین آفتاب کا

اُنگلی سے لکھ کے گردنِ توسن پہ یا علی
اِک جست مین سوار ہوا حق کا وہ ولی

فی الفور نور طور کے معنی ہوئے جلی
بجلی جلا نا بھول کے خود رشک سے جلی

ٹھنڈی ہوئی ہوا جو یہ گرم عنان ہوا

صرصر کی سانس رُک گئی جب یہ روان ہوا

پابوسی کو رکاب کا حلقہ دہان بنا
اور اِس دہن مین پائے مبارک زبان بنا

پھر آستان خانۂ زین آسمان بنا
عرشِ جلیل زینِ تجلی نشان بنا

آنسو مگر نہ تھمتا تھا اوس راہوار کا

یعنے مجھی پہ آئے گا لاشہ سوار کا

رکھنے لگا جو ہاتھ تصورِ عنان پر
بگڑا بنا کے منھ کہ نہ کھیل اپنی جان پر

بولی زمین کدھر تو کہا آسمان پر
پوچھا جو آسمان نے کہا لامکان پر

یہ کہہ کے فکر و وہم کی حد سے گزر گیا

سایہ ہوا سے پوچھ رہا تھا کدھر گیا

نعل ہر مکان سے وہ کُتا لامکان اُٹھا
ایسا جھکا کہ پھر نہ سر آسمان اُٹھا

شعلہ علم کے نور سے اِک ناگہان اُٹھا
جنگل مین دھوپ جل گئی کوسون دھوان اُٹھا

انسان کیسے جان جنون کی نکل پڑی

گاوِ زمین پہ تڑپی کہ مچھلی اُچھل پڑی

تلوار کی روانی ملاحظہ ہو،

نکلی غلافِ نور سے تفسیر جوہری
یا آکے دستِ بوس سلیمان ہوئی پری

یا جھلے سے عروس نے کی جلوہ گستری   یا ہٹ یہ شاخ میوۂ طوبیٰ ہری بھری

اس ہاتھ سے مرادین تھین جو جو وہ مل گئین

باچھین خوشی سے تیغ کے قبضہ کی کھل گئین

شاخِ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا   سر دن کے قد سے جیسے جوانی کا پھل جدا

ہستی جدا زمین پہ، تڑپی اجل جدا   خنجر جب افلاک پہ گرا اور زحل جدا

غل تھا کہ اب مصالحہ بم و بان نہین

لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہیں

سایہ بھی صاف تیغ سے فوراً جدا ہوا   مطلب کہ پانی سے وغن جدا ہوا

تنہا نہ رنگ چہرۂ دشمن جدا ہوا   گردن سے سر تو روح سے تن جدا ہوا

پیہم صدا دلون کے دھڑکنے کی آتی تھی

آواز لوق اُٹھتی تھی او بیٹھ جاتی تھی

سیدھی ہوئی جو تیغ تو لشکر اُلٹ گیا   میدان سے ہاتھوں بڑھ کے دل سکا ہٹ گیا

سب رو رہے تھے زور کو دان سے بھی گھٹ گیا   مانند نان جو سے سینہ تمام پٹ گیا

بولی یہ تیغ دم سر اعدا یہ لوں گی مین

برش پکاری تو یہ ٹھہرنے نہ دوں گی مین

پڑھتی ہوئی زبان سے یہ لا فتا چلی   روشن نگاہ کہنے کو آئی قضا چلی

بائین کو تھر داہنے جانب بلا چلی   بالکل زمانہ میں ہوئی کل ہوا چلی

کہنے نہ تیغ دولھا کو بر میں لگائی تھی

اندھیر تھا کہ آدمی کھلی گر ای تھی

پھل وزن مین تھا پھول تجلی مین نخل طور　　گرمی مین محض ناز تو نرمی مین صاف نور
آسیب سایہ چال پری قبضہ چشم حور　　خود نہر آب زہر تڑپ قہر شور صور
یون دفعتہ زمین سے گئی آسمان پر
جس طرح غصہ آئے کسی ناتوان پر

پھر تو پکارتی یہ ادھر وہ ادھر گرا　　وہ نیچہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سر گرا
بن بن کے برق سایہ تیغ ظفر گرا　　وال مورچہ سے باپ اٹھایا ان پسر گرا
گر گر کے سر یہ رن مین برابر پڑے ہوئے
جو رن مین سر زمین کی معنی عیان ہوئے

پھرون یہ مردنی کی طرح تیغ چھا گئی　　ہر استخوان مین شل تپ دق سما گئی
اعجاز خاکسائیے حیدر دکھا گئی　　مانند خاک ناریون کے تن جلا گئی
سب کے گلون سے ملتی تھی لیکن رکی ہوئی
جوہر یہ تھے کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

آتے تھے جوڑ توڑ عجب تیغ تیز کو　　سر سے گری جدا کیا پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اس شعلہ ریز کو　　برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بو گل نے رنگ لالے نے سرعت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کیا ہے داہنی نیابت قضا نے دی

قربان برق و بارقۂ تیغ شعلہ تاب　　موتی کی آب و تاب سمندر کا پیچ و تاب
خود نوح و خود سفینہ و خود ماہی و خود آب　　سرگوشیان ذات مین کرنے لگے حباب
ظرف تنک مین تھی نہ جگہ آب و تاب کی

بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

کاٹا پلک مین آنکھ کو پتلی مین نور کو　　پانون مین کجروی کو سر و تن مین غرور کو

سینہ مین بغض و کینہ کو دل مین فتور کو　　نیت مین معصیت کو طبیعت مین زور کو

ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو

کیسی زبان زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

عباس فرات پر تو پہونچ گئے مگر پانی پینے سے وفاداری روکتی ہے

چلو بھرا فرات سے سرکا کے آستین　　عبرت سے دیر تک اوسے دیکھا کیے وہین

پھر لائے امتحان کے لیے ہونٹون کے قرین　　سینہ مین دل تڑپ کے پکارا نہین نہین

گو مہر فاطمہ ہے یہ مجھ پر حرام ہے

ہفتم سے فاطمہ کا پسر تشنہ کام ہے

پانی جو بے حسین کے منہ سے لگائے گا　　بے بے وفا کا نام ابھی ڈوب جائے گا

اس وقت آبرو جو گئی پھر نہ پائے گا　　یہ روز اب زمانے مین کاہے کو آئے گا

حضرت کہان فرات کہان کربلا کہان

تا عصر تشنہ ہے یہ [illegible]

غازی نے دل کے شوق سے پھر مرحبا کہا　　دریا سے روکے پیاسون کا سب ماجرا کہا

کاندھے پہ مشک بھر کے رکھی یا خدا کہا　　چلتے ہوئے اجل نے پیام قضا کہا

[illegible] نصیب پیاسون کا [illegible] پھر گیا

سقہ حرم کا فوج مین طوفان کے گھر گیا

علی اصغر کا پیاس سے اب تو حال بیحال ہو

سر ننگے گرد جھولے کے سب کُنبہ ہے بہم
پھیلائے ہیں سہمے ہوئے بانوئیں کو حرم

تکیہ پہ سر ڈھلا ہوا رکتے ہیں دم بدم
چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کبھی دیکھتے ہیں دم

قرآن کی ہوا کبھی گھبرا کے دیتے ہین
بانو کو دیکھتے ہین منھ پھیر لیتے ہین

آخر کہا یہ سب نے بُلاؤ امام کو
لاؤ خدا کے واسطے لاؤ امام کو

اِس بے زبان کا حال سناؤ امام کو
نیلی رگین گلے کی دکھاؤ امام کو

اکبر کی لاش لے گئے ہین قتل گاہ مین
کوئی پکار لو وہ ابھی ہون گے راہ مین

مظلوم کربلا تشنہ بچہ کو پانی مانگنے لیئے جاتے ہین،

ہاتھوں پہ لے کے اوسکو چلے شاہِ اتقیا
اور ساتھ ساتھ گود کو کھولے ہوئے قضا

لکھا ہے دھوپ تیز تھی اور گرم تھی ہوا
اصغر پہ مان نے ڈالدی اُجلی سی اک ردا

چادر نہ تھی وہ چہرۂ پر آب و تاب پر
ٹکڑا سفید ابر کا تھا آفتاب پر

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبطِ مصطفا
لے تو چلا ہون فوجِ عمر سے کہونگا کیا

نے پانی مانگ آتا ہے مجکو نہ التجا
منت بھی گر کرون گا تو وہ دینگے کیا بھلا

پانی کے واسطے نہ سُنین گے عدو مری
بچے کی جان جائے گی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے
چاہا کرین سوال پہ شرما کے رہ گئے

غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے
چادر پسر کے چہرہ سے سرکا کے رہ گئے

آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہم کو لائے ہیں
اصغر تمھارے پاس غرض لے کے آئے ہیں

گر میں بقول شمر و عمر ہوں گناہ گار ۔ یہ تو نہیں کسی کے بھی آگے قصور وار
شش ماہہ بے زبان ہے نادہ شیر خوار ۔ ہفتم سے سب کے ساتھ پیاسا ہے بے قرار

سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم جو وہ ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمھیں کچھ خیال ہے ۔ دُرِّ نجف ہے بانوے بیکس کا لال ہے
لو مان لو تمھیں قسمِ ذوالجلال ہے ۔ یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علی کا تم سے طلبگارِ آب ہے
دیدو کہ اس میں ناموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹھ بے زبان کے چوسے جھکا کے سر ۔ رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی لے مرے پسر ۔ سوکھی زبان تم بھی دکھادو نکال کر

پھیری زبان لبوں پہ جو اوس نورعین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسین نے

میر ببر علی انیس

میر مستحسن خلیق کے بیٹے، میر حسن کے پوتے اور میر ضاحک کے پرپوتے تھے،
ان کی بلکہ ان کے گھرانے کی زبان اردوے معلی کے لحاظ سے تمام لکھنؤ میں سند تھی،

اور انھین بھی اس پر ناز تھا،

ابتدائی کتابین مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سے پڑہین، اور ضروریات فن سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اپنے خاندانی کمال مین باپ کے شاگرد ہوئے، اور جب سے مرثیہ کہنا شروع کیا اوس وقت سے تمام عمر اسی مین صرف کردی،

بیان کرنے کے نئے نئے اسلوب اُردو شاعری مین بکثرت پیدا کردیے واقعہ کو سو سو طرح سے بیان کر کے قوت تخیلہ کی جولانیون کے لیئے ایک نیا میدان صاف کردیا، اور زبان کا ایک معتد بہ حصہ جسکو ابتک شاعرون کے قلم نے مس تک نہین کیا تھا، اور جو محض اہل زبان کی بول چال مین محدود تھا اوس کو شعرا سے روشناس کر دیا، بقول مولانا حالی کے اُردو شاعری مین جو ما راکد کی طرح مدت سے بے حس وحرکت پڑی تھی تموّج بلکہ تلاطم پیدا کردیا،

مولوی محمد حسین آزاد نے آبحیات مین ٹھیک لکھا ہو کہ شاہنامہ کے ساٹھ ہزار شعر فردوسی کی عمر بھر کی کمائی ہین، انھون نے ایجاد مضامین کے دریا بہا دیئے ایک متفرقی مضمون کو سینکڑون ہزارون رنگ سے ادا کیا، ہر مرثیہ کا چہرہ نیا آمد نئی رزم جدا بزم جدا اور ہر میدان مین مضمون اچھوتا تلوار نئی نیزہ نیا، گھوڑا نیا انداز نیا مقابلہ نیا، اور اس پر کیا منحصر ہی صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ، رات کی رخصت سیاہی کا پھٹنا، نور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغزار کی بہار، شام ہی تو شام غریبان کی اُداسی، کبھی رات کا سناٹا کبھی تارون کی چھاؤن کو چاندنی اور اندھیرے کے ساتھ رنگ رنگ سے دکھایا ہے، غرض جس حالت کو لیا ہی اوس کا سماں باندھ دیا ہی،

میر امجد علی اشہری نے حیات انیس مین اور مولانا شبلی نے موازنہ انیس و دبیر مین ان کے شاعرانہ کمال کو جس جس رنگ سے ظاہر کیا ہی وہ دیکھنے کے قابل ہی،

میرانیس کا کلام پانچ جلدون مین شائع ہوا ہی، اِن کی ابتدائی مشق مین قدیم محاورے اور غلط الفاظ کثرت سے متداول تھے اور شعرا بے تکلف استعمال کرتے تھے وہ اِن کے ہان بھی ابتدائی کلام مین پائے جاتے ہین، پھر جس قدر زمانہ گزرتا گیا ان الفاظ اور ترکیبون کو چھوڑتے گئے،

میرانیس نے بہتر برس کی عمر پائی غدر سے پہلے اون کو لکھنؤ سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہین آئی، غدر کے بعد اوّل اوّل نواب قاسم علیخان کے اصرار سے عظیم آباد تشریف لے گئے اور وہان کی مجلس عزا مین اپنی شاعری کے زور اور بے مثل پڑھنے سے قیامت برپا کر دی، پھر ایک مرتبہ سید شریف حسین خان کی تحریک سے حیدر آباد تشریف لے گئے نواب تہور جنگ بہادر نے اون کی شان کے موافق خیر مقدم کیا، سامعین کی مجلسون مین یہ کثرت ہوتی تھی کہ صدہا لوگون کو سننے کی حسرت رہ جاتی تھی،

میر صاحب کا کلام جس طرح لاجواب ہی اون کا پڑھنا بھی بے مثل تھا، اون کی آواز قد و قامت، صورت کا انداز غرض ہر شے اِس کام کے لیئے ٹھیک اور موزون واقع ہوئی تھی، اِن کا قاعدہ تھا کہ پہلے خلوت مین آئینہ سامنے رکھکر نشست اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے، وضع حرکات سکنات اور بات بات کو دیکھتے اور آپ ہی اوس کی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے، آخر کار ۱۲۹۲ھ مین وفات پائی اور سبزی منڈی مین اپنے ایک مکان کے اندر مدفون ہوئے،

نور کا تڑکا

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح	ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اختران صبح	ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا

عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور — یادِ خدا مین زمزمہ پردازیِ طیور

وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور — خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو ملک آسمان پر

جاری تھا ذکر قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سُرخی شفق کی اودھر چرخِ پُر بہار — وہ بار درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار

شبنم کے وہ گلون پہ گُہر ہائے آبدار — پھولون سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کھلے ہوئے وہ گلون کی شمیم کے

آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

دوسرے موقع پر فرماتے ہین،

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکون کا دمبدم — مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیان بہم

وہ آب و تابِ نہر وہ موجون کا پیچ و خم — سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائرون کے غول درختون پہ بیشمار

چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار — کوکو وہ قمریون کی، وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے

ہر سو روان تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

ایک اور موقع پر

وہ نور اور وہ دشت سُہانا سا وہ فضا — دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گُل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صُبح کی ہوا
پھولون کے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولون پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخونکا بار بار — بالائے نخل ایک جو بُلبل تو گُل ہزار
خواہان تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

گرمی کا سمان

وہ لُو، وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب — کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب — خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حباب کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آبِ رواں سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور — جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق سے تر — خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

کوسون کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار — ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار

ہنستا تھا کوئی گل نہ چمکتا تھا سبزہ زار　　کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

گرمی کی شدت میں لوگوں کی حالت،

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی رہ سخت　　پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینے میں ہیں غازیوں کے رخت　　سونلا گئے ہیں رنگ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہرہ پہ ڈالے ہیں
تونسے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر　　صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنجِ مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر　　لب برگ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اٹے ہیں غبار سے

گھوڑے کی جست و خیز

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند　　سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سُم قرصِ آفتاب سے روشن ہزار چند　　نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
پُتلی جدھر سوار نے پھیری وہ پھر گیا
اُترا براق بن کے پری ہو کے مڑ گیا

جرأت میں رشکِ شیر تو ہیکل میں پیلتن　　پویہ کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابر قطرہ زن　　بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھی تو ہوا پر عقاب تھا

افزون تھی زلف حور سے خوشبو ایال کی
دیکھین تو لین بلائین سدا بال بال کی
پریان خرام ناز مین شاگرد چال کی
غصہ مین مست شیر کی شوخی غزال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن یراق کا
دلدل کے ہاتھ پاؤن تو چہرہ براق کا

غصہ مین انکھڑیون کے ابلنے کو دیکھئے
بن بن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
سانچے مین جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے
تھم کر کنوتیون کے بدلنے کو دیکھئے
وہ کھوتھنی کہ غنچہ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیان خجل ہون ہرن جن کو دیکھکر

تلوار کی روانی

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری
کٹ کر کسی کی تیغ کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری
سر کاٹ کر ادھر سے جو اٹھی ادھر گری
زرہین تنون پہ مثل کفن چاک ہو گئین
اک آن مین صفین کی صفین خاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر
بہتی ہے جس کی آگ سے کوسون لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکے نہین ہے لہر
اُتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن مین زہر
زخمون سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہین
جوہر نہین ہین تیغ مین دندان مار ہین

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی وہ گری — برچھی سے اوڑ گئی وہ سنان یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری — یہ سر اوٹھا وہ خود اُڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکر عدو پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اِسی طرح

ہر ہات مین اُڑا کے کلائی نکل گئی — کوندی گری زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی — مچھلی تھی اِک کہ دام مین آئی نکل گئی
چار آئینہ کے پار تھی اِس آب وتاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

دیگر

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب وتاب — آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب
سیلی تھی اِک پری کے شکم پر کہ اوسکی تاب — تیزی زبان مین وہ کہ فرشتون کو دے جواب
جوہر سے اوس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی — غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزان بھی بہار بھی — تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
پانی نے اوس کے آگ لگا دی زمانے مین
اِک آفتِ جہان تھی لگانے بجھانے مین

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک

شہپور کی صدا سے ہراسان ہوئے ملک ‏ قرنا پھونکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شورِ دُہل تھا حشر تھا افلاک کے تلے

مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

کانپے طبق زمین کے ہلا چرخِ لاجورد ‏ مانندِ کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد

اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد ‏ تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

گرمی سے رن کی ہوش اڑے وحش و طیر کے

شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

تھرّا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد ‏ ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادیِ نبرد

تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمین بھی زرد ‏ خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا کی گرد

اِک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر مین

ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر مین

حملہ کا زور شور

نکلی جو رن مین تیغِ حسینی غلاف سے ‏ اڑنے لگے شرر دمِ خارا شگاف سے

بجلی بڑھی چمک کے جو دشتِ مصاف سے ‏ آئی الامان کی صدا کوہِ قاف سے

افلاک کے [illegible] گہوارہ ہل گئے

دب کر پہاڑ خاک کے دامن تلے ہل گئے

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغِ شرر فشان ‏ تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان

غار اژدرون سے چھٹ گئے شیرون سے نیستان ‏ برپا تھا ہر دو جا مین اِک شورِ الامان

مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا

زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر　　تھین موج کی طرح سب اِدھر کی صفین ادھر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور　　پانی مین تھے نہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر
فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارہ کو چھوڑ کے

پریون سے قاف چھوٹ گیا اور جنون سے گھر　　شیرون سے دشت گرگ سے بن اژدرون سے در
شاہین و کبک چھپ گئے اِک جا بلا کے سر　　اُڑ کر گرے جزیرون مین جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منھ کو جو دامن مین ڈھانک کے
سیمرغ نے گرا دیئے پر کانپ کانپ کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی ٹکان　　چمکی انی تو برق پکاری کہ الامان
اِک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہان　　ڈانڈ اُٹے ڈانڈ پر تو سنان سے لڑی سنان
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جنبش بلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر　　قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پر مارا بچا کے سر
وانگلیون مین نیزہ دشمن کو تھام کر　　جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھالا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب　　قبضہ مین لی کمان کیانی بصد غضب

چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب   تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہاتھ کہ چلہ اُتر گیا

لایا جو حرف سخت زبان پر وہ بد خصال   جھپٹا مثال شیر درندہ حسن کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال   اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اوسکی سپر ٹھے ہال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانوٗن رکھدیئے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا   ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا   سُنتے ہی بس فرس کو فرس سے کیا جدا
گھوڑا ابھی اِس طرف کو اُدھر ہوکے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

امام کی بیکسی اور دشمنون کا نرغہ

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے   ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہی
اوس طرف لشکر اعدا مین صف آرائی ہے   یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہی
برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہی بدن مین نہین تاب   ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہی پانون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہی لب خشک ہی آنکھین پُر آب   تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کے جواب
شدت ضعف سے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین

سیکڑون تیر ستم تن سے گزر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رُخسارون سے　　شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے

تیر پیوست ہین خون بہتا ہی سوفارون سے　　لاکھ آفت مین ہی اک جان دل آزارون سے

فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی

وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہے سر زخمی ہی　　ہے جبین چاند سی پُر نور مگر زخمی ہی

سینہ سب تیرون سے جو تا بہ کمر زخمی ہی　　تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہی

ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون

ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے　　مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے

بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے　　بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے

گرد زہرا و علی گریہ کنان پھرتے ہین

غل ہی گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

مرثیہ گوئی کی تاریخ مین اتنی بات صاف کہنی چاہیئے کہ حضرات اہل بیت اطہار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی اصلی شان دکھانے مین مرثیہ گویون نے بڑی کمی کی ہی، اکثر وقار و ثبات کو جزع و فزع و اضطراب تک پہنچا دیا ہی، بی بیون کی شان اوس پیرایہ مین لکھی ہی جس سے معلوم ہو کہ یہ نہایت بزدل اور خوف زدہ دُکھ کی ماری ہستی مستحق نوحہ و بُکا ہے، حالانکہ وہ پاک بزرگ ان کمزوریون سے بہرحال دور تھے، مُدعا عوام کو رُلانا تڑپانا تھا، اس نے مراثی کا پایہ بہت

پست کر دیا ہے، شاعری میں جان پڑی ہو، مگر اخلاقی و مذہبی پہلو مفلوج ہو کر رہ گیا،
شہادت نامہ خواہ کتنا ہی موثر ہو گیا، مگر وقائع نگاری کا خون ہو گیا،

ضمیمہ نمبر ۲

اس کتاب مین میرے والد بزرگوار کا ذکر کئی جگہ آیا ہی نیز اسلئے کہ وہ بہت بڑے شاعر اور بہت بڑے مورخ تھے، اون کے حالات زندگی کے بیان کرنے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہین، جہانتک ممکن ہے اختصار کے ساتھ لکھون گا تاکہ جو حالات مجھے معلوم ہین وہ اون کی اکثر تصنیفات کی طرح ضائع نہ ہو جائین،

مرحوم کا اسم گرامی مولوی سید فخر الدین اون کے والد کا نام مولوی سید عبد العلی سادات قطبیہ حسینیہ کے چشم وچراغ تھے نسب کا اتصال امام حسن مثنی خلف الصدق سبط اکبر امام حسن مجتبیٰ سے ہوتا ہی حسن مثنی اپنے عم نامدار شہید کربلا امام حسین کی چھوٹی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ سے بیاہے ہوئے تھے اسی لحاظ سے اس خاندان کے لوگون کو حسنی حسینی سے تعبیر کیا جاتا ہی، اس خاندان مین سید شاہ علم اللہ، سید محمد جی، سید شاہ لعل، شاہ ابوسعید، شاہ محمد واضح، مولانا قطب الہدیٰ محدث، مولانا محمد طاہر، مولانا خواجہ احمد، مولانا ضیاء النبی سید مصطفی اور سب سے زیادہ نامور حضرت سید احمد شہید بڑے زبردست علما ومشائخ گزرے ہین

والد مرحوم کی ولادت تکیہ شاہ علم اللہ بیرون شہر رائے بریلی مین ۱۲۵۶ھ مین ہوئی کمسنی مین اپنی والدہ کے ساتھ ناگود تشریف لے گئے، جہان اون کے والد ماجد تحصیلدار تھے وہین فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابین مولوی سید محمد طہٰ نصیر آبادی اور حکیم احمد جان طوسی سے پڑھین تیرہ برس کا سن تھا کہ اون کے والد کا انتقال ہوگیا، سرکار نے اون کی خدمات جلیلہ پر نظر کر کے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا جو عرصہ تک والد مرحوم کو ملتا رہا،

ناگود سے آنے کے بعد اپنے نانا مولانا سید محمد طاہر مرحوم کے دامنِ تربیت مین پرورش
پائی اور شرح وقایہ تک اون سے اور مرزا رحیم اللہ بلوی سے وطن مین رہکر تعلیم پائی، اپنے
نانا کے وفات پانے کے بعد لکھنؤ تشریف لائے اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے حلقۂ درس مین
شریک ہوئے اور طب کی کتابین حکیم محمد یعقوب لکھنوی سے شروع کین. شعر وسخن کا ذوق
ناگود مین حکیم احمد جان کی صحبت مین پیدا ہوا تھا. پھر اپنے نانا سید محمد طاہر کی صحبت مین
ترقی ہوئی، وہ علمی فضل وکمال کے ساتھ فارسی اردو اور خاصکر بھاشا کے بہت اچھے
شاعر تھے، لکھنؤ پہونچکر وہ شوق تازہ ہو گیا، شیخ امیر اللہ تسلیم کے شاگرد ہوئے اور
تین برس مسلسل لکھنؤ مین رہکر متعدد علوم وفنون کی تحصیل کی اور خطاطی مین بھی کمال پیدا
کیا، نسخ ونستعلیق وشفیعہ بہت اچھا لکھتے تھے، اور اون کے شکست مین عجیب طرح کی
شیرینی تھی،

لکھنؤ سے وطن گئے اور چند روز وہان رہے اوس کے بعد وجہ معیشت حاصل کرنیکو
باہر نکلے، چند روز راجپوتانہ مین، چند روز ساگر مین رہے، ساگر مین مہتمم بند وبست کے
اجلاس مین نائب سررشتہ دار ہوگئے تھے مگر شاید سال ڈیڑھ سال کے بعد کسی بات پر
برہم ہوکر نوکری چھوڑ دی اور وطن چلے آئے، کچھ دنون بعد حیدرآباد روانہ ہوگئے.

اوس زمانہ مین ہر جگہ ریل نہین تھی. یہان سے حیدرآباد تک کہین گھوڑے پر
کہین ریل پر کہین بہلی اور ٹانگے پر شاید مہینون مین امراوتی پہونچ گئے. حیدرآباد مین
چند روز کی امیدواری کے بعد کسی اسکول مین صدر مدرس مقرر ہوگئے، اور تقریباً آٹھ
برس تک مختلف اضلاع مین اسی خدمت کو انجام دیتے رہے.

ضلع بدر مین سید محمود اصفہانی خریت جنگ سے شناسائی ہوئی یہ وہان صدر

مدرس تھے، اور وہ صدر تعلقدار (کمشنر) کے میر منشی تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھکر اون سے فارسی زبان اور محاورے کی تصحیح کی اور جب تک وہان رہے اون کو اپنا کلام دکھاتے رہے،

حیدر آباد سے بوجہ بیماری فرمانے ترک تعلق کر کے وطن آگئے، اور دو ڈیڑھ سال وطن مین رہ کر بھوپال تشریف لے گئے، وہان بھی چند سال رہے جب وہان سے آئے تو عرصہ دراز تک کہین نہین گئے، مرحوم کی عادت تھی کہ رخصت لیکر بہت کم آتے تھے جب کہین رہتے رہتے دل گھبرا جاتا تو نوکری چھوڑ کر چلے آتے تھے،

عرصہ دراز تک وطن مین بیٹھے رہتے جب دل گھبرایا تو ٹونک تشریف لے گئے، وہ بھی وطن کے مثل تھا اکثر اعزہ دو دو چار چار پشت سے رہتے رہتے وہین ہو گئے تھے، نواب ابراہیم علی خان نے صیغہ طبابت سے تنخواہ مقرر کردی، دو ڈیڑھ سال رہے بعد پھر وطن چلے آئے اور ایسے آئے کہ پھر کہین نہین گئے، وطن کے گوشۂ عزلت مین زندگی پوری کردی، بیعت طریقت اپنے پھوپھا مولانا سید خواجہ احمد علیہ الرحمہ سے کی تھی انکی طرف سے پیشتر اپنے نانا مولانا سید محمد طاہر کی جانب سے خلیفہ مجاز تھے، اور ذکر وشغل خاندان نقشبندیہ کے طریقہ پر کرتے تھے، مگر پیری مریدی نہین کرتے تھے،

مزاج مین خاموشی، متانت، حلم اور عزلت پسندی انتہا درجہ کی تھی، برادرانہ جھگڑون سے ان کو کچھ واسطہ نہین، ہر شخص سے دوست ہو یا دشمن اچھی طرح سے ملتے اور کسی سے پرخاش نہ رکھتے، صبر وقناعت کی صفت اون کی ہر ادا سے ظاہر ہوتی تھی، تمکنت اور غرور اون کو چھو نہین گیا تھا، ایک چمار یا کوئی رات کے وقت آتا تو گھر سے باہر نکل کر اوس کا حال پوچھتے، اگر وہ کسی مریض کو دکھانے کو لیجانا چاہتا تو اوسی وقت اوس کے ساتھ ہو لیتے اور بڑی شفقت سے اوس کو دیکھتے اور دوا بتاتے تھے؛

ایک زمانہ مین طاعون شدت سے پھیلا ہوا تھا، گانون کے گانون ویران پڑے ہوئے تھے، مرد و عورت لڑکے بوڑھے سب جھونپڑیون مین پڑے ہوئے تھے، اون جھونپڑیون مین خود جاکر بیمار پرسی کرتے اور دوا بتاتے ایک مرتبہ اتفاق سے مین بھی حاضر تھا، مجھے ساتھ لیکر تشریف لے گئے اور دیر تک گنوارون کو سمجھاتے اور دوا بتاتے رہے اس تنگ جھونپڑی مین دیر تک مریض کے پاس کھڑے رہنے سے جو تکلیف مجھے ہوئی تھی وہ آج تک یاد ہی،

طبیعت مین کاہلی نام کو نہ تھی جو کام جس وقت کرنے کا ہوتا اوسی وقت انجام کو پہونچاتے، ایک شخص نبض دکھا رہا ہو اوس کے مرض کی تشخیص کرکے نسخہ لکھا دیا، ایک نے کہا مجھے تعویذ لکھ دیجیے، اوس کو تعویذ لکھکر دیا، ایک کھڑا ہی کہ اس طرح پر مجھے غزل لکھدیجیے کوئی کسی کی ولادت یا وفات کی تاریخ یا شادی کی نوید منظوم لکھوانے آیا ہے، وہ ہر ایک کی فرمایش پوری کر رہے ہین، پڑھنے والے کتاب لیے بیٹھے ہین اون کے سبق شروع ہو گئے گھر مین اون کا کتبخانہ علحدہ تھا، وہان صرف ایک مشغلہ تھا کتب بینی اور تصنیف و تالیف،

تصنیفات کا ایک ذخیرہ پایان تلف ہو چکا ہے، جو نام مجھے یاد ہین وہ یہ ہین، تاریخ تہیل کھنڈ اردو، ناگود مین لکھی تھی، چمنستان اردو، اردو صرف و نحو کی پہلی کتاب ناگود یا ساگر مین لکھی تھی، جوش دل، اردو کا پہلا دیوان، پریم راگ بھاشا کا دیوان، دیوان فارسی اور رقعات فخریہ دونون حیدرآباد مین لکھے تھے، کیا عجب ہی کہ ان دونون کی نقلین اون کے حیدرآبادی شاگردون کے پاس ہون، دیوان ثانی میرا دیوان اردو کا جس کو بھوپال مین ترتیب دیا تھا، مثنوی بہار تسلیم بیان فخر، فغان فخر تینون مثنویان لکھنؤ مین یا وہان سے آنے کے بعد وطن مین لکھی تھین، ان مین سے فغان فخر و بحر تقی ان کے مسودے میرے بچپن تک موجود تھے، فغان فخر کے چند اشعار ملاحظہ ہون،

یاس ہو اب عشق کی تاثیر سے | پھر گیا نالۂ دلِ شبگیر سے
آہ سے جاتا رہا بالکل اثر | کرتی ہے اب نفع کے بدلے ضرر
حسن کے گل سے اڑی بو مہر کی | لذتِ الفت نہین باقی رہی
جل گئے پروانہ کے مانند ہم | خاک مین ابتک وہی ہے سوزِ غم
وحشتِ دل کا وہی ہے زور و شور | ہو گئی شیرینیِ جان باعثِ شور
آتشِ جان سوز ہے یہ بد بلا | پانی سے بجھتا نہین اس کا جلا

بے سلسلہ

جوش مین وحشت کے جب آتا خلل | تھام کے دل پڑھتا یہ آخر غزل
عادتِ مشقِ ستم اچھی نہین | اتنی بھی غفلت صنم اچھی نہین

چشم تھی تیر آہ کا لب پر دھوان | نبض تھی ساقط دلِ مضطر تپان
لوٹتا تھا خاک پہ بسمل کی شکل | پھرتی تھی پہ آنکھ مین قاتل کی شکل
جلتا تھا اوس آگ مین جس کا دھوان | دیدۂ ظاہر سے رہتا تھا نہان
برق کی صورت کبھی آتی ہنسی | ابر کے مانند مین روتا کبھی
ناخنِ وحشت سے تھا سینہ فگار | فاش تھا رازِ دل و جان بیقرار

بہار تسلیم کا رنگ ملاحظہ ہو

مدح سخن

ہے لطفِ سخن نیا ہمیشہ — یہ بات ہے شوق زا ہمیشہ ۰
ہے مخزنِ رازہائے لاریب — کہتے ہیں اسے خزانۂ غیب
گلزارِ سخن سدا ہی باقی — ذائقی [illegible] بان صدا ہی باقی
کرتی ہے کرشمہ شکلِ دلدار — آغوش حسن مین بکر افکار
شبدیز سخن ہی کلکِ شاعر — ہی ملک [illegible] ملکِ شاعر
گلزار خیال ہو سخنور — رکھتا ہے بہار تازہ و تر

جان فخر کا نمونہ

ہو گئی باہم جو دو نون کی نظر — آئی آفت ایک بیچارہ کے سر
ہاتھ سے جاتا رہا دامانِ ضبط — دل کی وحشت نے بگاڑی شانِ ضبط
راہ راہ اپنی گئی وہ تو گزر — یہ دلِ صد پارہ اپنا تھام کر
بسترِ غم پر گرا زار و نزار — دم بدم بڑھنے لگا رنج و فشار
دل مین برپا اک قیامت کا الم — پر بہ پاسِ وضع آنکھین تھین نہ نم
تھم نہ سکتا اوس سے جب یہ کا جوش — اُٹھتا یہ بیباختہ دل کا خروش

غزل

پاس جبتک وہ تمر آتا نہین — دل سنبھلتا اب نظر آتا نہین
ڈر سے اشکون کا بھی ٹوٹا سلسلہ — سوئے مژگان اک گہر آتا نہین
فرط بیتابی سے وہ دن کون ہو — منھ تلک اپنے جگر آتا نہین
دیدہ و دل مین تو کب کا آ بسا — گھر مین وہ ظالم مگر آتا نہین

ایک مثنوی بھوپال مین کسی کی فرمائش سے لکھی تھی، زر افشان اوس کا نام تھا، گلزار نسیم کی بحر اور نسیم کے رنگ کی مثنوی تھی، علاوہ ان کے فارسی اور اردو کے بیسیون قصیدے جو حمد و نعت یا اپنے شیوخ و اساتذہ کی مدح مین لکھے تھے تلف ہوگئے، اون کے کچھ کچھ شعر بطریق انتخاب مہر جہانتاب مین درج ہین نمونہ کے طور پر چند قصیدون کے اشعار نقل کرتا ہون،

فی التوحید

ای بجسم ساتگین از بادہ جان انداختہ ‏ مرزبان از نکتۂ اندر زبان انداختہ

نسر عرفان طائرت در جیب منقار خویش ‏ پر عنقا بہر نسبت آشیان انداختہ

نوعروس لفظ را از حرفہا بستہ نگار ‏ زلۂ معنی بلفظ اندر دہان انداختہ

تیر فکر ہر کہ بر روئے نشان شد بوسہ گیر ‏ خویشتن را از سر نام و نشان انداختہ

بہر بیع جنس سرسبزی امید بہار ‏ دست امکان زر بدامان خزان انداختہ

منم کہ مہر جہانتابم از بریق ضمیر ‏ برخ کشیدہ آزرم آن نقاب زریر

چو عکس خامۂ من چشم حاملہ مبیند ‏ شود مشیمہ درون کور عاقل نقد بصیر

بزہرہ آب کند شیر در نیستانہا ‏ برآرد از نئے کلکم نہ حرف رزم صریر

کشند بپائے چو طاؤس خامہ نقش نرم ‏ ہمائے ہوش عطارد کند بدام اسیر

بجام لفظ شراب معانیم طو قیست ‏ بگردن خرد و پائے فہم را زنجیر

رفتم ای آرزیاب تو بحرمان رفتم — خلعت آرزو آوردم و عریان رفتم

غنچه بودم ز کشودن چو سبکروح شدم — بر سر باد چو بوی گل خندان رفتم

نکهت اندر دهن غنچه بُد این آمد و رفت — آدم صورت باد و صفت جان رفتم

گاه چون انجره از ارض بر افلاک شدم — گاه چون قطره فروگشته بعمان رفتم

از نگاه عرفان دور فتادم چون نخل — وز دل اهل نظر صورت احسان رفتم

کس ندانست دوای دل عصیان خیزم — بر در گبر شدم پیش مسلمان رفتم

عشق پاکم نگر ای دل که پس از خاک شدن — خانه بر دوش هوا بر در جانان رفتم

همچو ذرات در انوار رخش رقص کنان — تا بجولانگه قدس از ره ایقان رفتم

لاله گونم کفن از تیغ تمنا بسمل — جامه رنگین چو گلی رنگ شهیدان رفتم

زلف فکرم شده پیچان برخ دولت و زر — گاه در هند شدم گاه بکرمان رفتم

کرم دست کشد لطف کریمی که از و — تا بصبح امل از شام غریبان رفتم

آن حکیمی که بهر بار سرای قربت — در دلش بی زدن حلقه بسندان رفتم

معصیت گشت دلیل ره غفران از وی — خانه در باغ ز صحرا بخیابان رفتم

فی التوحید

نور وحدت را غیرت از حجاب کثرت ست — ذره کم ولیکن هست گوهر آفتاب

[illegible] — بازی دیگر کند همچون کبوتر آفتاب

اخگرِ روشن ز خاکستر حجاب اندر بود — جرمِ تن چون مجمرِ خاکی و اخگر آفتاب
ہمتِ عالی فروناردسر خود پیش کس — طبعِ من ماناست با بخشندۂ زر آفتاب
گرچہ دل گرمم ہمی لرزد ز چرخ سرد مہر — سایہ بر آبے ہمی لرزد چو مضطر آفتاب
ہان مگر دستم کشد اصلم کہ بیش رفعتش — ہمچو من فرعی بود و ز ذرہ کمتر آفتاب
شاہ مگا ہان چون ہمی بوسد زمینِ خد متش — می بر آید ہر سحر با تاجِ انور آفتاب
گر رخِ او جلوہ نمود سے بچشمِ دیدہ ور — می نمودش حلقۂ زلفِ معنبر آفتاب

اے با کسیرِ نوالت بوتۂ زر آفتاب — بہرِ ظرفِ سفرۂ عامِ تو زرگر آفتاب
نو عروسانِ بہاران را حلے بندے زتست — مید ہد ہم مہرگان را از تو زیور آفتاب
زلفِ لیلائے شب از سودائے لطفِ مشکبو — عارضِ سیمینِ قیس روز یکسر آفتاب

چیست کہ مہرِ منیرِ خلعتِ زر یافتہ — چرخ ز ماہ شہیر تاجِ گہر یافتہ
خشک خزان را ذہن فصلِ گل اندر چمن — بلبلِ شیرین سخن نغمۂ تر یافتہ
آبِ بقا را اثر باد نمو را ہنر — خاک سکون از سفر شعلہ شجر یافتہ
صحنِ چمن را بہار شاخ پُر از برگ و بار — دشتِ گلِ نو بہار خردۂ زر یافتہ
ابرِ سیہ قطرہا قطرہ گہر را بہا — گوہرِ روشن ضیا بحر و سیہ یافتہ
تاک مے خوشگوار نرگسِ شہلا خمار — گل ورقِ آبدار تازہ و تر یافتہ

عالم کون و فساد دل بسکون ورنہاد — ملکِ دکن را سواد زیب دگر یافتہ

جشن نوروزی عیداست گل افشان امروز | غم فردا الم دی شده پنہان امروز
بہ بہاری شدہ افلاک خزان را گروش | کہ زمین راخس وخاراست گلستان امروز
عمل نیک تو آورد فردوس ز بہشت | کہ بہر سو چمن آراستہ رضوان امروز
بسکہ شد سوختہ و بختہ عود و عنبر | مشک بیز است ہوا سے پر مرغان امروز
بادۂ ناب پر در شک آب خالص | سبزہ شد غیرت صد دستۂ ریحان امروز

ایک سو بیس شعر کے قصیدہ مین سے چند شعر بغیر کسی سلسلہ کے،

سپیدہ دم تتق خواب شد ز دیدہ چو دور | نمود جلوہ در آغوش دل عروس سرور
مہ دو ہفتہ ز لوح جبینش داغ بدل | غزال تجہ تشویر پیش اد کافور
کمان ابروئے آن بت کشیدہ گر بنید | کنند حلقہ کشان خم بسجدہ فرق غرور
بدیدنش شدہ بادام بندۂ بے دام | بشو خیش شدہ بیمار نرگس مخمور
ستادہ یکطرف اسپان باد پیمایان | کہ طے کنند بیک گام عرصہ ہاے دہور
بیال کاہکشان دبدم چو پر و سینے | چو گل بکثرت رنگ وبچہرہ ہمچون حور
گہے رکوب چو برق و گہے سکون چو زمین | گہے قتال چو رعد و دم صدا چون صور

دہ چہ خرم بود گلستانے | غنچہ خندان وابر گریانے
بر کلالہ بنفشہ چشمک زن | بہ سر زلف سنبلستانے
گل ترد شک خندۂ گلرویان | یاسمین ہمچو ماہ تابانے
نرگس نیمخواب دنہ دیدہ | دیدہ بکشادہ چون نگہبانے

شده رطب اللسان گل سوسن — چمن دہر را غزل خوانے
باد از رشح آب بر سر خاک — فرش گسترده سبز دامانے
طوطیِ سبز فام از مستی — بر سر شاخ شکّر افشانے
وین ہمہ زیب و زین کے باشد — کاندران باغ باشد انسانے
ہست او انکہ بے شک و شبہت — عالمش تن بود واو جانے
حل کنِ عقد ہائے لا ینحل — ملت و ملک را نگہبانے
پایہ برتر کنِ فنون ملل — مایۂ دار علوم ادیانے

اردو قصیدون مین سے صرف ایک قصیدے کی تشبیب پیش کرتا ہون،

آگیا سامنے وہ بت دل و دین کا دشمن — رخصت اے شیخ حرم کفر ہوا توبہ شکن
کیا کہون کیا نظر آیا رخ کافرین مجھے — طالب رشتۂ زنار رہے ہر دم گردن
ہی تمنا کہ لکھون اس کا سراپائے جمال — صحن حسن سے لبریز ہے آغوش دہن
زلف ہی یا شب دیجور کہ جس کے آگے — شام غربت سے زیادہ ہی رخ صبح وطن
اوسکی ہر ایک گرہ سے ہی پڑی دل مین گرہ — کھل گئی یان گرہ زلف چلیپائے سخن
پھر بکھنتہ کہون اس کو اسے ابر سیاہ — یا اسے بال کہون اوسکو جبین روشن
شکل ابرو سے یہ ہوتا ہی نظر کو دھوکا — دو ہلال ایک جگہ ہو تو نے کئے جلوہ فگن
نرگسین ناز بھری دید کے قابل دو بڑے — نشۂ حسن مین سرشار خرد کے رہزن
بینی اس شوخ کی ہے ن سے کہ شعلہ کی لو — دیکھکر جسکو ہو پھر غنچہ گل برگ سمن
مہر و مہ صدقہ ہوا کرتے ہین دونون رخ پہ — پانی پانی ہوئے جاتے ہین جوانان چمن

لب ہین یا تعبیہ ہین درج دہن پر یاقوت | یا ہین دو پنکھڑیان گل کی لطیف و حسن
غنچۂ گل ہی دہن اوس پہ مسی کا جوبن | ایک ہی شاخ مین پھولے ہین گلاب و سوسن

والد مرحوم کی جو تصنیفات ضائع ہونے سے بچ گئی ہین اون مین سب سے زیادہ عجیب کتاب مہر جہانتاب ہی فارسی زبان مین ایک جلد اوس کی فلسکیپ کی تقطیع مین تیرہ سو صفحون پر تمام ہوئی ہی دوسری جلد آدھی لکھی تھی کہ عمر نے وفا نہ کی،

پہلی جلد مین تین دفتر ہین، دفتر اول مین علوم وفنون متعارف وغیر متعارف کے مسائل لکھے ہین جس طرح سے سیوطی نے نقایہ اور اوس کی شرح مین لکھے ہین، دوسرے مین انبیائے کرام اہلبیت صحابہ تابعین، محدثین علما، حکما، اور مشائخ کے حالات جدا جدا قلمبند فرمائے ہین، تیسرے دفتر مین عربی فارسی اُردو اور بھاشا شاعرون کے تذکرے علیحدہ علیحدہ درج کیے ہین،

دوسری جلد مین دنیا کا جغرافیہ اور تاریخ لکھنی چاہی تھی، جس مین ایشیا کا بڑا حصہ ہو چکا تھا، یہ جلد آدھی ہو چکی تھی کہ اون کو یہ بات محسوس ہوئی کہ جس زبان مین یہ کتاب لکھ رہے ہین اوس کا زمانے نے ورق اُلٹ دیا ہی اور چند دنون مین کوئی اِس کا سمجھنے والا بھی باقی نہ رہے گا، اِس خیال کے آنے سے ہمت پست ہو گئی، چند دنون کے لیے قلم رکھدیا، پھر اپنی گزشتہ محنت پر تاسف ہوا اور اُردو مین از سر نو لکھنا شروع کیا، دس بارہ جزو لکھ چکے تھے کہ داعیِ حق کو لبیک کہکر خلد برین کو سدھارے،

ایک کتاب اون کی سیرۃ الساداتِ فارسی مین ہے، اوس مین بھی بڑی تفصیل کے ساتھ سادات کی بہت سی شاخون کا نسب نامہ دیا ہی اور جن بزرگون کے حالات ملے ہین

اون کو بھی ساتھ ہی ساتھ لکھتے گئے ہین اس کتاب کا شمار بھی اونکی بہترین تصنیفات مین ہی،

ایک اور کتاب فارسی مین سیرہ علمیہ ہی اس مین سید شاہ علم اللہ کے حالات اور اون کے خاندان کے تمام علما، مشائخ اور سادات کے حالات بیان کیئے ہین، یہ بھی بہت مفید اور عمدہ کتاب ہی،

ایک کتاب عربی مین سبیل النجات ہی۔ اس مین ہر قسم کی دعائین جمع کی ہین، اور بطور حزب الاعظم کے اوس کو احزاب پر تقسیم کیا ہی، اور بین السطور ترجمہ اوس کا اُردو مین کر دیا ہی،

ایک کتاب مجربات خیالی اُردو مین ہی اس مین وظیفے دعائین اور خاندانی اعمال ہر ایک مرض اور ہر ایک حاجت کے جمع کیئے ہین،

فخر المطالب سیوطی کی ایک تصنیف کا ترجمہ ہی، ایمان ابوین کی بحث مین یہ کسی کی فرمایش سے کیا تھا، شاہ ولی اللہؒ کی انصاف فی بیان اسباب الاختلاف کا ترجمہ بھی اُردو مین کسی کی فرمایش سے کیا تھا اور حاشیہ پر فوائد لکھے تھے، طالب علمی کے زمانے مین شرح وقایہ کا حاشیہ عربی مین لکھنا شروع کیا تھا اوس کے اجزا بطور مسودے کے موجود ہین،

شعر و سخن مین جو کتابین مینے پائین یا چھپ گئی ہین اون مین دیوان فخر حضرت کا دوسرا دیوان ہی جو لکھنؤ مین مرتب کیا تھا، یہ مجکو اتفاقاً اون کے ایک شاگرد سے مل گیا، اس مین چند قصیدے غزلون کا دیوان، نامے مسدس، رباعیان اخیر مین مناظرہ شب و روز اُردو نثر مین ہے،

مثنوی ماہ و خورشید بھوپال مین غلام احمد فروغی کی فرمایش سے لکھی تھی، تقریباً پانچ ہزار شعر کی کتاب ہی، اوس کا تمام مسودہ میرے پاس ہی، کتاب صاف کر کے فروغی کو

دیدی تھی معلوم نہین انھون نے کیا کی،

مثنوی نگارخانہ چین فروغی کی فرمائش سے بھوپال مین لکھی تھی، یہ بھی ماہ وخورشید
کے برابر ہے اس کو فروغی نے چھپوالیا تھا،

مسدس خیالی، مسدس حالی کے جواب مین مولوی عبدالعلی مدراسی نے لکھوائی تھی
اور انھین نے اس کو چھاپ دیا ہے،

نثر خیالی، سہ نثر ظہوری کے طرز پر لکھی تھی، فروغی نے احمد جان صوفی کے مطبع مین
چھپوایا تھا مگر اب ملتی نہین، منتخبات خیالی ایک مختصر مجموعہ نعت کی غزلون کا بینے چھپوایا
تھا، اوس کے اور ٹکڑے مثلاً واردات خیالی، مناجات خیالی وغیرہ ابھی رکھی ہوئی ہین،
یہ آخیر زمانہ کی تصنیفین ہین جبکہ ان کو شاعری کا ذوق جاتا رہا تھا، بچون اور عورتون
کی فرمائش سے اون کے مناسب حال کچھ فرمایا کرتے تھے،

میرے ماموں مولانا سید عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے رحلت فرمائی تو اُن کے شاگردون
اور مریدون نے فارسی اردو اور بھاشا مین ان کے حالات لکھے کسی نے مثنوی لکھی
کسی نے نثر مین لکھا، میرا سن اوس وقت چودہ برس کا تھا، دیکھا دیکھی اونکے
وفات کی تاریخ فارسی مین مین نے بھی لکھی اور اردو مین مثنوی لکھنا چاہی، مگر اس کا سلیقہ
نہ اس وقت تھا نہ اب ہے، اسلئے مین نے والد مرحوم سے استدعا کی، انھون نے نظم عالی
کے نام سے ایک مثنوی لکھی جو میری طرف منسوب ہے،

سرودِ رحمت، اردو فارسی اشعار مین فخر اور بھاشا مین میر تخلص تھا، حیدرآباد مین اردو
فارسی مین خیالی تخلص قرار دیا جو اخیر زمانہ تک قائم رہا،

عربی مین بھی کبھی کبھی تغزل یا مناجات کے اشعار نظم فرمایا کرتے تھے، مہرجہانتاب مین

اوس کا بھی انتخاب کیا ہی، مگر وہ بہت تھوڑا ہی، شاید تیس چالیس شعر ہون گے،

راجپوتانہ کی کسی ریاست مین جب چندروز رہنے کا اتفاق ہوا، تو ہندی بھی سیکھ لی تھی اور بے تکلف اوس مین لکھتے پڑھتے تھے،

ہون کے حالات زندگی پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ بہت بڑے ذہین و ذکی تھے، جس طرف توجہ کرتے تھے اوس کو بآسانی حاصل کر لیتے تھے، حافظہ کمزور تھا، مقرر بھی نہ تھے اس کے ساتھ طبیعت مین کم آمیزی کا مادہ تھا، اور اظہار کمال سے سخت نفرت تھی،

یہی وجہ تھی کہ زندگی مین اون کو کسی نے کم جانا، اور با این ہمہ کمالات علمی و عملی وہ گوشۂ گمنامی مین چھپے رہے، اور آخر کار ۱۰ ر رمضان ۱۳۲۶ھ کو تصنیفات کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑ کر وفات پائی،

فارسی غزلون کا انتخاب،

چمن نادیدہ دام صید در پا ہم رسید اینجا ‏ تمنائے تماشاے گلم بیخود کشید اینجا

پر و بالم بیک پرواز صیاد ے شکست اکنون ‏ کرا باشد بہ پرواز دگر اے دل امید اینجا

زود آئی کہ یادت بکمین دل و جانست ‏ مشتاق قدوم تو بہر سو نگران است

بشکست دلم چرخ و ہنوزم نگران ست ‏ در مشق ستم پیر شدہ و جوان است

اے دوست مپرس از دل چون لف پریشان ‏ بنگر برخ زردعیان راچہ بیان است

ز چشم انتظار من سیاہی وقف شبہا شد ‏ تمنا مژدہ بعد از من صباح وصل پیدا شد

چو بودم پر دل از غم خالی از شادی لبِ ازمِ دن — دلم شد خاک و ساغر گشت و گریان چشم مینا شد
دلِ پُر آبلہ می داشت آبِ رز ز بے کیفی — نگاہِ چشم مستش را بدل جا داد و صہبا شد

از شکست بند کار از بیش بہتر می شود — تیغ چون بر خود شکست آور دِ خنجر می شود
صحبتِ روشن دلان تاریکی دل می برد — بیش آتش وردمی انگشت اخگر می شود

جان را بہ برقِ جلوۂ جانانہ سوختیم — شوقش زبانۂ ز دو مستانہ سوختیم
از گرمیٔ ہجوم تمنائے دل چو عود — پنہان بسوزِ ہجر بیرانہ سوختیم
تابِ سخن نماند بس اینست مختصر — با شمع ساختیم چو پروانہ سوختیم

اُردو غزلون کا انتخاب،

ہے ہم ہاتھ ہی ملتے جنون نے پانون پھیلا کر — نشانِ تار تک چھوڑا نہین جیب و گریبان کا
جسے سمجھا تھا دل آرام جان لے وائے بیدردی — وہ اک آتش کا پرکالہ ہے خرمن سوزیٔ جان کا
زمین ہے مدفنِ نعش اور سینہ مخزنِ حسرت — دلِ پر آرزو بھی رشک ہے گورِ غریبان کا

ارمان وصل کا دلِ شیدا مین رہ گیا — مین عمر بھر فریبِ تمنا مین رہ گیا
کیا کیا دیا ہے ساتھ رفیقِ جنون نے آہ — ٹوٹا جو خارِ دشت کفِ پا مین رہ گیا

مر گئے ٹھنڈے ہوئے تو یہ سمجھے — عشق تھا وہ جو شعلہ افگن تھا

حسرت ہی پھر وہی کوئی ایسا ہو دلفریب　　کیا کیا نگاہِ ناز نے ظالم مزا دیا

مجبور سچ ہی آدمی اِس جی کے ہاتھ سے　　دِل جس پہ آیا آیا جدھر سے پھرا پھرا

زندگی ایک خواب کی سی تھی　　یہ کھلا ہم پہ بعد مردن آج

مسافرانِ خیالات گزرے ہین کیا کیا　　ہمارے دل کا بھی ہی حال رہگزر کی طرح

شجر گل پہ جو دو چار پر آتے ہین نظر　　تھا کسی وقت یہ بلبل کا نشیمن آباد

مر کر بھی شوخیون کا تقاضا نہ کم ہوا　　بادِ صبا سے کرتا ہے میرا غبار ناز

نکبت ہی اب تو ثمرہ دانش زمانے مین　　سایہ کا بھی نہین ہے نہالِ ہنر سے فیض

ہم کو برسون مین رقیبون کے لیئے　　تین دن مین آئے اوس کے چار خط

فخر اس زہد ریائی پہ نہ کر زنہار　　بندگی کی نہین پروا ہی وہان اے واعظ

ہی فصلِ گل خزان گئی بدلا ہوا کا رنگ　　جسنے لگا چمن مین نسیم و صبا کا رنگ

نکہت گل کی طرح آزاد و بربادی سے ہین | پھرتے ہین بے قید کیا کیا خانہ ویرانی سے ہم
بے نشانی سے نہین احسان کسی کا بعد مرگ | پاک ہین یارون کی رسم فاتحہ خوانی سے ہم

دیکھا تو آپ میرے ہی گھر مین ہین گوشہ گیر | ڈھونڈھ آیا ابھا نہ مین اُن کو جہان تمام

انکار وصل ہوتا تو اقرار سہل تھا | دشوار تو یہی ہے کہ انکار بھی نہین

وصل مین بھی ادب عرض بیان مانع ہی | ہائے جو دل مین ہی وہ منہ سے نکلتا ہی نہین

دیکھی اِکدن بھی نہ اس باغِ جوانی کی بہار | فصل گل مین بھی ہم اے فخر خزان رکھتے ہین

گل کھلے گا اور اے بلبل نہ چھیڑ | منہ جو غنچہ کا کِھلا اچھا نہین

بے ابتدائے عشق خیالی ابھی سے آپ | دِل پکڑے پکڑے پھرتے ہین گھبرائے جاتے ہین

مانا کہ حوصلہ وہی ابتک فغان کا ہے | لیکن ہجوم یاس امید اثر کہان

غضب کی تیز یان کرتا ہی ابلق شب و روز | کسی سوار کا جمتا نہین رکاب مین پانون

محبت سے یہ بُت کدھر دیکھتے ہین
بُرا دیکھتے ہین جدھر دیکھتے ہین

خود گم رہے کبھی کی کبھی جستجو نہو
دِل دے خدا وہ جس مین کوئی آرزو نہو

نظرون سے مین گرا صفتِ اشک بے اثر
مجھ سا بھی خلق مین کوئی بے آبرو نہو

خلاف قاعدہ کی مدح تم نے میری غیرون سے
سمجھتا ہون مگر مین خوب اِن باتون کے پہلو کو

بہار باغ مین ہو یا خزان جو ہو سو ہو
اگر ہمین نہ رہے تو وہان جو ہو سو ہو

ایک عالم ہی برابر تپشِ بیہم سے
میرے پہلو مین کوئی دل ہی کہ اخگر کیا ہی

خار صحرائے جنون چارہ گری کرتے ہین
جوشِ وحشت مین مجھے حاجتِ نشتر کیا ہی

آج آیا ہی دِل زار جو لیتے ہو تو لو
کل مرے پاس یہ نادان رہے یا نہ رہے

بتو سنگِ مزار فخر دیکھو
کہ بعد از مرگ بھی چھاتی پہ سِل ہو

حسرت برس رہی ہو مری مشتِ خاک پر
چادر نہ پھول کی ہو نہ شمع مزار ہے

دِکھلا رہا ہی چرخ پس از مرگ رفتین
بادِ صبا کے دوش پہ میرا غبار ہے

غنچہ ہے مدتون سے گلِ آرزوئے فخر — ناآشنائے لطف نسیم بہار ہے

اپنے ہوتے غیر بیٹھین اون کے پاس — یہ بھی اے دِل گردشِ ایام ہے

لبون پہ دم نہ کیونکر آئے جب ہم نشین دلکو — وفا کی جس سے ہو اُمید وہی بے وفا نکلے
بر آئی اے فلک تجھ سے نہ امید ایک بھی اپنی — رہا یہ حوصلہ برسون کہ کوئی حوصلہ نکلے

شیخ صاحب کی نرالی ہی بات — یہ سن اور لہو لعب کیا کہئے

دل و جگر کیون نہ پیش کر دون سنون نصیحت مین کیا کسی کی — ستم ہی چتون ترچھی ترچھی وہ بانکی بانکی ادا کسی کی
لٹین یہ چھوٹی ہین گیسوونکی کہ سر گرانی ہی عاشقونکی — اِدھر سے اتری اودھر کو آئی کسی کے سر پر بلا کسی کی

بھیروین ۶ گھڑی سے ۹ گھڑی دن تک موسم بارش مین

بدریا گھیرے سیا ما نہین آئے رے

گُہری سَوَت جس بادر گرجت — آنس جوین رت پاوس کیری رے
یہ تن کبھون دامن جس چمکے — وہ کی گلن نِت پھیری ری رے
بچھُوہ رین ساون کیری رتیان — بہور دہو پ پڑے کیری رے
نس اندھیاری نہتہ نہ سوجھے — میر پیا تمہین اب کت ہیری رے

لہیا ۶ گھڑی دن سے ۱۱ گھڑی تک

جاؤ جی تم کشن کنہیا

تم الگ رجی اپنے گہ جے   ہو رکتو کے ناہین سنئیا

تیر کہون کیا یام کی گھاتین   ہو پیلا پت کا لیو تیا

سارنگ آدھے دن سے ۳ گھڑی دن تک

ٹھنڈی چھتیان نپیا کھانون

بیریا ڈولے جیرا لسا وے   بوٹے کوئلیا کے پیا نا نون

پپیہا کوکو، مور وا بولے   تیر پیا کا کہہ بدھ پاؤن

-گوری ۳ گھڑی دن سے آخر تک یعنی ۶ گھڑی تک

جیرا رہت لجھاوے

اوگلی جو بن بالک ہو کنہیا، سنگ کی سکھی سب پیا سنگ کھلین، ہل مل دھوم مچائے،
ہمری بلمہ پلنا مان جھولین ہم پیٹھ مرجھائے، ساس نند موہے نسدن [illegible] اگین ناکو
ہوئے سُہائے، تیہ بلمہ ناوا [illegible] ہون تو کس پہ [illegible]

-یمن ۶ گھڑی شام سے ۹ گھڑی رات تک

اتنا نا آئی تم جیرا جارو

سوتن سنگ تم رین وتا ہو   چھانڈو پرنتھہ نج یا جھو ہمارو

تیر پیا [illegible] یارو   تم تو نس دن تن من وارو

جھنجھوٹی ۹ گھڑی سے آدھی رات تک

لاگ رہی نت سرت تمہاری   سُدھ نہ بسیاریو بلمو ہماری

من کے منکے پھیر رہی ہون — تن جل بھُن کے بن گیو چھاری
بیٹھی ہون تمہری آس لگائے — راکھیو نراس ناموہین مین واری
تیرسون بھینٹ کرو ہو موہن — رسدن تم پہ رہت بلہاری

بہاگ آدھی رات سے تین گھڑی رات تک

جن چھوو بانکے یار — پاءل موری اُن جھن باجی
ساس بُری موری پوری نیرے — نند ہٹیلی گا جی
بھے جا ن تو آنکھ ملہیو کلھہ — کرم کیو جو ساجی
بہت ستاؤ نہ جگیون ساس — ایسو ٹھٹول جائے راجی
تیرکہیو کا آئے کے جگ مان — آئے رہیو کہنہ کا جی

سورٹھ ایضاً

اب مین جوگن ہو تھیون لے پیا تے ساتھ
گھائل کر موہین پیا کہون چھپائے — پھنس گئے پرآرہی ناری ہاتھ
میرچو ندر موری میل بھئی ہے — سیج پیاو تھو کارس کمات

پربج ۳ گھڑی رات سے ۶ گھڑی دن تک

سیام کون گن گائے اودھو

نین کچھو الکھین بسرا ہین — بھو ین دو وج بجائے اودھو
سارنگ بین ابین رس اُدہرن — بیج دسن چمکائے اودھو
تیرہ جیا ہر لیگیو تکہن — لے کر مرلی بجائے اودھو

کالنگڑا ۱۲ گھڑی رات سے ۲ گھڑی صبح تک

سُونی سندر بن سیج ہماری

سو رہون سنگار بر ہوٹن ابرن — موتین مانگ سنوا ری

حو احندن سو گندھ کیو گھر — چو مکھ و نیا بار ی

میر پیا بلمہو کہون جائے — شدھ یہ تن کے بسار ی

بسنت ہر وقت

آئی بسنت بہار سکھی ری کہتین جرڈے چھائے

کو وچو ندر کو ساری رنگاکے کیسر رنگ رچائے — بھرت لئے کرسون ڈارے کیل مچو سنسار

ٹیسو پھولے آنبہ بورائے، کوئل سبد سنائے — ہمری بلمہ پردیس مان چھائے بسر دیئے سگرو سینگار

یہ سنسار سین کرلیکھا، سہسن کیل کھلاوے — میر جیوہ ہرنام رینن، جو چاہو اپکار

ہولی

موہ ٹھگ گیو نبسی بجیا — کیسے کرون جیا گیو ہی بھٹک

گرہ انر وگ بے یانے نہ نکست — نین نین کے نہین ڈٹ پڑ یا

جیو کر سچ ائشدھ نہین ایکو — ہر گے ہتھی جو کام کر یا

جا سو گئے ہر دے کے للک

جما را بیر کے رنگ ہے مکھ پر — انسون رنگ ہین نین بہیا

روپ سنگا راہے سب بگڑا — من ہے نہین جو بن کا لو بہیا

جاس رہت کل رنگ چٹک

لاگے کریجے پریم کے گانسے — گھا و کا نا ہین دکھیا

پیر دکھ نہین کوؤ ہرت ہے　　بھینٹ ہر جیرا کاوکھیا

جاس جات کر یج مسک

توری چیتون کے میر بلہاری　　پریم نجریا چتوؤ یا

ایک نجر ٹک دیکھین موہن　　مورے جیا کے بلمبیا

اتبو مٹاو انکھین کی کھٹک

متفرقات

رات کی بتیان میٹھی میٹھی　　تورے جیا سے نکس گیٔین رے

قول قسم کیو بہتیان گہہ کے　　اپنی غرض کیو پت موری لے کے

بسر گیو اب سب گن کے کے　　وہ بتیان اب کس گیٔین رے

پیتم جب سے بدیس سدھارے　　ہر م جور کرت اوہکارے

میر جیا مہین رہت سنبھارے　　انکھیان درس کا ترس گیٔین رے

ایضاً

موہ گئے من سانوریا نینن نین ملائے

اِک تو روپ انوکھا تا پہ ٹھمک واکی چال　　سنمکھ ہوتے نجریا دیت جیا ہو لسائے

اِس چھل بل دیکھ کے دھیر دھرے کب جیو　　دیکھ کے سونی سیجریا میر رہو نا ہین جائے